ہندوستان

اسلام کے سائے میں

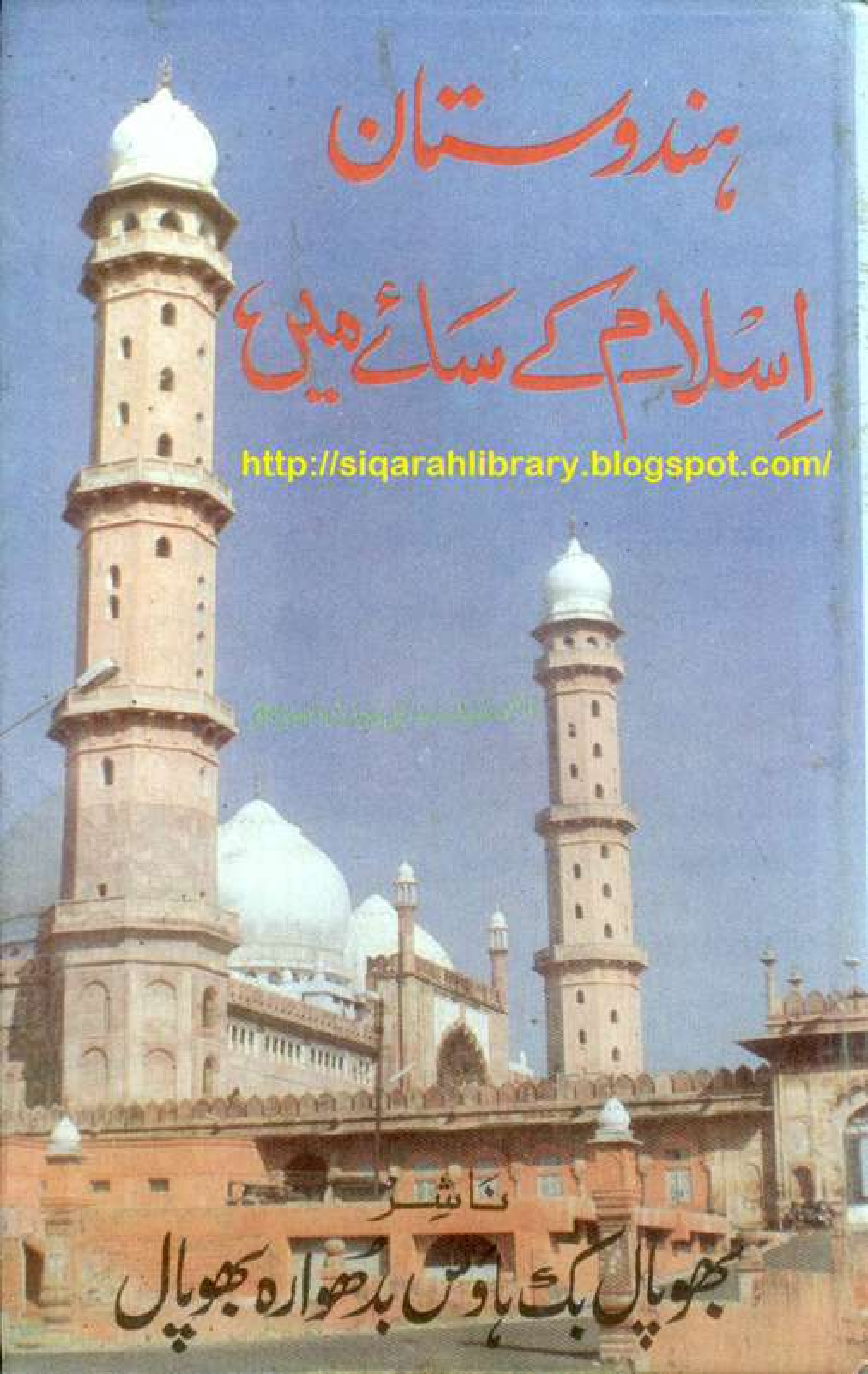

ناشر

بھوپال بک ہاؤس بدھوارہ بھوپال

ہندوستان

اسلام کے سائے میں

قاضی سید عابد علی وجدی الحسینی مرحوم

ناشر
بھوپال بک ہاؤس بدھوارہ بھوپال

نام کتاب :- ہندوستان اسلام کے سائے میں
مصنف :- قاضی سید عابد علی وجدی حسینی مرحوم
بار سوم :- ۱۹۹۸ء
قیمت :- ستّر روپیے
مطبع :-
تعداد :- گیارہ سو

ناشر
بھوپال بک ہاؤس بدھوارہ بھوپال (ایم پی)

دیباچہ طبع ثانی

باسمہٖ تعالیٰ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

حقیر مؤلف کی کتاب "ہندوستان اسلام کے سائے میں" جب پہلی بار طبع ہوئی تو اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ ایک نئے موضوع پر ایک علمی و تحقیقی و تاریخی کتاب کو خواص و عوام اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور ملک کے رسائل و مجلات اس کی پذیرائی فرمائیں گے۔

مؤلف کے مکرم و مرحوم دوست مولانا نسیم احمد فریدی نے اپنے گرامی نامہ میں جو تبصرہ فرمایا تھا وہ مرحوم و مغفور کی یادگار کے طور پر نقل کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے۔

"آپ کی کتاب عمدہ و معلومات افزا اور اس فن کی مذہبی کتابوں میں شاہکار ہے آپ کی عزت افزائی کا شکریہ کہ مجھے اس کتاب کی سعادت اندوزی کا موقع دیا اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو جاری رکھے"۔

مشہور مصنف و مورخ مولانا اطہر مبارک پوری نے اپنے طویل گرامی نامہ میں کتاب مذکور کو قابل قدر و یادگار قرار دیا۔

بہر حال حقیر مؤلف عوام و خواص نے اس کی قبولیت کے لئے حضرت حق جل مجدہٗ کا شکر گذار ہے۔

کتاب مذکور اب دوبارہ تھوڑے سے اضافہ کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے میں دعا کرتا ہوں کہ کتاب ہذا فقیر کے لئے ذخیرۂ آخرت بنے اور اس کو قبولیت عامہ و تامہ حاصل ہو۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

۱۰ نومبر ۸۹ء

سید عابد علی وجدی الحسینی شہر قاضی بھوپال
(شیخ الحدیث)
جامعہ اسلامیہ عربیہ بھوپال

نام کتاب :- ہندوستان اسلام کے سائے میں
مصنف :- قاضی سید عابد علی وجدی حسینی مرحوم
بار سوم :- سنہ ۱۹۹۸ء
قیمت :- ستر روپئے
مطبع :-
تعداد :- گیارہ سو

ناشر
بھوپال بک ہاؤس بدھوارہ بھوپال (ایم پی)

دیباچہ طبع ثانی

باسمہٖ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً

حقیر مؤلف کی کتاب "ہندوستان اسلام کے سائے میں" جب پہلی بار طبع ہوئی تو اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ ایک نئے موضوع پر ایک علمی و تحقیقی و تاریخی کتاب کو خواص و عوام اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور ملک کے رسائل و مجلات اس کی پذیرائی فرمائیں گے۔

مؤلف کے مکرم و مرحوم دوست مولانا نسیم احمد فریدی نے اپنے گرامی نامہ میں جو تبصرہ فرمایا تھا وہ مرحوم و مغفور کی یادگار کے طور پر نقل کیا جارہا ہے وہ یہ ہے۔

"آپ کی کتاب عمدہ و معلومات افزا اور اس سن کی مذہبی کتابوں میں شاہکار ہے آپ کی عزت افزائی کا شکریہ کہ مجھے اس کتاب کی سعادت اندوزی کا موقع دیا اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو جاری رکھے"۔

شہور مصنف و مورخ مولانا اطہر مبارک پوری نے اپنے طویل گرامی نامہ میں کتاب مذکور کو قابل قدر و یادگار قرار دیا۔

بہر حال حقیر مؤلف عوام و خواص نے اس کی قبولیت کے لئے حضرت حق جل مجدہٗ کا شکر گزار ہے۔

کتاب مذکور اب دوبارہ تھوڑے سے اضافہ کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے میں دعا کرتا ہوں کہ کتاب ہذا فقیر کے لئے ذخیرۂ آخرت بنے اور اس کو قبولیت عامہ و تامہ حاصل ہو۔

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز

۱۰؍ نومبر ۸۹ء

سید عابد علی وجدی الحسینی شہر قاضی بھوپال۔
(شیخ الحدیث)
جامعہ اسلامیہ عربیہ بھوپال

ہندوستان اسلام کے سائے میں

فہرست عنوانات و مندرجات کتاب شق القمر

نمبر شمار	عنوانات	صفحات	نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۱	حرف آغاز	۱۳	۲۰	مذہب کی نفسیات	۵۰
	باب اوّل		۲۱	ثبوت رسالت (حاشیہ)	۵۱
۲	دنیا کے قدیمی چار مذاہب	۳۲	۲۲	مشرق و مغرب کا فرق	۵۲
۳	انسانی تمدن کا اولین گہوارہ	"	۲۳	وطنیت کا نیا شاخسانہ	۵۴
۴	بشری تہذیب کا ابتدائی نقطہ	۳۴	۲۴	ستارہ پرستی کا آغاز	[illegible]
۵	فن تحریر کی ایجاد	۳۵	۲۵	کیا برہما یا ابراہیم ایک ہیں (حاشیہ)	۵۸
۶	بابل کا جادو	۳۶	۲۶	چاند سورج دیوی دیوتا	۶۰
۷	حکمت و فلسفہ کا بانی کون	۳۷	۲۷	بابلی قوم اور چاند سورج	"
۸	تاریخی ارتقا کے قدرتی عوامل	۳۹	۲۸	بابلی کلدانی قوم (حاشیہ)	۶۲
۹	انسان اول کا تصوراتی خاکہ	۴۰	۲۹	مصری قوم اور چاند سورج	"
۱۰	ظلمت شب کا بھیانک منظر	۴۱	۳۰	ایرانی قوم اور چاند سورج	۶۴
۱۱	چاندنی رات	"	۳۱	منگولین یا تورانی قوم اور چاند سورج	۶۶
۱۲	رات کا پُراسرار نظارہ	۴۲	۳۲	جاپانی قوم اور چاند سورج	"
۱۳	سبعہ سیارہ کا حیرت ناک نظام	۴۳	۳۳	ہندوستان اور چاند سورج	۶۷
۱۴	نظام فلکی کی حیرت انگیز گردش	"		نوٹ ہندوستان جنت نشاں	۶۹
۱۵	خالق فطرت کی تربیت فرمائی	۴۵	۳۴	عرب اور چاند سورج	۷۱
۱۶	دین کا نقطہ آغاز	۴۶		عرب قوم (حاشیہ)	"
۱۷	مذہب کا نفسیاتی مطالعہ	۴۷	۳۵	قدیم اقوام کی تخیل آرائیاں	۷۳
۱۸	شان ربوبیت کی جلوہ فرمائی	۴۸	۳۶	نظام فلکی اور زمین	۷۴
۱۹	ملحدین کی کج فہمی	۵۰	۳۷	انسانیت کی قدیمی گمراہی	۷۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحات	نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۳۸	طلوع اسلام	۷۷	۵۷	تمہید رسالت کا ہندوستان	۱۲۱
۳۹	کہکشانی نظام	"	۵۸	راجہ ہرش	۱۲۳
۴۰	اصلی مرکز عالم	۸۱	۵۹	جنوبی ہند کی حالت	۱۲۴
۴۱	توحید ربانی کی دعوت	۸۲	۶۰	اسلام پہلی صدی ہجری سے	۱۲۵
۴۲	بعثت محمدی (صلعم)	۸۳		ہند میں۔	
۴۳	شق القمر کا معجزہ	۸۴	۶۱	مالابار میں اسلام	۱۲۸
	باب دوم		۶۲	سامری کا قبول اسلام اور	
۴۴	عرب و ہند کا قدیمی تعلق	۸۷		اس کی تاریخی شہادت	۱۳۴
۴۵	پہلی دریائی تاجر قوم	۸۸	۶۳	راجہ سامری کون تھا	۱۳۶
۴۶	نئی دنیا کو کس نے دریافت	"	۶۴	باذان ہندی کا اسلام عہد	۱۳۸
	کیا۔ (حاشیہ)			رسالت میں۔	
۴۷	جنوبی ہند کی دراوڑ قوم	۹۲	۶۵	صحابہ کا ہند میں ورود مسعود	۱۴۲
۴۸	ہند کی پرانی قومیں (حاشیہ)	۹۵	۶۶	فرزندان بنو ثقیف کی اولیت	۱۴۴
۴۹	اہل ہند کی عرب میں آمد و رفت	۹۸	۶۷	تمیم انصاری صحابی کا مزار	
۵۰	ہندوستان میں [illegible] کا داخلہ	۹۹		مدراس میں اور اس کی تحقیق	۱۵۲
۵۱	شاہزادہ عظیم	"	۶۸	ہندوستان میں تابعین کی آمد	۱۵۴
	عرب و ہند کے مابین	۱۰۰	۶۹	امام حسن بصری کا قیام ہند میں	۱۵۶
	قدیمی تجارت		۷۰	عہد خلافت کے اندر اسلام	
۵۲	اسلام کی عالمگیر دعوت	۱۰۲		ہند میں۔	۱۵۹
۵۳	مسلمانوں کی آبادی [illegible]	۱۰۷	۷۱	عہد صدیقی اور ہندوستان	۱۶۱
۵۴	حضرت شیث کا مزار ہند میں	۱۱۲	۷۲	عہد فاروقی اور ہندوستان	۱۶۳
۵۵	مزار کا جائے وقوع	۱۱۹	۷۳	جاٹوں اور سندھیوں کا قبول	
۵۶	مزار کی صحیح حیثیت	۱۲۰		اسلام۔	۱۶۵

فہرست عنوانات و مندرجات کتاب شق القمر

نمبر شمار	عنوانات	صفحات	نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۱	حرف آغاز	۱۲	۲۰	مذہب کی نفسیات	۵۰
	باب اول		۲۱	ثبوت رسالت (حاشیہ)	۵۱
۲	دنیا کے قدیمی چار مذاہب	۳۲	۲۲	مشرق و مغرب کا فرق	۵۲
۳	انسانی تمدن کا اولین گہوارہ	”	۲۳	وطنیت کا نیا شاخسانہ	۵۴
۴	بشری تہذیب کا ابتدائی نقطہ	۳۴	۲۴	ستارہ پرستی کا آغاز	۵۶
۵	فن تحریر کی ایجاد	۳۵	۲۵	کیا برہما یا ابراہیم ایک ہیں (حاشیہ)	۵۸
۶	بابل کا جادو	۳۶	۲۶	چاند سورج دیوی دیوتا	۶۰
۷	حکمت و فلسفہ کا بانی کون	۳۷	۲۷	بابلی قوم اور چاند سورج	”
۸	تاریخی ارتقاء کے قدرتی اصول	۳۹	۲۸	بابلی کلدانی قوم (حاشیہ)	۶۲
۹	انسان اول کا تصوراتی خاکہ	۴۰	۲۹	مصری قوم اور چاند سورج	”
۱۰	ظلمت شب کا بھیانک منظر	۴۱	۳۰	ایرانی قوم اور چاند سورج	۶۳
۱۱	چاندنی رات	”	۳۱	منگولین یا تورانی قوم اور چاند سورج	۶۶
۱۲	رات کا پُر اسرار نظارہ	۴۲	۳۲	جاپانی قوم اور چاند سورج	”
۱۳	سبعہ سیارہ کا حیرت ناک نظام	۴۳	۳۳	ہندوستان اور چاند سورج	۶۷
۱۴	نظام فلکی کی حیرت انگیز نیرنگی	”		نوٹ ہندوستان جنت نشان	۶۹
۱۵	خالق فطرت کی تربیت فرمائی	۴۵	۳۴	عرب اور چاند سورج	۷۱
۱۶	دین کا نقطہ آغاز	۴۶		عرب قوم (حاشیہ)	”
۱۷	مذہب کا نفسیاتی مطالعہ	۴۷	۳۵	قدیم اقوام کی تخیل آرائیاں	۷۳
۱۸	شان ربوبیت کی جلوہ فرمائی	۴۸	۳۶	نظام فلکی اور زمین	۷۴
۱۹	ملحدین کی کج فہمی	۵۰	۳۷	انسانیت کی قدیم گمراہی	۷۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحات	نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۳۸	طلوع اسلام	۷۷	۵۷	عہد رسالت کا ہندوستان	۱۳۱
۳۹	کہکشانی نظام	”	۵۸	راجہ ہرش	۱۳۳
۴۰	اصنام مرکز خانہ	۸۱	۵۹	جنوبی ہند کی حالت	۱۳۴
۴۱	توحید ربانی کی دعوت	۸۲	۶۰	اسلام پہلی صدی ہجری سے ہند میں۔	۱۳۵
۴۲	بعثت محمدی (صلعم)	۸۳			
۴۳	شق القمر کا معجزہ	۸۴	۶۱	ملابار میں اسلام	۱۳۸
	باب دوم		۶۲	سامری کا قبول اسلام اور اس کی تاریخی شہادت	۱۳۴
۴۴	عرب و ہند کا قدیمی تعلق	۸۷			
۴۵	پہلی دریائی تاجر قوم	۸۸	۶۳	راجہ سامری کون تھا	۱۳۶
۴۶	نئی دنیا کو کس نے دریافت کیا - (حاشیہ)	”	۶۴	باذان ہندی کا اسلام عہد رسالت میں۔	۱۳۸
۴۷	جنوبی ہند کی دراوڑ قوم	۹۲	۶۵	صحابہ کا ہند میں ورود مسعود	۱۴۲
۴۸	ہند کی پرانی قومیں (حاشیہ)	۹۵	۶۶	فرزندان بنو ثقیف کی اذیت	۱۴۴
۴۹	اہل ہند کی عرب میں آمد و رفت	۹۸	۶۷	تمیم انصاری صحابی کا مزار مدراس میں اور اس کی تحقیق	۱۵۲
۵۰	ہندوستان میں اسلام کا داخلہ	۹۹	۶۸	ہندوستان میں تابعین کی آمد	۱۵۴
۵۱	شاہزادہ خلیفہ	”	۶۹	امام حسن بصری کا قیام ہند میں	۱۵۶
	عرب و ہند کے مابین قدیمی تجارت	۱۰۰	۷۰	عہد خلافت کے اندر اسلام ہند میں۔	۱۵۹
۵۲	اسلام کی عالمگیر دعوت	۱۰۳	۷۱	عہد صدیقی اور ہندوستان	۱۶۱
۵۳	مسلمانوں کا آبائی دین ہندو مت تھا	۱۰۷	۷۲	عہد فاروقی اور ہندوستان	۱۶۳
۵۴	حضرت شیثؑ کا مزار ہند میں	۱۱۳	۷۳	جاٹوں اور سندھیوں کا قبول اسلام۔	۱۶۵
۵۵	مزار کا جائے وقوع	۱۱۹			
۵۶	مزار کی تاریخی حیثیت	۱۲۰			

نمبر شمار	عنوانات	صفحات	نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۷۴	عہد عثمانی اور ہند	۱۶۹	۹۲	شاہ عبداللہ چنگال (دوھار)	۲۰۰
۷۵	خلافت علوی اور ہند	۱۷۱	۹۳	سرزمین مالوہ میں اسلام کی آمد	۰
۷۶	اموی خلافت کا تعلق ہندوستان سے	۱۷۳	۹۴	مالوہ میں اسلام کی ضو افشانی	۲۰۷
۷۷	علم حدیث پہلی صدی ہجری سے ہند میں۔	۱۷۸	۹۵	معجزہ شق القمر اور مالوہ	۲۰۸
۷۸	ہند میں اسلام کا پہلا مرکز	۱۸۱	۹۶	راجہ بھوج کا اسلام اور تاریخی شواہد	۲۰۹
۸۰	مالدیپ دوسرا مرکز	۱۸۲	۹۷	راجہ بھوج کے اسلام پر تحقیقی نظر	۲۱۶
۸۱	ہند میں اسلام کے قدم دوسری صدی ہجری میں	۱۸۵	۹۸	راجہ بھوج اور تحقیقی نقطۂ نظر	۲۱۷
۸۲	سلسلۂ حدیث ہند میں دوسری صدی سے	۱۸۸	۹۹	راجہ بھوج بانی بھوپال	۲۲۰
۸۳	علم حدیث کے اولین مصنف ہند میں	۱۸۹	۱۰۰	بیان ریاست بھوپال	۲۲۲
۸۴	امام ابو معشر سندھی صاحب المغازی	۱۹۱	۱۰۱	بھوج پتری پر ضروری تبصرہ	۲۲۶
۸۵	ابو العطا سندھی شاعر	۱۹۳	۱۰۲	بھوپال تال (نظم)	۲۳۱
۸۶	قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ ہندوستان میں	۱۹۴	۱۰۳	بھوشیہ پران اور راجہ بھوج	۲۳۷
۸۷	عارف باللہ ابو علی سندھی تیسری صدی ہجری میں	۱۹۶	۱۰۴	ویدوں کی گواہی	۲۴۰
۸۸	علماء و صوفیا کا ہراول دستہ	۱۹۷	۱۰۵	کیا کلکی اوتار آگیا	۲۴۱
۸۹	شیخ اسماعیل لاہوری	۰	۱۰۶	شاہ عبداللہ چنگال اور راجہ بھوج ثانی	۲۴۲
۹۰	ابو الحسن علی داتا گنج بخش	۱۹۸	۱۰۷	راجہ بھوج کا تاریخی عہد	۲۴۳
۹۱	سید سالار مسعود غازی	۱۹۹	۱۰۸	تاریخی قصیدہ	۲۴۵
			۱۰۹	قصیدہ مذکورہ کے تاریخی مضمرات	۲۵۰
			۱۱۰	مہاراجہ موتی سنگھ کا قبول اسلام	۲۵۹
			۱۱۱	معجزہ شق القمر تفصیلی بحث	۲۶۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحات	نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۱۱۲	مقام نبوت	۲۷۱	۱۲۱	شق القمر اہل مذاہب کی نظر میں	۳۰۱
۱۱۳	نبوت و معجزہ	۲۷۳	۱۲۲	شق القمر پر اعتراض و جواب	۳۰۲
۱۱۴	معجزہ شق القمر کا ذکر بائیبل میں	۲۸۲	۱۲۳	شق القمر کی عظمت و جلالت	۳۰۴
۱۱۵	شق القمر کا اصل واقعہ	۲۸۵	۱۲۴	آخری شہادت	۳۰۶
۱۱۶	معجزہ شق القمر قرآن کے آئینہ میں	۲۸۶	۱۲۵	ہمارا دور قمری دور ہے	۳۰۸
۱۱۷	چاند سورج کا ذکر قرآن میں	۸۹	۱۲۶	دور قمری پر لمحۂ فکریہ	۳۰۹
۱۱۸	شق القمر احادیث شریفہ کی روشنی میں	۲۹۷	۱۲۷	خاتمۃ الکتاب	۳۱۶
۱۱۹	شق القمر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے	۲۹۹	۱۲۸	کتابیات و حوالہ جات	۳۱۸
۱۲۰	شق القمر سائنسی زاویہ نگاہ سے	۳۰۰			

دیباچہ

(از مصنف)

حامداً و مصلیاً!

اس بزمِ کائنات میں خالقِ فطرت کا سب سے زیادہ عجیب و غریب کرشمہ اور سب سے عظیم و جلیل تحفہ جلوۂ حیات کی نمود ہے۔

یہ خاکدانِ ارضی یعنی ہماری یہ زمین ہر طرح کی جلوہ آفرینیوں کا روشن اور درخشاں آئینہ ہے اس آئینہ خانے میں جو زندگی ہمہ جہتی شعاعوں کا عکس بکھیرتی ہے وہ حیاتِ انسانی ہے۔

خلاقِ عالم نے انسان کے فانوسِ دماغ کو عقل و دانش کے چراغ سے روشن کیا اسکے قلب کو حقیقت آشنا اور اسکے ذہن کو فلک پیما بنایا۔ اسلئے انسان کی فکری سیر کا آغاز عالمِ آفاق (خارجی دنیا) سے ہوا پھر اس نے اپنے نفس کے باطن میں جھانکنے کی کوشش کی تو حاسۂ باطنی (وجدان) کی کرشمہ سازیوں کا علم ہوا۔ یہی وجدان دین و مذہب کا ابتدائی سرچشمہ ہے جس سے معتقدات اور افکار و خیالات کی نہریں پھوٹیں اور پھر سرچشمۂ باطن سے پھوٹنے والی یہ نہریں آگے چل کر دریا بن گئیں۔

عالمِ انفس و آفاق کے صدیوں کے مطالعہ و مشاہدہ اور تجربہ نے دماغ میں معلومات کی ایک دنیا آباد کر دی جو لوحِ ذہن سے منتقل ہو کر صفحۂ قرطاس پر جلوہ گر ہوئی جب ان افکار و خیالات اور اعتقادات نے انسانی زندگی کو ایک نظمِ گوہریں میں پرو دیا اور انھوں نے الفاظ کا جامہ پہنا تو مذہب کے ساتھ ساتھ تاریخ نے بھی اپنے پر و بال نکالے۔

چونکہ آغازِ حیات میں مذہب انسان کا مربی و سرپرست بن کر نمودار ہوا اسلئے ابتداءً تاریخ و مذہب ایک نقطۂ اتصال پر جمع ہو گئے۔

اس زاویۂ نگاہ کے ماتحت زیرِ نظر کتاب کو ایک خاص اسلوب سے سلکِ ترتیب میں منسلک کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

اگرچہ عصری ترقی یافتہ دور میں شجرِ علم کی شاخوں۔ مذہب، تہذیب، سائنس و

فنونِ لطیفہ نے غیر معمولی پھیلاؤ اختیار کر لیا ہے اور ہر شاخ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر تناور درخت بن گئی ہے۔ روایات کے پرانے سانچے اور معتقدات کے قدیمی ڈھانچے ٹوٹ چکے ہیں مگر اب جبکہ پچھلی انسانی قدروں اخلاق و بے غرض محبت و ایثار پسندی کے بجائے خود بینی و خود غرضی اور مفاد پرستی نے جامۂ انسانیت کے تار و پود کو بکھیر کر رکھدیا ہے اور خود مطلبی و ہوس پرستی کی پُرشور آندھیوں نے حیاتِ انسانی کے مستقبل کو تیرہ و تار بنا لیا ہے۔ ضرورت ہے کہ پھر روحانیت کے اسی قصۂ پارینہ کو از سرِ نو دہرا کر داغہائے سینہ کو روشن و تابندہ کیا جائے اور ماضی کے ان دلفروز چراغِ ہدایت بنا کر منزلِ مستقبل تک پہونچنے کا وسیلہ بنایا جائے۔ ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را ٭ گاہے گاہے باز خواں آں قصۂ پارینہ را

اس کتابچہ میں سرزمینِ ایشیا (مشرق) نے جو عالمی تحفۂ شریعت و تدین اور تہذیب و تمدن کا عالمِ انسانیت کو دیا ہے اسکو اجمالی طور پر پیش کر کے عرب و ہند ہزار سالہ قدیمی تعلق کی روشنی میں ہندوستان سے اسلام کے چودہ سو سالہ دیرینہ رشتہ کو ایک دلکش تحقیقاتی و روایاتی خاکہ کے ساتھ واقعیت کے چوکھٹے میں نمایاں کیا گیا ہے۔ برطانوی سامراجی ارباب تاریخ نے ہندو مسلم تعلقات کے نازک رشتہ میں تو بر تو غلط فہمیاں قصداً پیدا کر کے جو گرہیں لگا دی ہیں ان کو کھولنے کی سعی کی گئی ہے پھر پیغمبرِ اسلام کے معجزۂ شق القمر کے متعلق ہمارے ملک کی سطح پر جو مثبت لہریں پیدا کی تھیں ان کو معرضِ بیان میں لا کر خود اس آسمانی معجزہ کی جلالت و عظمت کو واشگاف کر کے وحدتِ اقوام کی عالمگیر دعوت کو اس کتاب کا نقطۂ انتہا بنایا گیا ہے۔ راقم الحروف نے اس خام و پختہ مواد کے ذریعہ دعوتِ الٰہی کو پیش کرنے میں کہاں تک کامیابی حاصل کی ہے اسکا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ میں ہے۔

وجدی الحسینی (قاضی بھوپال)

یکم جولائی ۱۹۸۳ء ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

حرفے چند

از مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر کاشمیری

"مدیر دارالعلوم دیوبند"

مجھے برادر مکرم فاضلِ محترم مولانا وجدی الحسینی کی کتاب "ہندوستان اسلام کے سائے میں" اور ان کی شخصیت کے بارے میں یہ چند سطریں لکھتے ہوئے قومی رہنما اور عالم دین مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کا یہ مقولہ یاد آ رہا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد مولانا مرحوم اپنے رفیق قدیم امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے جدا ہو گئے تھے شاہ صاحب پاکستان چلے گئے اور مولانا مرحوم ہندوستان آ گئے۔

اس دور میں کسی صاحب نے مولانا سے پوچھا کہ آپ کی عمر کا بڑا حصہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ گذرا۔ ریل، جیل، سفر و حضر میں آپ کی ان کیساتھ مجالست و مصاحبت رہی تو کیا اب آپکو سید صاحب یاد نہیں آتے۔ مولانا نے ایک خاص عالم تاثر میں فرمایا کہ کیا کہا آپ نے؟ کہ بخاری مجھے یاد نہیں آتا۔ ارے بھائی میرے اور اس کے وجود کے درمیان تقسیم و تفریق کی ہلکی سی کوئی لکیر بھی قائم نہیں ہو سکی۔

بعض وقت عمر بھر کی رفاقت کا مجھ پر ایسا تاثر ہوتا ہے کہ میں اپنے وجود اور اپنی شخصیت کو محسوس کرتا ہوں کہ عطاء اللہ شاہ میں خود ہوں۔

مبالغہ و تصنع کی بات نہیں واقعہ یہ ہے کہ مولانا وجدی الحسینی کی شخصیت کے متعلق میرا کچھ کہنا کچھ بولنا ایسا ہے جیسے میں خود اپنے متعلق کچھ لکھ رہا ہوں اسلئے کہ ۱۹۳۶ء سے لیکر آج تک زندگی کا کوئی موڑ ایسا نہیں ہے کہ مولانا وجدی الحسینی اور سید ازہر شاہ قیصر الگ الگ نظر آئے ہوں نہ جانے کتنی صبح و شام ایسی گذری ہیں کہ کمرہ میں ہم دونوں بیٹھے علمی و ہنگامی مسائل، شعر و شاعری، ادب و صحافت پر باتیں کرتے تھے۔ زندگی کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں جہاں ہم ایکدوسرے کے رفیق و مشیر نہ رہے ہوں۔

پھر بتایئے کہ اس یکسانیت و وحدت میں میں مولانا وجدی کی زندگی کو اپنے سے الگ کیسے شمار کروں اور اپنے سے الگ ان کا کیا تعارف کراؤں لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم و فضل کی وسعتوں ذہن و فکر کی بلندیوں، ادب و شاعری کی نکتہ آفرینیوں، علوم متداولہ میں غیر معمولی مہارت درس و تدریس میں امتیازی حیثیت، تقریر و تحریر کی خداداد صلاحیت، حدیث و فقہ اور تفسیر قرآن پاک میں اعلیٰ بصیرت و شرف نگاہی ان کی زندگی کی ناقابلِ فراموش خصوصیات ہیں اور میں تو ان کی ان خصوصیات کا نقش قدم بھی نہیں پا سکا۔

ان کی ابتدائی تعلیم بھوپال کی روحانی فضا میں پھر اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند کے نورانی و پاکیزہ ماحول میں ہوئی اور دورۂ حدیث شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی بابرکت خدمت میں تکمیل پذیر ہوا۔ اس وقت کے قابل و فاضل اساتذہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی حضرت مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب، حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی شیخ المعقولات اور ولی کامل میاں سید اصغر حسین، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع جیسے نامور علماء کی تربیت اور سرپرستی میں رہے۔

دارالعلوم میں ان کا زمانۂ طالب علمی ان کی متانت، سنجیدگی، غیر معمولی علمی شغف، باوقار زندگی اور ذہانت و ذکاوت کی وجہ سے ممتاز و نیک نام رہے۔ بچپن سے جب جوانی کے میدان میں قدم رکھا تو کاشمیر سے لیکر رنگون اور برما کی سرزمین تک کو ناپ ڈالا۔ جامعہ ملیہ کے ڈاکٹر ذاکر حسین کے دور میں جامعہ کے معتمد کارکن رہے، شعر و شاعری کی صلاحیت شروع ہی سے تھی استاد سیماب اکبرآبادی سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور انکی اصلاح و رہنمائی نے مولانا وجدی کی شاعرانہ صلاحیتوں کو بنانے اور سنوارنے میں پوری امداد کی۔ نثر ان کی خانہ زاد باندی تھی ۱۹۳۶ء میں میں نے دیوبند سے ہفتہ وار اخبار "الانور" کا اجراء کیا تو مولانا اسکے ادارۂ تحریر میں قابلِ اعتماد معاون تھے۔

بھوپال کے علمی و ادبی اور شعری فضاؤں میں ان کی لیاقت مسلّم اور زبان زدِ عام ہے ملک کی اہم قومی جماعتیں، بڑے بڑے اسلامی مدارس سب ان کی علمی صلاحیتوں کے معترف اور اپنے علمی مجالس اور تعلیمی محافل میں ان کے ضرورت مند ہیں۔

بھوپال میں دارالقضاء وہاں کی اسلامی و نوابی حکومت کے دور کا ایک نہایت مقتدر ڈھائی سو سالہ اسلامی ادارہ ہے جو عامۃ المسلمین کے الجھے ہوئے معاملات

اور معاشرتی مشکلات اور فصلِ خصومات میں اب تک پوری پوری رہنمائی دیتا ہے یہی وہ ادارہ ہے جسکی سربراہی کی مسند پر کسی وقت خانوادۂ ولی اللّٰہی کے جلیل القدر فرد قاضی محمد ایوب بھوپالی قاضی محمد یحییٰ اور حضرت نانوتوی کے تلمیذ رشید نواب محی الدین خاں مرادآبادی اور آخر میں حضرت گنگوہی کے لاڈلے شاگرد قاضی محمد حسن صاحب مرادآبادی اور رئیس العلماء علامہ سید سلیمان ندوی جیسے فاضل یگانہ جلوہ افروز رہ چکے ہیں۔ اب سالہا سال سے مولانا وجدی بڑی قابلیت و خلوص و جانکاہی کے ساتھ اس ادارے کی علمی اصلاحی شہرت کو آسمان کی بلندیوں تک لیجا رہے ہیں۔

درمیانہ درجہ کا قد، چہرہ پر یکطرفہ باطنی پاکیزگی کا ایک حسین پرتو اور دوسری طرف علم و فضل کی وجاہت اور وقار و تحمل کی جھلکیاں ہیں، آنکھوں میں ذہانت کا نور، بھاری بھرکم وجود کے باوجود متحرک و فعال زندگی میں کبھی ہم رنگِ گل [illegible] خاموش اور کبھی علمی و روحانی مجلسوں میں بلبلِ ہزار داستان، ایک طرف شعر و ادب کی رنگین نوائیاں و نغمہ سرائیاں ان کی زندگی کا ایک جزو ہیں تو دوسری طرف فلسفہ و منطق کی موشگافیاں ان کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔

جہاں نثر کے ہزاروں صفحات ان کے قلم سے رنگین ہوئے تو وہاں نعت و غزل کے ہزاروں اشعار نے ان کی روح کی گہرائیوں میں پوشیدہ سوزِ محبت اور دردِ فراق کی ترجمانی کی۔ غرضکہ جامعیتِ علم اور فراوانیٔ کمال کا اگر زندہ و خاموش نمونہ دیکھنا ہو تو مولانا کو دیکھیے۔

مولانا کی اصل کتاب "تاریخ بزرگانِ بھوپال" جو عنقریب ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والی ہے یہ پیشِ نظر کتاب ایک دیباچہ تھا جس نے ایک مستقل کتاب کی شکل اختیار کرلی یہ ان کی سالہا سال کی دماغی محنتوں اور تحقیقی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

بھوپال عرصۂ دراز تک اربابِ علم و کمال کی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے خبر نہیں کہ علم و فضل کے کتنے آفتاب و مہتاب اسکی سرزمین میں دفن ہیں اس حقیقت کو کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے کہ نواب صدیق حسن خاں جیسے عبقری انسان کو بھوپال ہی کے طربناک اور بہجت افزا ماحول میں پروان چڑھنے کا موقع ملا تھا۔ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی جیسے جلیل القدر بین الاقوامی انقلابی عالمِ دین اسی سرزمین سے اٹھا اور نئی و پرانی دنیا کو اپنی انقلابی سرگرمیوں سے ہنگامہ زار بنائے رکھا کتنے اربابِ علم و یقین نے ریاست کو اپنی روحانی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ علمی دنیا پر مولانا وجدی کا احسانِ عظیم ہے کہ انھوں نے ماضی کے ان منتشر داستانوں کو تحقیق و تاریخ کے رشتۂ زریں میں پچھلی بہت سی یادوں کو زندہ اور بہت سی کہانیوں کو تازہ کر دیا ہے۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرا قلم مولانا وجدی الحسینی کی شخصیت اور ان کی زیرِ نظر کتاب کے صحیح تعارف سے قاصر ہے میں سمجھتا ہوں کہ مولانا کی شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں کو اجاگر کرنا میرا فرض ہے لیکن میں اس فرض کی صحیح ادائیگی کیلئے آئندہ کسی فراغت و فرصت کا طلبگار ہوں۔

سید محمد ازہر شاہ قیصر۔ ۹ر شعبان ۱۴۰۲ھ
شاہ منزل۔ محلہ خانقاہ۔ دیوبند

حَامِداً وَّمُصَلِّیاً

حرفِ آغاز

انسانی علوم و فنون میں فنِ تاریخ جس کو عربی میں علم الخبرات اور ہندی میں اتہاس انگریزی میں History کہتے ہیں۔ ایک عظیم الشان فن ہے۔

جب سے انسانیت نے ہوش لیا عقل و شعور نے آنکھیں کھولیں اور انسان کی قوت حافظہ بروئے کار آئی اور اس نے پچھلی یادداشتوں کو لوحِ حافظہ میں محفوظ کرنے کا عمل اختیار کیا تاریخ عالم وجود میں آئی۔

تاریخ کی صبح نے اس دن افقِ عالم کے جھروکے سے اپنا چہرہ دکھایا جب انسان نے پچھلی باتوں، پرانی یادوں کو تحریر و کتابت کی لڑی میں پرونے کا فن سیکھا اس لیے وہی قوم تاریخ کی موجد تسلیم کی جائے گی جس نے فنِ تحریر کو منصۂ شہود پر جلوہ گر کرنے میں سب سے پہلے کامیابی حاصل کی۔

دنیا کے پچھلے آثارِ قدیمہ جو کرۂ زمین کے ہر ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں جو انسانی تاریخ کی ابتدائی ذخیرہ اور اس کی جڑ بنیاد ہیں وہ ہمیں اس امر کی رہنمائی کرتے ہیں کہ مصری قوم ہی پہلی قوم ہے جس نے اپنے قدیم تہذیب و تمدن اپنی پچھلی حیات معاشرت کی تصویروں کے پردے میں رونمائی کی جن تصویروں سے ان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کے نقش و نگار نمایاں ہوتے ہیں جو ہمیں چھ ہزار سال کے پراسرار زمانے کی طرف لے جا کر کھڑا کر دیتے اور اس دور کے عقلی ارتقا، تہذیبی نشو و نما کے آثار باقیہ کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ان تصویروں سے جہاں مصری قوم کی قدامت کے نشانات کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ مصری آثار اس کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ مصریوں نے اپنی پیشرو قوموں بابلی، اشوری، فنیقی اقوام کی تہذیب و تمدن سے خوشہ چینی کی جس نے عظیم القدر تہذیبی آثار اور تمدنی نقوش کا دروازہ بابلیات کے ذریعہ کھولا۔ مصری رسم الخط جو ہیروغلیفی (تصویری) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے وہ بابلی رسم الخط مسماری سے ماخوذ و مقتبس اور ترقی یافتہ ہے۔

بابل کی حفریات (کھدائیوں) نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ قدیم بابل کا ہر پتھر انسانیت کے عہدِ طفلی کا طلسمی دفینہ اور وہاں کے شکستہ در و دیوار، اور باقی ماندہ نقش و نگار، انسانی تمدن کے آغاز کا محفوظ خزینہ ہے۔

تاریخ انسانی کے لیے بابل کی حفریات ایک آئینہ ہے جس کے ذریعہ ہر ناظر کے سامنے انسان کے عہدِ ماضی کے ابتدائی واقعات کی جھلکیاں آنکھوں کے سامنے آجاتیں اور بشری تہذیب کی ابتدائی آڑی ٹیڑھی، ترچھی بانکی تصویریں نظروں کے سامنے پھر جاتیں ہیں اور ان آثار و نقوش کے مطالعہ سے انسانی حضارت کی تدریجی رفتار ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔

لیکن کیا تاریخ دورِ گزشتگی داستان یا عہدِ ماضی کے واقعات کی ایک کھتونی ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

حقیقتہً تاریخ عہدِ ماضی کا آئینہ، زمانۂ حال کا ایک عبرت آموز سبق اور دورِ مستقبل کی تمہید بھی ہے زمانۂ عہدِ حاضر کا خلاق ہے اس کے پردے سے جو گوناگوں تخلیقات اور بوقلموں ایجادات معرضِ وجود میں آتی ہیں ان کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ خلاقِ حقیقی نے شجرِ انسانیت کی ایک ہی جڑ بنیاد سے جو نوع بنوع کی اقوام اور طرح طرح کے انسانوں کو پیدا کیا ہے ان کے متعلق بھی واقفیت حاصل کی جائے۔ ان کے موروثی خصائص، ان کے مزاج، عقلی [illegible] کا اندازہ لگایا جائے تاکہ تاریخ کے چوکھٹے میں ان کا صحیح مقام متعین کیا جا سکے اور قبائلی یا قومی واقعات کے پس پردہ جو محرکات کارفرما ہیں ان کا صحیح تجزیہ کیا جا کر اصل واقعہ کی مناسب توجیہہ کی جا سکے۔ اس لیے کہ فطرتِ انسانی جہاں داخلی عوامل اور وراثتی خصوصیات سے متاثر ہوتی ہے وہاں خارجی احوال یعنی موسمی خصائص اور زمینوں کی آب و ہوا کی تاثیرات بھی زبردست دخل ہوتا ہے۔

اصولِ تاریخ کے باوا آدم علامہ ابن خلدون نے اس کی طرف کھلے اشارے کیے ہیں (دیکھو مقدمۂ ابن خلدون)

پھر تاریخ کا ایک خصوصی نقطہ ہے جو قوموں، ملکوں اور خاص خاص [illegible] داخلی

خاندانوں اور مخصوص علاقوں کے احوال و واقعات پر مشتمل ہوا کرتا ہے۔ اس خصوصی تصور کو بھی عام مورخوں نے عمومی تاریخ کا لقب دے کر پوری انسانی تاریخ کو اسی تنگ دائرہ میں محدود کر دیا ہے۔

ہر قوم و ہر ملک نے اپنی قومی محدود تاریخ کو پوری انسانیت کی تاریخ کا مبدا و سرچشمہ قرار دے کر اس کو عالمی تاریخ یا انسانی تاریخ کا مرکز بنانے کی سعی بے جا کی ہے جس کی بنا پر اصل تاریخ انسانی کا آفاقی تصور دھندلا ہو کر رہ گیا اور تاریخ انسانی محدود اور تنگ نظر مقامی دائروں میں پھنس کر تعصباتی دیواریں قائم کرنے میں الگ تھلگ ہو گئی اور ایک قوم کو دوسری قوم کے فراخدل اور کشادہ قلبی اور فیاضی و رواداری کے ساتھ سمجھنے کے خیالات سے دور کر دیا جب بھی مورخ کسی تنگ خول میں بند ہو کر عالمی واقعات کو سمجھنے کی کوشش کرے گا تو باہر کی آب و ہوا کے نہ ملنے کی وجہ سے اس کا افق محدود، اس کا دائرہ فکر تاریک ہو جائے گا چنانچہ تاریخ کی مشہور تعریف جو بیان کی گئی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

"تاریخ کسی ملک یا نسل کے روحانی جذبات و میلانات کے تحریری احوال کا نام ہے۔"

جسمانی روحانی جذبات سے مراد وہ خیالات و احساسات اور ہیجانات ہیں جو قدیم رسوم و عادات کو اور پرانے مالوفات و مطلوبات بدل دیتے ہیں جس کی بدولت علوم تجربی یعنی فنون لطیفہ (ادبیات) میں جدتیں چہرہ پرداز ہوتی ہیں۔

علامہ ابن خلدون نے اپنے مشہور عالم مقدمہ میں جو اصول تاریخ کا حسین دیباچہ ہے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ اور بتایا ہے کہ تاریخ نوع انسانی کے احوال و عواطف (جذبات) کے بیان کا دوسرا نام ہے۔

انگریز مورخین فرود ویسل جیسے تاریخ نویس اور اسپنسر و مل جیسے فلاسفر نے اس پر مباحثہ کیے ہیں۔ کہ تاریخ علوم عقلی (فلسفہ) میں داخل ہے یا علوم تجربی (سائنس) میں یا دونوں سے خارج ہے۔

بہر حال یہ مسلّم حقیقت ہے کہ انسان کا سب سے زیادہ قدیمی فن یہی فن تاریخ ہے۔ انسان کا لوح حافظہ اس کا ابتدائی دفتر یا رجسٹر بنا پھر جب اس کے کرشمہ ساز دماغ نے فن تحریر کو ایجاد کیا تو پتھروں، چٹانوں، اینٹوں اور مضبوط پتوں میں واقعات

کے نقوش کندہ کیے گئے پھر کاغذ (پیپرس) کے ہاتھ لگ جانے کے بعد تاریخ انسانی کا زبردست ذخیرہ لاکھوں کروڑوں صفحات میں پھیل گیا۔ ہم اگر بقول ایک دانشور کے تاریخ کو انسانیت کا حافظہ قرار دیں تو یہ ایک صحیح تعبیر ہوگی ایسا حافظہ جو پچھلی قوموں، گزرے ہوئے لوگوں کو پہچاننے میں مفید اور کارآمد ہو۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح کسی فرد کے حافظے کے بگڑ جانے سے نظام زندگی مختل اور معطل ہو جاتا ہے اسی طرح انسانیت کے اس اجتماعی حافظہ (تاریخ) کے بگاڑ سے قوموں کے نظام حیات و معاشرت اور لوگوں کے تعلقات کا نقشہ درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ اگر انسانی حافظہ غلط سلط خیالات، بے بنیاد اور پادر ہوا توہمات اور متعصبانہ یکطرفہ معلومات کا حامل ہو جائے تو ہر انسان کو اصلی حقائق سے نابلد ہونے کی بنا پر قدم قدم پر ٹھوکریں کھانا پڑیں گی۔

ہو سکتا ہے کہ وہ غیر واقعی تصورات کی وجہ سے گمراہی کے گڑھے میں گر جائے بلکہ پوری قوم و ملک کو ہلاکت کے سمندر میں گرا کر ڈبو دینے کا باعث ہو۔

اس لیے اب جب کہ ہم قومیت کی تنگنائیوں سے نکل کر بین الاقوامیت کی وسیع و کشادہ فضاؤں کی طرف بڑھ رہے ہیں اور جغرافیائی حدود سے چھلانگ لگا کر کرۂ ارضی کے باشندے کرۂ قمر پر اپنے نقوش قدم ثبت کر رہے ہیں ہماری یہ طویل و عریض دنیا سکڑ کر مختصر ہوتی جا رہی ہے اور ہمارے براعظم فضائی اور بحری و بری راستوں سے قریب تر ہو کر جڑتے جا رہے ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے ذہنوں کے دریچوں کو کھولیں اور انسانی تاریخ کے لیے بلند سطح نظر پیدا کرنے کی کوشش کریں جو اس کو قومیت کے تنگ دائرہ سے نکال بین الاقوامیت کے شاہراہ عظیم اور صراط مستقیم پر قدم رکھنے کی دعوت دے۔

اسی طرح فطرت انسانی کے تاریک پہلوؤں سے قطع نظر کر کے اس کے روشن پہلوؤں کو نمایاں کریں یہی روح عصر اور وقت کی پکار ہے۔

انسانی تصویر کا تاریک رخ عبرت کے لیے تاریخ کا اہم گوشہ ہے اس کو حذف کر دینا بھی تاریخ کے نقش کو ناتمام بنانے کے مترادف ہوگا لیکن اس گوشہ ہی کو اصل تاریخ قرار دے کر نفرت کے جذبات کو ابھارنا اور دور ماضی کے پچھلے مکروہ و ناپسندیدہ واقعات سے حال و مستقبل کے قومی اور بین الاقوامی تعلقات میں کشیدگی

پیدا کرنا تاریخ کے اصل نصب العین سے ہٹ جانے کا سبب بنے گا۔

ظاہر ہے کہ ہماری پچھلی تاریخ یا تو بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں اور صاحب اقتدار شخصیتوں کی فتوحات اور ان کے اہم کارناموں کا مجموعہ ہے یا قوموں کے پیغمبروں، مصلحوں، رشیوں، منیوں کے اخلاقی کمالات اور مخلوق خدا کی خدمات کا ذخیرہ ہے۔ موخر الذکر شعبۂ تاریخ کا وہ شعبہ ہے جس کا نام سیرت نگاری یا بایوگرافی (BIOGRAPHY) گویا تاریخ کے یہی دو اہم شعبے ہیں جن کی تفصیلات انسانیت کے قافلے کے گزرے ہوئے ان عظیم انسانوں کے نقوش عمل ہیں جنھوں نے زمین کے خطوں کو زیر نگیں کیا اپنی قوت و سطوت اور اقتدار کا جھنڈا لہرایا اور دنیا میں اپنی شان و شوکت کے خیمے نصب کیے یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ملکی اور قومی و قبائلی حیثیت سے اپنی انتظامی صلاحیتوں کو نمایاں کیا اور اپنے اپنے دائروں میں ظاہری اثر و نفوذ کا مظاہرہ کیا جن کو ہم سردار و سربراہ، بادشاہ و شہنشاہ راجہ و مہاراجہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

ان کے مد مقابل ان نیک نفس اور ہمدرد خلق اور روشن ضمیر انسانوں کا گروہ ہے جنھوں نے ظاہری قوت و اقتدار کے بجائے انسانوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر روحانی و اخلاقی تعلیمات اور عملی و اصلاحی خدمات کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں عقیدت و محبت کے ایسے بیج بوئے کہ انھوں نے نشو و نما پا کر اس خطہ کو گل گلزار اور باغ و بہار بنا دیا۔

ان پاکیزہ نقوش کے تذکرے تاریخ کے صفحات ہی میں محفوظ نہ رہے بلکہ ان کے ماننے والوں نے ان یادوں کو اپنے دلوں میں جگہ دی اور ان یادوں کے چراغوں کی روشنیاں ان لوگوں کے لیے نشان راہ بن کر آج تک اصلی منزل کا پتہ دیتی ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں، راجوں مہاراجوں اور بہادر سرداروں کے کارناموں سے ہمارے دلوں میں ان کے رعب و ہیبت کا نقش ضرور قائم ہوتا ہے لیکن دل کی گہرائیوں میں ان کے لیے عقیدت و محبت کا کوئی نرم گوشہ نہیں پیدا ہوتا۔

البتہ جن پاک مقدس شخصیتوں نے انسانوں کی اخلاقی و روحانی رہنمائی مخلوق خدا کی بے خدمت گزاری کو اپنی زندگی کا عنوان بنایا اور اس راہ میں مشقتیں اٹھائیں اپنی جانوں کو جوکھم میں ڈالا اور دوسروں کی دکھ تکلیف کو اپنی دکھ تکلیف قرار دیا۔ ان کے ساتھ خوش عقیدگی اور محبت و شیفتگی کے نقوش نہ صرف دلوں میں مرتسم ہیں بلکہ جریدۂ عالم پر ثبت ہیں۔ ایسے پاکیزہ اشخاص جو عشق حق اور خدمت خلق کی راہ میں سالار قافلہ بنے وہ ہمیشہ کے لیے لوگوں کے دلوں میں زندہ اور ان کے تذکرے اور یادیں ہمیشہ تابندہ و پائندہ ہیں بقول حافظ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد ز عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام

سرزمین ایشیا ایسے عظیم الشان انسانوں اور مہا پرش ہستیوں کا ہمیشہ سے مرکز رہا ہے جنھوں نے اپنی تعلیمات اور ہدایات سے اپنے ملک ہی کو منور نہیں فرمایا بلکہ ان کی ہدایات کی روشنیاں دور دراز خطوں تک پہنچ گئیں۔ ان کی حقانیت کی صداؤں سے دوسرے براعظم تک گونج اٹھے لیکن ایسی عظیم شخصیات جو عام انسانوں کے لیے مرکز عقیدت بن جاتی ہیں یہی حسن عقیدت ان کے گرداگرد مبالغہ آمیز خیالات اور بے اصل توہمات کا ایسا جال بن دیتی ہے کہ جس کی وجہ سے ان کی اصلی شخصیت خوش اعتقادیوں کے پردے میں چھپ جاتی ہے۔

انسانیت کی پرانی بیماری ہے کہ وہ اپنی محبوب شخصیت کے چہرے کے اردگرد عقیدت مندی کا ہالہ کھینچ دیتی ہے کہ اس کا حقیقی چہرہ مستور ہو جاتا ہے یا ان کے مخالفین حسد اور بغض اور نفرت کے جذبہ میں مسحور ہو کر ان کی ایسی تصویر بناتے ہیں کہ اصلی صورت مسخ ہو جاتی ہے، اس طرح دوست و دشمن ان مقدس ہستیوں کی حقیقی شخصیت کی معرفت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

تاریخ کا فرض اولین یہی ہے کہ وہ ان قابل تقلید شخصیتوں کے متعلق غلط در غلط جو حجابات ڈال دیے گئے ہیں ان کو تحقیق اور درایت کے ہاتھ سے ہٹا دیں اور ان مقدس بزرگوں کے خلاف ان کے مخالفین نے نفرت و حقارت کی جو دیواریں کھڑی کر دی ہیں جن کی وجہ سے ان کے قابل تقلید کردار تک کی رسائی دشوار ہو رہی ہے ان دیواروں کو توڑ دیا جائے اور ان کی اصلی پاکیزہ زندگیوں کے عظیم کردار سے ولولۂ حیات حاصل کیا جائے۔

افسوس ہے کہ تاریخ کے اس مقدس نصب العین کی طرف ہمارے ملک میں خصوصیت سے پچھلے دور کی بابت کچھ زیادہ پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔

پچھلی انسانی غلطیوں کو غلطی مان کر آئندہ کے لیے اصلاحی کوشش ہر ایک کا خوشگوار فریضہ ہے۔

(۱) اوّلاً تو ہمارے ملک ہندوستان جنت نشان کے قدیم دور میں تاریخ نگاری کا کوئی قابلِ اعتماد ذخیرہ نہیں ہماری پچھلی تواریخ کا مواد بیشتر اہلِ وطن کے نوشتوں کے بجائے بیرونی سیاحوں فاہیان اور ہیونگ سان کی تحریرات کے مرہونِ منت ہے البتہ اب آثارِ قدیمہ موہنجوداڑو، ہڑپا، ٹکسلا، نالندہ وغیرہ کی کھدائیوں نے پچھلے تاریخی احوال پر سے پردہ اٹھایا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ہمارے اہلِ وطن ملکی آب و ہوا کے زیرِ اثر یا موروثی خصائص کی بنا پر ہمیشہ سے حقیقت پسندی کے بجائے تخیل آرائی کے طلسم میں گرفتار رہے ہیں۔ خارق العادات قصوں، اور عقل و دانش سے ماورا افسانوں اور غیر معمولی مبالغہ آمیز داستانوں سے ان کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے اور یہی ہندوستانی ذہن و حافظہ کی مرغوب غذا ہے۔ افسانوی قصص (دیومالائی) ہندوستانی تاریخ کا اصل مواد ہیں جن کے اندر دیو [illegible] فرضی قصوں سے بڑھ کر ہوائی سیرگاہوں میں ہمارا تخیل پرواز کرتا اور خیالی آسمانوں کی بلندیوں پر اڑتا رہتا ہے۔

بسا اوقات ان مفروضہ حالات کا واقعاتی حقیقت سے ادنیٰ سا بھی لگاؤ نہیں ہوتا۔ خواہ اس کا زمانہ کے فاصلوں سے تعلق ہو یا احوال و کوائف کے لاکھوں برس کے واقعات سے رشتہ ہو۔ فضائی و خلائی سفروں کی اس قدر بہتات ہے کہ ہماری بیسویں صدی کے خلائی کارنامے ان کے آگے ماند پڑ جاتے ہیں۔ پہاڑوں کو اٹھا کر پھینک دینا، دریاؤں کے رخوں کو مشرق سے مغرب کی طرف بدل دینا جو ہماری بیسویں صدی کے اندر بھی ممکن نہ ہو سکا ہے وہاں بائیں ہاتھ کا کھیل نظر آتا ہے۔ بہرحال جنات اور دیوؤں کے واقعات سے یہ قصے اور کہانیاں بھری ہوئی ہیں لیکن اصل انسانی تاریخ کا کوسوں پتہ نہیں، ہمارے ملک کو اپنی قدامت اور دنیا کی دوسری قوموں پر اپنی تہذیب و تمدن کی برتری اور افضلیت کا دعویٰ ہے لیکن اس کی تاریخی شہادتیں مہیا کر کے اس امر کو ثابت کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ سکندرِ اعظم کے حملے سے ہندوستان نے یونانیوں کے نوشتوں کی بنا پر تاریخ کے میدان میں قدم رکھا ہے لیکن اس کے بعد یہ قدم آگے نہ بڑھ سکا۔ ہماری پچھلی تاریخ پر ایک گھپ اندھیرا چھاجاتا ہے البتہ اس اندھیرے میں سے کہیں کہیں روشنی کی لکیر سی لرزاں نظر آتی ہے۔

اگرچہ خود کل انسانی تاریخ دو ڈھائی ہزار برس سے آگے تک نہیں جاتی ہے لیکن ہندوستانی تاریخ کی عمر اس سے بھی کم ہے۔ البتہ جب سے عربوں نے اس ملک کو اپنے تجارتی اور ملکی تعلقات کا مرکز بنایا ہے باشندگانِ ہند اور یہاں کے راجوں مہاراجوں کے احوال ملکی اور معاشرتی معاملات کا ہلکا نقشہ پردۂ تاریخ پر نمودار ہونا شروع ہوتا ہے اور صدیوں سے بیرونی ممالک سے الگ تھلگ یہ چھوٹا برِاعظم دنیا کی دیگر قوموں کی نگاہوں میں نمایاں ہونے لگتا ہے اس لئے کہ طلوعِ اسلام کے بعد عربوں کے مسلسل قافلے اس سرزمین پر اترنے لگے اور اس ملک میں وہ اقامت کے ڈیرے ڈالتے گئے۔ عربوں کے ان تازہ اور نو وارد قافلوں نے جو جوشِ مذہب میں سرشار و مخمور اور ولولۂ علم و تحقیق سے معمور تھے اس ملک سے آشنا ہونے کے بعد دیگر اقوام کو ہندوستان جنت نشان سے روشناس کرانا اپنا ملی فریضہ سمجھا چنانچہ بقول علامہ ندوی[ع]

(۱) عربی زبان میں جغرافیہ کی پہلی کتاب جس میں ہندوستان کے احوال و کوائف اس وقت دستیاب ہوتے ہیں وہ ابن خردادبہ المتوفی ۳۰۰ھ کی کتاب المسالک و الممالک ہے جس مصنف نے پہلے پہل اندرونِ ملک میں قدم رکھ کر یہاں کے شہروں اور علاقوں کو بچشم خود دیکھا پھر ان کی یادداشتیں تیار کیں۔

(۲) سب سے پہلے وہ سیاح جو خشکی کی راہ سے ہندوستان وارد ہوا وہ ابودلف مسعر ابن [illegible] ینبوعی المتوفی ۳۳۱ھ ہے جو بغداد سے ترکستان آیا۔ شاہ نصر سامانی سے علاوہ ایک چینی سفارت کے ساتھ کابل، تبت، کشمیر، ملتان، سندھ اور ہندوستان کے جنوبی سواحل کولم تک پہنچا۔

(عرب و ہند صفحہ ۳۴، ۳۵)

(۳) دوسرا سیاح سلیمان تاجر ہے جو معتمد باللہ خلیفۂ عباسی کا افسرِ اطلاعات تھا یہ پہلا عرب سیاح ہے جس کے سفرنامہ میں ہندوستان کا ذکر ہے اگرچہ خود ہندوستان نہیں آیا یہ عراق سے چین تک سفر کرتا تھا اس کا سفرنامہ ۲۳۷ھ کا لکھا ہوا ہے اس نے جو عجیب و غریب بات اپنے سفرنامہ میں لکھی ہے کہ اہلِ ہند و چین کا متفقہ بیان ہے کہ دنیا میں صرف چار

[ع] عرب و ہند کے تعلقات از علامہ سلیمان ندوی ص۲۳

بادشاہ ہیں اول عرب کا بادشاہ جو سب سے بڑھ کر دولت مند اور بڑے مذہب کا بادشاہ ہے پھر چین کا پھر روم کا پھر ہندوستان کا راجہ بلہرا (وتیجہ رائے گجرات کا راجہ) ہے۔ اس سلیمان تاجر کے بعد ابوزید حسن سیرافی کا نمبر آتا ہے جو خلیج فارس کی مشہور بندرگاہ سیراف کا باشندہ تھا اور جس کی ملاقات مسعودی سے ۳۰۳ھ میں اس کے وطن سیراف میں ہوئی تھی۔ اس ابوزید نے سلیمان تاجر کے سفر کا تکملہ لکھا ہے۔

(۴) ان سیاحوں کے بعد بزرگ ابن شہریار صاحب عجائب الہند کا تذکرہ ضروری ہے جو مشہور جہاز راں ہے اور جو عراق سے ہندوستان کے سواحل اور دیگر جزائر سے ہوتا ہوا چین و جاپان تک پہنچا تھا اس کی کتاب عجائب الہند لیڈن سے ۱۸۸۳ء میں چھپی اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا ہے۔

(۵) ان سیاحوں کے بعد علامہ یعقوبی پہلا مسلمان مورخ ہے جس نے دنیا کی قوموں کی تاریخ عربی میں لکھی کہا جاتا ہے کہ یعقوبی ہندوستان بھی آیا تھا اس نے اپنی کتاب کی پہلی جلد میں ان کتابوں کا حال لکھا ہے جن کا ہندوستانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوا اس کی تاریخ جغرافیہ کی کتابیں لیڈن میں چھپی ہیں۔

(۶) ایسا ہی مشہور معتزلی متکلم و ادیب جاحظ ۲۵۵ھ نے اپنی کتاب البیان میں ہندوستانی اصول بلاغت پر بحث کے لیے ایک صفحہ وقف کیا ہے۔

(۷) پھر قاضی صاعد اندلسی ۴۶۲ھ مصنف کتاب طبقات الامم ہے جس نے اپنے زمانے کی متمدن اقوام کے علوم و فنون کو بیان کیا جس کے اندر ہندوستان کا بھی باب ہے پھر محمد ابن اسحاق عرف ابن الندیم بغدادی صاحب الفہرست ۳۷۷ھ ہوئے جس نے ان کتابوں کے نام دیے ہیں جو ہند سے عربی میں منتقل ہوئے ہیں ان مصنفوں کے بعد ہندوستان کے سلسلہ میں سب سے بڑا مصنف علامہ ابوالحسن مسعودی ہے جس کی ایک مختصر کتاب التنبیہ والاشراف اور دوسری مفصل کتاب مروج الذہب و معادن الجواہر اسلام کی تاریخ ہے مگر اس کے مقدمہ میں تمام دنیا کی قوموں کی اجمالی تاریخ ہے جس کے اندر ہندوستان کا مفصل تذکرہ ہے یہاں کے دریاؤں گنگا، راوی، بلکہ پنجاب کے پانچوں دریاؤں کے نام بھی ہیں۔ علامہ مسعودی نے یہ کتاب پچیس سالہ سیر و سیاحت کے بعد ۳۳۲ھ میں لکھی ہے۔

(۸) پھر ابو اسحاق، ابراہیم، ابن محمد فارسی، جو اصطخری کے نام سے مشہور عالم ہے

اس نے ایشیا کے اکثر ممالک کا سفر کیا تھا اصطخری ۳۴۰ھ میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کا اہم کارنامہ دنیا کا نقشہ تیار کرنا تھا جس کے اندر سندھ بھی ہے وہ اپنے ہمعصر ابن حوقل سے یہیں ملا تھا اس کی کتاب الاقالیم مطبوعہ ۱۸۳۹ء گوتھا میں چھپی اور مسالک الممالک ۱۸۷۰ء میں لیڈن میں طبع ہوئی تھی۔

(۹) پھر اس کا ہم عصر مشہور تاجر ابن حوقل ۳۳۱ھ بمطابق ۹۴۳ء ہے جس نے اپنے وطن کو چھوڑ کر یورپ و ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا سفر کیا۔ اسپین اور سسلی تک کو چھان مارا۔ اس نے بھی سندھ کا نقشہ لگایا ہے جو غالباً ہندوستان کے اس صوبہ کا پہلا جغرافیائی نقشہ ہے جو دنیا میں تیار ہوا اس نقشہ میں سیستان سے گجرات تک کی آبادیوں کا محل وقوع دکھایا گیا ہے۔ یہ پہلا عرب سیاح ہے جو جغرافیہ نویس ہے جس کی کتاب میں ہندوستان کی لمبائی چوڑائی کو پہلی بار بتایا گیا ہے۔

(۱۰) ہندوستان کے سیاحوں میں بشاری، مقدسی ہے جس کا نام شمس الدین محمد ابن احمد بشاری یہ بیت المقدس کا باشندہ ہے اس نے اپنی کتاب ۳۷۵ھ میں ختم کی ہندوستان میں یہ سندھ سے آگے نہیں بڑھا اس نے اپنے زمانے کی دنیائے اسلام کا سفر کیا اس کی کتاب کا نام احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ہے اس کا ایڈیشن ۱۹۰۶ء میں لیڈن میں چھپا۔

(۱۱) ان میں ایک ابن رستہ ۲۹۰ھ دوسرا ابن قدامہ ابن جعفر ۳۳۷ھ وہ عرب جغرافیہ نویس ہیں جنہوں نے ہندوستان کا حال لکھا ہے پھر مشہور و معروف مورخ علامہ بلاذری المتوفی ۲۹۲ھ کی کتاب فتوح البلدان بے حد قیمتی ہے اس کے بعد ابن ندیم بغدادی کی کتاب الفہرست ہے جس طرح آریا لوگ سب سے پہلے خشکی کے راستے سے ہندوستان آئے دریائے سندھ سے واقف ہوئے اور اس کے نام پر ہند نام رکھا ایسے ہی عرب سیاح سندھ کے عربی سواحل کے مقابل ہونے کی وجہ سب سے پہلے اس سے آشنا ہوئے ان میں مشہور عالم مورخ فاضل ریاضی داں کتاب الہند کا مصنف علامہ ابوریحان خوارزمی ہے جو محمود غزنوی کے حملوں سے دو سال پہلے ہندوستان آیا تھا جس کو دنیا کی مختلف قوموں کے خیالات و معتقدات و مسائل سے دلچسپی کا خاص ذوق تھا اس کے قیام کا زمانہ ۴۰۸ھ تا ۴۲۱ھ تک معلوم ہوتا ہے جو بارہ تیرہ سال ہے۔ علی ابن زیدی بیہقی کا بیان ہے کہ بیرونی نے چالیس سال ہندوستان میں گزارے علامہ بیرونی نے ہمارے ملک کے متعلق دس قسم کی

کتابیں لکھی ہیں ایک عربی سے سنسکرت میں دوسری سنسکرت سے عربی میں تیسری ہندی علوم اور اس کے مسائل کی تحقیق وتدقیق کے بارے میں ہے آج عرب دنیا کا ہندوستان کے علوم و فنون کی معلومات کے بارے میں یہی مستند وثیقہ ہے۔ علامہ بیرونی نے دھارا، اجین، بھرودچ اور گوالیار کے قلعہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابوریحان بیرونی المتوفی ۴۴۰ھ کی کتاب الہند پروفیسر زخاؤ کی محنت سے ۱۸۸۷ء میں لیڈن میں چھپی ہے۔

یہ تو وہ سیاح اور مصنف تھے جنھوں نے ہندوستان آکر معلومات حاصل کیں اور ہمارے ملک کی بابت کچھ لکھا لیکن وہ ایسے فاضل مسلمان بھی ہیں جو ہندوستان میں سیاحت کی غرض سے نہیں آئے بلکہ یہاں کے علم وفن کی گنگا وجمنا سے سیراب ہونے کے لیے وارد ہوئے۔

ان میں پہلا شخص محمد ابن تنوخی ہے جس کا زمانہ تیسری صدی ہجری کا ہے یہ نجوم وہیئت کا مشہور عالم تھا جو یہاں سے نادر معلومات حاصل کرکے اپنے وطن واپس ہوا جس کی نشاندہی قاضی صاعد اندلسی نے اپنی کتاب طبقات الامم میں کی ہے دوسرا خود بیرونی ہے جس کا تذکرہ ابھی کیا گیا یہ سیاح مورخین ابتدائی دور کے تھے اس کے بعد کے لوگوں میں صوفی دمشقی ۷۲۷ھ ہے جس کی کتاب عجائب البر والبحر ہے۔

پھر ادریسی ۵۶۰ھ سسلی کا جغرافیہ نگار پھر ایران کا زکریا قزوینی ۶۸۲ھ جس کی کتاب آثار البلاد ہے۔

پھر ابوالفدا ۷۳۲ھ جس کی کتاب مشہور تقویم البلدان ہے۔ پھر یاقوت حموی ۶۲۶ھ جس کی ضخیم کتاب معجم البلدان ہے ایسے ہی مصر کا نویری جس کی کتاب نہایۃ الارب فی فنون الادب ہے۔ پھر شہاب الدین عمری ۷۴۹ھ جس کی کتاب مسالک الابصار وممالک الامصار ہے۔ آخر میں ابن بطوطہ مراکشی ۷۷۹ھ صاحب عجائب الاسفار ہے جو شہنشاہ محمد تغلق کے زمانے میں ہندوستان آیا اور اپنے مشاہدات ہند کو بحسن وخوبی بیان کیا۔ اس کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس کے اندر جنوبی ہند کے حالات ہیں جس کو مسلمانوں نے اب تک فتح نہیں کیا تھا۔

(عرب وہند صفحہ ۳۰ تا ۴۴)

البتہ ایک مشہور طبیب وحکیم ابن ابی اصیبعہ ۶۶۸ھ صاحب عیون الانباء فی طبقات الاطباء کا ذکر رہ گیا جس نے متمدن دنیا کے طبیبوں کی مستقل تاریخ لکھی ہے اس کی دوسری جلد میں ہندوستان کا بھی ایک باب ہے اور یہاں کے ویدوں، حکیموں، معالجوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اہل عرب کا ہمارے ملک جنت نشان سے طلوع اسلام کے بعد یہ خصوصی تعلق اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ عربوں کا تعلق ہند سے بہت پرانا ہے۔ اسلام نے اس رشتۂ تعلق کو مضبوط و مستحکم کیا اور پھر عربوں نے عالمگیر اشاعت اسلام کی خاطر جس طرح اپنے قریبی علاقوں شام ومصر، ایران وخراسان کو اپنا وطن بنایا۔ اسی طرح ہندوستان کو بھی اپنی بود وباش اور مستقل سکونت کے لیے پسند کیا اور مسلمان بادشاہوں کی تاخت وتاز اور حملوں سے صدیوں پہلے وہ اس سرزمین کو نہ صرف اپنا وطن بنا چکے تھے بلکہ ساحلی مقامات کے علاوہ وہ اندرون ملک میں بھی اپنی نوآبادیاں قائم کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

انگریز مورخین نے سامراجی اغراض کے ماتحت جو تاریخیں مرتب کی ہیں ان سے مسلمانوں کا وجود ہندوستان میں غزنوی کے حملوں اور ان کا مستقل قیام وسکونت غوری کی فتوحات کے بعد سے ثابت کرنا چاہا ہے جو تاریخی اعتبار سے سراسر غلط اور ان کی شرارت وبدنیتی کو واضح کرتا ہے۔

(1) The Combridge History of India The Mughal Period
Panned by LT Colonel Sir wolseley

(2) The cambridge shorter history of India By
Allan sir T. wolseley H.g

(3) The history of India As told By Its own
historians.
The Muhammadan Period
The Posthumous Papers of The Late Sir H.M. Elliot
Edited by Prof John Dows
Sasil Gupta (India) L.T.D

برطانوی مورخین نے اپنے رسوائے عالم ڈپلومیسی ڈوائڈ رول Divide Rule کے ماتحت ہمارے ملک کی جو تاریخ ترتیب دی ہے اس سے مسلمانوں کا ہندوستان سے تعلق محمود غزنوی کی غارت گری اور شہاب الدین غوری کی حملہ آوری کے دور سے ثابت کیا ہے

جس سے تاریخ کے ہر طالب علم کے دل میں یہ غلط نقش قائم ہو جاتا ہے کہ مسلمان قوم وحشی لٹیروں اور گھس پیٹھیوں کی اولاد ہیں۔

ان بد باطن مؤلفین نے تاریخ میں نفرت باہم کا ایسا زہر گھول دیا ہے جس نے ہمارے ملک کی رواداری محبت باہمی، صلح و آشتی کی پرانی روایات کو خاک میں ملا دیا اور یہاں کی رہنے والی قوموں کے درمیان مستقل خانہ جنگی کی طرح ڈال دی ہے۔

ان سامراجی مورخین کا مقصد اصلی تاریخ نگاری نہیں بلکہ اپنے سیاسی مصالح کے لیے تاریخ سازی کے ذریعہ ایشیائی اقوام میں نفرت کی تخم ریزی کرنا، مکروہ اور جزوی واقعات کو ابھارنا اور ان کو کلی حیثیت دے کر ہمیشہ کیلئے یہاں کی قوموں میں باہمی فساد کی آگ کو بھڑکانا، یہ ان کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے تاکہ یہاں کے باشندوں کی ساری توانائیاں اور عملی قوتیں اسی جنگ و جدل کی نذر ہو کر ضائع ہو جائیں اور ان کو مغربی اقوام کے ظلم و ستم کے خلاف باہم متحد ہو کر زندگی کے ہر محاذ پر سامراج سے معرکہ آرا ہونے کا خیال نہ پیدا ہو سکے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے اس ناپاک منصوبہ میں کامیاب ہو گئے اس نقطۂ نظر سے جب ہم انگریز مورخین کی ہندوستانی تواریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں مسلم پیریڈ Muslim Period کا ابتدائی بنیادی حصہ جو مسلمانوں کی سندھ میں عہد رسالت سے آمد و سکونت کی نشان دہی کرتا ہے۔ ہماری عام تاریخوں کے صفحات سے غائب ہے۔ مسلمانوں کی آمد کا ابتدائی واقعہ محمد ابن قاسم کے حملے سنہ ۹۳ھ مطابق سنہ ۷۱۲ء کے جزوی واقعات کو چھوڑ کر محمود غزنوی تک کا جو درمیانی دور تین سو چار سو سال تک پھیلا ہوا ہے اس کے اندر مسلمانوں کے ہند میں قیام اور سکونت کا کوئی تذکرہ نہیں۔ ہند کے ساتھ عربوں کا جو تعلق اس دور میں رہا اس سے ہماری تمام تواریخ خالی ہیں ؎

سُنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سُنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

جیساکہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا کہ عربوں کا ہمارے ملک سے تعلق ظہورِ اسلام سے صدیوں پہلے سے چلا آرہا ہے اور عہدِ رسالت سے مسلمانوں کا سلسلۂ آمد و رفت بڑھا اور عرب تاجروں، سیاحوں نے ان رشتۂ باہمی کو مضبوط کیا جیساکہ ہم بتائیں گے کہ خود محمد بن قاسم کے حملے سے پہلے مسلمان سندھ میں موجود تھے اور محمود غزنوی کی معرکہ آرائیوں سے

صدیوں پہلے یہاں ان کی نوآبادیاں قائم ہو چکی تھیں مگر ہماری تاریخوں میں مسلم پیریڈ کا آغاز شہاب الدین غوری کے بعد سے کیا گیا ہے جس کو افغان و مغل دو حصوں میں تقسیم کر کے دکھایا گیا ہے حالانکہ یہ دور ان مہم جو اور بہادر بلند حوصلہ مسلمان فاتحوں کا دور ہے جن کے اندر اکثر یہ جنگجو فاتح و سپہ سالار اپنی طاقت و قوت اور شجاعت و دلیری کے نشہ میں ملک گیری کے لیے اور اپنی دلاوری اور بہادری کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کے لیے مشرق و مغرب میں تاخت و تاراج کر رہے تھے کیونکہ خلافت عباسیہ کی مرکزی حیثیت کمزور ہو چکی تھی ضعیف و کمزور خلفا اپنے وسیع و عریض مقبوضات میں اپنا نظام قائم کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ دور دراز کے علاقوں کے صوبہ دار خود مختاری کے علم لہرا کر اسلامی خلافت کے خلاف بغاوت کر رہے تھے اور خود خلیفہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جیساکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بعض جرأت آزما اور دلاور مسلمان سپہ سالاروں نے مرکز خلافت عروس البلاد بغداد کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا اور عباسی خلفا کو کٹھ پتلی کی طرح ناچنے پر مجبور کیا۔ ان دلاور بہادر باغیوں نے ایشیا و افریقہ اور یورپ کی سرزمینوں کو اپنی حملہ آوریوں کا آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ ان کو مذہب یا اسلام کی سربلندی سے کوئی واسطہ تھا نہ کوئی لگاؤ بس ملک گیری اور فتوحات کی وسعت ان کا نصب العین تھا ان لوگوں میں سے بعض کا رخ ہمارے ملک کی طرف بھی ہو گیا اور اس سرزمین امن آئین کو اپنے عزائم اور حوصلوں کے پورا کرنے کا میدان بنایا۔ غوری کے بعد ان بادشاہوں کے دور کا آغاز ہو گیا ان کے سامنے اشاعت اسلام کا نہ کوئی خاص تصور تھا نہ ہندوستان کی قوموں کے پامال کرنے کا کوئی منصوبہ تھا وہ صرف اپنا دائرۂ اختیار بڑھانے کے درپے تھے اس راہ میں اگر ان کا ہم مذہب بادشاہ بھی حائل ہوتا تو اس سے معرکہ آرائی میں دریغ نہ کرتے اس جنگجو اور مہم آزما لوگوں کے ذریعہ مسلمان حکومت قائم ہوئی جو قطب الدین ایبک دور غلاماں سے شروع ہو کر حکومت مغلیہ کے آخری بادشاہ ظفر بادشاہ تک چلتی رہی۔ اس حقیقت کا انکار ایک تاریخی حقیقت کا انکار ہوگا کہ ان مسلم بادشاہوں میں بہت سے ایسے نیک نفس و دیندار اور ہمدرد خلق بادشاہ بھی گزرے ہیں جنھوں نے حقیقی مذہب کی لاج رکھ لی اور لوگوں کے دلوں میں اپنی شرافت و انسانیت اور انصاف پروری اور بھلمنساہٹ کے دلوں میں حسین نقوش مرتسم کیے لیکن عمومی حال وہی رہا جو عرض کیا گیا۔

بہرحال مسلمان بادشاہوں کے ان دونوں افغان اور مغل دور میں جو کچھ ملک گیری اور

اپنے دائرۂ اقتدار کی وسعت پذیری کے اہم واقعات پیش آئے سامراجی مورخوں نے ان کو ہندو مسلم آویزش کے پیرائے میں پیش کیا اور ان کے اندر خونریزی کی بعض داستانوں کو ایسا نمک مرچ لگا کر بیان کیا جس سے دونوں قوموں کے جذبات نفرت بھڑک اٹھیں۔ مسلمان بادشاہوں کی ان مہم پسند حملوں کو مذہبی رنگ دے کر خوب خوب ابھارا گیا جو بادشاہ یا مہاراجا جس قدر مذہبی ہوا اس کے جنگی واقعات کو خونخواری کا روپ دے کر مذہبی احساسات کے تاروں کو جھنجھنایا گیا ہے جس کے پس پردہ اس مفروضے کو اصل حقیقت قرار دینے کی سعی بے جا کی گئی ہے کہ دین یا مذہب (دھرم) ہی فتنہ و فساد کی اصل جڑ ہے وہی دین و مذہب جو مشرقی اقوام کا طرۂ امتیاز ہے۔ حالانکہ اس بیسویں صدی کے حالات و واقعات کی روشنی میں ہر شخص نے اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیا ہے کہ اقتدار پسند سیاست ہی ہر دور میں فتنہ و فساد کی جو بنیاد رہی ہے چاہے وہ مذہبی نقاب اوڑھ کر سامنے آئے یا جمہوریت و آمریت کے پردے میں اپنا چہرہ چھپائے۔

ان برطانوی مورخین کی تاریخ کے بین السطور میں بغض و نفرت کی جو چنگاریاں چھپی ہوئی ہیں اس نے نئی نسل کے سینہ کو آتشکدہ بنا دیا ہے۔ قوموں کے درمیان ایک دوسرے کے لیے عداوت و دشمنی کی ایسی آگ سلگائی ہے جس نے آگے چل کر شعلوں کی صورت اختیار کی اور اس سرزمین کے خرمن امن و امان کو جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔ ہمارے ملک کی پیشانی پر ایسا کلنک کا ٹیکہ لگایا جس کا صاف کرنا مشکل ہو گیا ہے اور ہمارے تاریخی ملک کو ان مکروہ واقعات (فسادات) نے ایسا رسوائے عالم کیا کہ دوسری قوموں کو منہ دکھانا دشوار ہو رہا ہے۔

ان تاریخوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے داخل ہوتے ہی جنگ و جدال اور قتل و قتال کی گرم بازاری پیدا ہو گئی۔

ان بدطینت تاریخ سازوں نے ہندو مسلم دونوں قوموں کو متحارب اور جنگجو قوموں کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ان جنگوں کو مذہبی جنگوں کے روپ میں دکھایا ہے عموماً مسلم بادشاہوں کو جنگجو طاقت ور اور جابر و ظالم فاتح کی حیثیت میں پیش کیا ہے جس سے تقریباً ہر جگہ ہندو قوم مغلوب و مقہور اور شکست خوردہ ہو کر رہ گئی اس سے جہاں مسلم حکمرانوں کا زور آور اور طاقت ور سخت گیر ظلم پسند ہونا ثابت ہوتا ہے وہیں

ہندو قوم کا کمزور اور بزدل ہزیمت خوردہ ہونا دکھائی دیتا ہے۔ گویا یہاں کے باشندوں (ہندوؤں) وغیرہ کا ان فاتحوں کے آگے ہتھیار ڈال دینا اور ان کے ظلم و ستم کے آگے گردن جھکا دینا خصوصی شیوہ رہا ہے۔ یہ ہندو مسلم دونوں فرقوں کی ایسی مسخ شدہ تصویر ہے جو ان کے اندر دائمی نفرت کو جنم دیتی اور ان کے درمیان مستقل حرب و پیکار کی داغ بیل ڈالتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سامراجی مورخین اپنے اس ناپاک منصوبہ میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے اور تاریخ کے نام سے نفرت کے جس زہریلے پودے کا بیج یہاں کے باشندوں کے دماغوں میں بویا تھا وہ پودا تناور درخت بن کر خوب پھل پھول لایا اور اس زہریلے درخت کی شاخیں تینوں ملکوں (ہند و پاک اور بنگلہ دیش) میں پھیل کر اس برصغیر کی ہواؤں کو مسموم کر رہی ہیں۔ آج ربع صدی سے زائد گزر جانے کے بعد ہمارے اہل ملک کو اصل و حقیقی مہذب تاریخ مرتب کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ہمارے ہندوستانی مورخوں کا بڑا طبقہ اس سامراجی چال کو سمجھنے اور برطانوی چال کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے اور ابھی تک پچھلی سامراجیوں کی قائم کردہ لکیروں کو پیٹ رہا ہے۔

اس ملک کی نئی نسل نے اس مسموم تاریخ کی زہریلی فضا میں سانس لی اور اسی آب و ہوا میں نشو و نما پائی اور اب یہی زہریلی غذا اس کے رگ و پے میں دوڑ رہی ہے جس کے کڑوے پھل آئے دن کی جھڑپوں اور فسادات اور جھگڑوں کی شکل میں ہم کو چکھنے پڑ رہے ہیں۔ یہ مستقبل کے تلخ ثمرات کا ابھی آغاز ہے آگے چل کر اس کے کون سے نتائج ہماری نسلوں کو بھگتنا پڑیں گے۔ خدا کے ہی علم میں ہیں: بقول غالبؔ

رگ و پے میں جب اترے زہر غم پھر دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے

بہر حال سامراجی سیاست نے تاریخ ہند میں نفرت و عداوت کا جو زہر گھول دیا ہے اس کے اصلی اجزا اور زہریلے اجزا کو چھان بین کر کے اور اصل واقعات سے تاریخ کو ترتیب دینا مستقبل کے مورخ کا کام ہے۔ انسانیت کے بہی خواہ ہونے کے رشتہ سے ہم پر بھی روحانیت کے نام لیواؤں اور محبت و الفت کے سبق کو عام کرنے والوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ سب کے سامنے پچھلی تاریخ کا خام مواد پیش کر دیں اور ان سچے انسانیت دوست، حق پرست

بزرگوں کی محنتوں، ریاضتوں اور مخلصانہ کوششوں کے ابتدائی خاکوں کو سامنے رکھ دیں جن کے اندر رنگ بھرنا ارباب تحقیق کا کام ہوگا جو کبھی دلسوزی اور انسانی ہمدردی کے ساتھ آگے چل کر ہندوستان کی تاریخ عالمگیر انسانی نقطۂ نظر سے ترتیب و تدوین کرنے کے فرائض انجام دیں گے۔

فن تاریخ یا علم و ادب میں حقیقت رسی کی منزل تک پہنچنا جس قدر جاں گسل اور مشکل رہا ہے۔ راقم السطور اس سے کوسوں دور ہے اسی لیے خالص علمی تحقیقی تاریخی موضوع پر قلم اٹھانا اس کی علمی بضاعت سے بلند و بالا ہے۔ لیکن سفید اوراق کو سیاہ کرنا بچپن کا مشغلہ ہے۔ اس لیے آڑی ترچھی لکیریں کھینچ دی گئی ہیں اس کے اندر اگر کچھ کامیابی کی جھلکیاں نظر آئیں تو وہ اس [illegible] منت ہوں گی۔ احقر ۳۳ء میں جب اپنے علمی سفر سے فارغ ہو کر اپنے وطن پہنچا تو مدرسہ سلیمانیہ میں جہاں اس نے اپنے شفیق استادوں کے سامنے زانوئے ادب کو تہہ کیا تھا معلمی کی مسند پر بٹھا دیا گیا تھا۔ بھوپال کی خوش قسمتی نے ۱۹۳۵ء میں جب نئی انگڑائی لی اور حضرت علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت امیر الجامعہ و قاضی القضاۃ بھوپال رونق افروز ہوئے تو بھوپال کے پرانے دینی مدرسہ احمدیہ کو جامعہ کی صورت میں قائم کرنے کا نقشہ تیار کیا گیا اس سلسلہ میں حضرت سید صاحب نے نو وارد استاد مقرر کرنے کے لیے بسلسلۂ انٹرویو قدیمی اساتذہ اور مدرسین کو بلایا یہ کم سواد جو جامعہ کے اساتذہ میں کم عمری کے ساتھ استعداد کی بے بضاعتی کا بھی حامل تھا جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت سید صاحب نے دریافت کیا مولوی صاحب آپ کے خصوصی مضامین کیا ہیں؟ احقر نے تفسیر و حدیث کو درجۂ اول اور ادب کو درجۂ دوم میں بتایا ارشاد فرمایا بھوپال میں مفسر و محدث تو بہت ہیں یہ فرمائیے کہ تاریخ میں بھی آپ کو درک ہے۔

راقم الحروف نے مورخ عصر کی جلالت قدر کا لحاظ رکھتے ہوئے عرض کیا کہ بندہ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم ہے جس پر حضرت اقدس نے تاریخی سوالات کی بوچھار کر دی احقر نے تقاضائے عمری کے مطابق صحیح و غلط فر فر جواب دینے شروع کر دیے اس پر سید صاحب نے بہت مسرور و خوش ہو کر ارشاد فرمایا۔

مولوی صاحب میں نے آپ کو آج سے مورخ بنایا۔ بندے نے جواباً عرض کیا کہ حضرت والا کی زبان مبارکہ اس لیے ناظرین کو اس کتابچہ میں تاریخ نگاری یا تحقیق پسندی کی کوئی جھلک نظر آئے یا اسے مقبول بارگاہ ہستی کی دعا کا کرشمہ ہوگا لو اقسم علی اللّٰہ لابرّہٗ ورنہ من آنم کہ من دانم ؎

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطاری کشم ناقۂ بے زمام را

ہم نے اس کتابچہ کو تین بابوں میں تقسیم کیا ہے (۱) پہلے باب میں مختصراً بتایا گیا ہے کہ تمدن انسانی کے بانی مبانی کون تھے اور یہ کہ ہند عرب کا رشتہ کتنا قدیم ہے مزید یہ کہ ایشائی اقوام کا خمیر مذہب ہے۔ اس پر تاریخی حوالوں کو فی الحال بقدر ضرورت جمع کیا ہے۔

(۲) دوسرے باب میں مالوہ میں اسلام کے قدم کب پہنچے اور اسلام نے اس علاقہ میں کس طرح اپنے اثرات قائم کئے۔ راجہ بھوج کے اسلام کو تاریخی روشنی میں ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

(۳) تیسرے باب میں معجزۂ شق القمر کی تاریخی و مذہبی سائنسی وغیرہ حیثیت کو واضح کیا گیا ہے جو اصل کتاب کا عنوان ہے اس لیے ہماری یہ کتاب نیم مذہبی اور نیم تاریخی ہوگئی ہے۔ جن وجوہ کو ہم نے اس کتاب میں پیش کیا ہے ان کو کہاں تک ثابت کر سکے ہیں ناقد بصیر اور سچا محقق ہی اس کا صحیح فیصلہ کر سکتا ہے۔

ہمارا مقصد اصلی اس کتابچہ سے انسان دوستی، ہندوستانی قوموں کے درمیان صلح و آشتی اور تمام انسانوں میں عالمگیر پیغام محبت کو عام کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ؎

جو ہیں ارباب سیاست وہ سیاست جانیں
اپنا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

وجدی الحسینی

حامداً مصلیاً

باب اوّل

سرزمین ایشیا تاریخ کی صبح نمودار ہونے سے پہلے ایمان و عرفان، گیان و دھیان کی سرزمین کی حیثیت سے جانی پہچانی چلی آ رہی ہے۔

دنیا کے قدیمی چار مذہب

دنیا کے قدیم اور پرانے چاروں مشہور مذہب یہودیت، عیسائیت، بدھ مت، مجوسیت جس کے ماننے والوں نے اصل مرکز سے آگے بڑھ کر دور دراز علاقوں کو اپنے زیر اثر اور زیر نگیں کیا ان سب کا سرچشمہ یہی ایشیا کی سرزمین تھی وہ ہمیشہ سے نبیوں، رسولوں، رشیوں منیوں، صوفیوں، سادھوؤں، اور مہاپرشوں کا گہوارہ اور خدا پرستوں، عالموں، فاضلوں، کاملوں، سادھو سنتوں اور سچ کے پرستاروں کا قرارگاہ یا ٹھکانہ رہی ہے۔ یہیں سب سے پہلے تمدن انسانی کے محل کی پہلی کچی اینٹ، ابتدائی قوموں کے ہاتھ رکھی گئی۔

انسانی تمدن کا اولین گہوارہ

تمدن انسانی کی تاریخ میں ہمیشہ سے یہ مسئلہ معرکۃ الآراء رہا ہے کہ وہ کونسا خطہ ہے جہاں سب سے پہلے انسان کی مدنی زندگی یا حیات اجتماعی کا آغاز ہوا۔؟

ہر مذہب و ملت کے ماننے والوں اور ہر قوم و ملک کے رہنے والوں نے اپنے اپنے خطوں اور اپنے اپنے علاقوں کے متعلق اولیت کا دعویٰ کیا ہے اور اپنی مذہبی روایات

اصنامی حکایات (دیومالائی قصص و واقعات) کی رو سے اس امر کو ثابت کرنے کی پوری پوری سعی و کوشش کی ہے چنانچہ مشرقی ممالک میں ایک طرف ہندوستان و چین جیسے طویل و عریض اور وسیع و کثیر آبادی والے ملکوں کو اس پر فخر و ناز ہے کہ وہی دنیا کی تمام قوموں میں سب سے مقدم اور اوّلین قومیں ہیں جہاں سے آسمانی سورج کی طرح تہذیب و تمدن کا بھی سورج طلوع ہوا۔ اس کے بالمقابل دوسری طرف بابل و مصر اور ایران کی قدیم اقوام کو اپنی اپنی تہذیب کی قدامت اور اوّلیت کا دعویٰ رہا ہے کہ نسل انسانی کے قافلے یہیں سے سب سے حضارت و مدنیت سے آراستہ ہو کر چاردانگ عالم میں پھیلے اور دنیا کی اس قدیم تہذیب کے نقوش کی جھلکیاں ہر قصر تہذیب کے بام و در میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔

ایشیائی ممالک کی طرح یوروپ و افریقہ کے باشندوں کے بھی اسی رنگ کے دعوے اپنے اپنے علاقوں کے بابت رہے ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

البتہ اس پر غور کرنا ہمارا اولین فرض ہے کہ خود انسانی تمدن کے پھیلے ہوئے ذخیرے جو ہر جگہ زیر زمین دفن ہیں وہ اس بارے میں ہماری کیا رہنمائی کرتے ہیں۔

خوش قسمتی سے پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء نے جہاں ایشیائی اقوام کے لیے مصیبتوں، پریشانیوں نت نئے شرارے بھڑکائے اور ان کے سروں پر آفتوں کی قیامت توڑ دی وہیں تحقیق اور تلاش و جستجو کی کچھ نئی روشنیاں بھی پھیلا دیں۔

جنگ عظیم کے اس معرکۂ کرب و بلا کے شر میں سے خیر کے بھی کچھ پہلو پیدا ہوئے اس لیے یہ جنگ مشرق و مغرب کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس نے ایک طرف مشرقی ممالک اور ایشیائی سلطنتوں کو انحطاط و زوال اور ادبار و نکبت کے آخری کنارے پر لا کر کھڑا کر دیا تو دوسری طرف مغربی اقوام کو عروج و کمال اور فتحیابی اور کامرانی کی سب سے اونچی چوٹی پر پہنچا دیا ہمارے لیے اس شر میں سے خیر کا جو پہلو نکل آیا وہ یہ ہے کہ یوروپ کی ان قوموں نے مشرق کے پرانے مخفی خزانوں کی شہرت کے افسانوں کی بنا پر اپنے مفتوحہ علاقوں خصوصاً عراق و شام اور مصر کے پرانے کھنڈروں کی کھدائیاں شروع کیں۔ ان حفریات (کھدائیوں) سے سونے چاندی اور جواہرات کے وہ دفینے تو برآمد نہ ہو سکے جن کی توقعات پر ان عظیم مہموں کا آغاز کیا گیا تھا لیکن تمدن انسانی اور تہذیب بشری کی ابتدائی تاریخ کے وہ بے بہا خزینے ہاتھ

لگے جس کے بغیر انسانی تاریخ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

بابلیات، آشوریات، مصریات تاریخ انسانی کے مستقل عنوان اور اہم موضوعات بن گئے۔

پھر ان مستشرقین نے اپنی علمی تحقیقات اور تاریخی اکتشافات کے لیے ان تاریخی موضوعات پر پوری پوری دادِ تحقیق دی اور قابلِ قدر و ناقابلِ فراموش علمی و تحقیقی خدمات سرانجام دیں۔

ان عظیم تحقیقات کے نتیجے میں بیاضِ تاریخ کے ان گمشدہ اوراق کا سراغ ہاتھ لگا اور پرانی اقوام کی تاریخ کے نایاب و پارینہ صفحات منظرِ عام پر آتے جو ابھی تک اربابِ تاریخ کی نظروں سے اوجھل تھے۔

دجلہ و فرات کے دوآبہ کی سرزمین اور دریائے نیل اور بحر قلزم کا درمیانی میدانی علاقہ تو حیاتِ انسانی کے آغاز سے ابتدائی حضارت و مدنیت کا گہوارہ بنا تھا وہاں انسان کی ابتدائی تہذیبی مساعی کے نقوش ابھر آئے جن انسانی تاریخ کے بکھرے ہوئے اجزا کی شیرازہ بندی ممکن ہو سکی اور پچھلی تاریخ کے مخفی گوشوں پر کا پردہ اٹھ گیا اور واضح ہو گیا کہ انسانی تمدن کا سورج سب سے پہلے کہاں نکلا؟ اور قصرِ تمدن کی ابتدائی اینٹیں کہاں رکھی گئیں۔

بشری تہذیب کا ابتدائی نقطہ

شط العرب ہی حسبِ تحقیقِ جدید دنیا کا وہ پہلا خطہ ہے جہاں اجتماعی زندگی نے سب سے پہلے اپنے پر و بال نکالے۔ آجکل کے الفاظ میں سب سے پہلے انسان نے انفرادی زندگی سے اشتراکی زندگی یا ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے سہنے اور قبائلی یا خاندانی زندگی اختیار کرنے اور قدرتی خودرو جنگلی غذاؤں سے آگے قدم بڑھا کر اپنے ہاتھ سے اناج غلہ پیدا کرنے کی سمت ابتدائی قدم رکھا۔ بالفاظ دیگر بنی نوع انسان نے بدویت اور خانہ بدوشی کے میدان سے نکل کر اور جنگلی شکاری زندگی کو خیرباد کہہ کر تمدن و تہذیب کے دائرہ میں قدم رکھنے کی اسی علاقہ (شط العرب) میں شروعات کی پھر آہستہ آہستہ نسلِ انسانی کا دریا سمندر بننے لگا اور اس سمندر کی موجیں آگے بڑھنے اور دور دراز خطوں میں اس کی لہریں پھیلنے لگیں۔

دجلہ و فرات کا دوآبہ، جیحون اور سیحون کا درمیانی علاقہ، گنگا و جمنا کے میدانی خطے کا تہذیب و تمدن کے ابتدائی ارتقا اور درمیانی نشوونما میں خاص ہاتھ رہا ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مشرق کی یہی وہ سرزمین ہے جہاں تاریخ انسانی کا مہرِ عالمتاب سب سے پہلے جلوہ افروز ہوا اور پھر اس کی شعاعیں چار دانگِ عالم میں پھیلیں۔

ایران عراق کی حالیہ جنگ کے دوران شط العرب کا ذکر بار بار آتا رہا ہے جس نے اس کی قدیم اہمیت کی یاد کو تازہ کر دیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں جدید تحقیق کے مطابق شکاری انسان نے سب سے پہلے کاشت کاری (کھیتی باڑی) کا ڈول ڈالا۔ اسی زمین میں قدرت نے جنگلی اناج غلے کے دانے پیدا کیے تھے جس کو انسان نے نشوونما دے کر زراعتی نظام قائم کیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عرب و عجم کے دو زبردست دریا دجلہ و فرات گلے ملتے ہیں۔ یہ دونوں دریا عراق عرب اور عراق عجم (ایران) کی سرسبزی و شادابی کے باعث بنے ہیں۔ نباتاتی و حیواناتی اور انسانی زندگی کے لیے اصل سرمایۂ حیات پانی ہے جس کی اس علاقہ میں فراوانی و بے پایانی ہے اس لیے ابتدائی انسان نے ایک طرف وافر مقدار میں چراگاہوں کو پا کر مویشیوں کے گلہ بانی کا پیشہ اختیار کیا اور دوسری طرف گیہوں جو کے دانوں کو اپنی محنت و ریاضت کا نشانہ بنایا اور اس علاقہ کو اپنی محنتوں و مشقتوں سے باغ و بہار اور گل و گلزار بنا دیا اس لیے تمدنِ انسانی کی عمارت کی پہلی پہلی اینٹ یہیں رکھی گئی۔

شط العرب خلیج تک رسائی حاصل کرنے کے لیے واحد آبی شاہراہ ہے اور موجودہ عراق کی واحد بندرگاہ بصرہ اسی پر واقع ہے اس لیے تجارتی مقاصد کے لیے جس طرح وہ عراق کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح ایران کے لیے بھی۔ اس لیے موجودہ ایران کے دو مرکزی شہر ابادان و خرم کے جانے کا یہی آبی راستہ ہے۔ شط العرب دونوں ملکوں کی سرحدوں پر واقع ہے۔ اس لیے پچھلے زمانے میں قوموں کا باہمی کشمکش کا آماجگاہ رہا ہے۔

فنِ تحریر کی ایجاد

براعظم ایشیا کے اس مشرقی خطے کی سب سے اہم ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ انسان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ اور اس کے ہونٹوں سے نکل کر فضا میں بکھر جانے والے کلمات صحیفۂ دماغ

سے ابھر کر نوکِ زبان سے ادا ہونے والے خیالات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا فن سب سے پہلے یہیں ایجاد پذیر ہوا۔ یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس کی بدولت انسان کی فضیلت و برتری کا آوازہ آفاقِ عالم میں گونجا اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کا نقش بیاضِ کائنات میں مرتسم ہوا کیوں کہ نطق و گویائی اور اظہارِ مافی الضمیر کی صلاحیت ہی انسان کو تمام حیوانات میں امتیاز بخشتی ہے۔ قدرت نے ذہن میں پیدا ہونے والے تصورات و تخیلات اور دماغ میں ابھرنے والے افکار و جذبات کے لیے ہماری اس زبان کو ان کا ترجمان بنایا۔ پھر اس کی قوتِ فکریہ کو ذہن میں پیدا ہونے والی لہروں اور عقل و ادراک کے سمندر سے اچھلنے والی موجوں کو الفاظ و کلمات کا جامہ پہنانے کا سلیقہ بخشا پھر الفاظ و کلمات کی ان بہائی موجوں کو تحریر و کتابت کی زنجیروں میں جکڑ بند کرنے کا طریقہ سکھایا علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (العلق)

بابل کا جادو

اہلِ بابل نے جس طرح علوم و فنون کے اختراع میں پہل کی اسی طرح فنِ تحریر کی داغ بیل بھی سب سے پہلے انھوں نے ہی ڈالی۔ غالباً بابل کا یہی وہ جادو ہے جو دنیا کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔

تاریخی نقطۂ نظر سے خطِ میخی یا خطِ مسماری رسم الخط کی دنیا میں پہلا موقلم ہے یا انسانی دست کاری کا وہ پہلا نقش ہے جس نے پچھلے گزرے ہوئے واقعات اور ہمارے باپ دادا پر بیتے ہوئے حالات کو ہمارے سامنے لا کر رکھ دیا اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس فن کی بدولت مردے زندہ ہو گئے۔ انسانی ہنر نے زمانے کے بہتے ہوئے دھاروں اور حوادثِ گزشتہ کی گزری ہوئی موجوں کو قید کر کے ہمارے آگے تھام کر رکھ دیا۔ اہلِ بابل، خالدیہ (کلدانی) اور فینقیہ اس خطے کے باشندوں نے اپنے تجربات و واقعات، عینی مشاہدات کو پہاڑوں کی گپھاؤں، سنگین چٹانوں اور گہرے غاروں میں ثبت کر کے بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے پچھلی تاریخ کے احوال معلوم کرنے کا دروازہ کھول دیا۔

انسانی دماغ کا یہ عظیم کارنامہ جس دن صفحۂ عالم پر جلوہ پرداز ہوا تاریخ نے

پردۂ گمنامی سے نکل کر نمائش گاہِ عالم میں اپنا چہرہ دکھایا۔

حکمت و فلسفہ کا بانی کون ؟

جو مدعیانِ عقل و دانش تخلیقِ کائنات کے فلسفہ و حکمت کے سلسلہ کی کڑیوں میں خود خالقِ کائنات کی عظیم ہستی کے سررشتہ کو نظر انداز کر کے اس کائنات کی خود ساختہ توجیہ و تشریح و خود تراشیدہ تعلیل و توضیح کرنا چاہتے ہیں ان سے ہم کو سروکار نہیں۔ ہمارے نزدیک تو اس عظیم کائنات کا ہر نقش نقاشِ حقیقی کا، ہر تصویر مصورِ اصلی کی، ہر صنعت صانعِ کامل کی اور ہر مخلوق خلاقِ عالم کی کھلی رہنمائی کر رہی ہے۔

نگاہِ حقیقت میں کوئی جزو بغیر کل کے کوئی قطرہ بغیر دریا کے اور کوئی شعاع نورِ آفتابِ عالمتاب کے بغیر نمود نہیں کر سکتی اس لیے اس کائنات کا ہر جلوہ اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض کا پرتو ہے۔ اصل موجد وہی ہے اسی کی شانِ ایجاد کی جلوہ گری سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ انسان میں سے ان علوم و فنون کا موجد کون ہے ؟

ان علوم و فنون کے سوتے کہاں سے پھوٹے جنھوں نے ندیوں اور دریاؤں کی شکل اختیار کر لی بلکہ بہت سے علوم تو اتھاہ سمندر بن گئے ہیں کہ جن کی غواصی کے لیے عمرِ نوح ناکافی ہے۔

دنیا کی قدیم متمدن قوموں میں سے ہر قوم نے اپنی اوّلیت اور ایجاد کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہا ہے۔ بابلی و مصری، اشوری، یونانی، چینی و ہندی اقوام سب کی سب علوم طبعی و فنون کی ایجاد کی دعویدار ہیں ظاہر ہے کہ تمام قومیں بیک وقت سارے علوم کی موجد نہیں ہو سکتیں نہ اتنے علوم و فنون کی ایجاد ایک قوم کے بس کی بات ہے ان علوم و کمالات کا سرچشمہ ایسی ذات جامع الصفات ہی ہو سکتی ہے جس کے علم کا سمندر بے کراں اور جس کی شانِ حکمت بے پایاں ہو۔ چوں کہ یہ علوم و فنون ذرا سی آب جو سے بڑھ کر بحرِ بے کراں بن گئے ہیں اس لیے یقیناً ان علوم و فنون کے ایجاد کا سرچشمہ وحیِ آلٰہی اور الہام کی رہبانی ہے۔ خالقِ فطرت نے ان نوامیسِ فطرت اسرارِ قدرت کی جلوہ نمائی کسی پاکیزہ قلب پر فرمائی اور اس مقدس ہستی کا سینۂ فیض گنجینہ ان حقائق و انوار سے جگمگا اٹھا وہ مقدس اور باعظمت ہستی کون ہے۔ عہدِ تحقیق کی روشنی میں علوم حکمت

کے سلسلے میں سب سے پہلے وحی خداوندی نے جس ذات گرامی مشرف فرمایا وہ ادریس پیغمبر ہیں جو ارباب تحقیق کے نزدیک بابل کی جادو بھری نگری میں پیدا ہوئے ہیں انھوں نے وہیں نشو نما پائی۔ اوائل عمری سے انھوں نے حضرت شیث ابن آدم کا علم حاصل کیا جو ان کے دادا کے دادا ہیں زبان عبرانی میں ان کو اخنوخ یا حنوخ اور یونانی زبان میں ان کو ہرمس کہا گیا ہے پھر بعد میں وہ ہرمس الہرامسہ کے لقب سے شہرۂ آفاق ہوئے۔ خدا کی آخری کتاب (قرآن نے) ان کو ادریس کے لقب سے یاد فرمایا کچھ لوگوں نے ان کا استاذ غوساذیمون یا اغساذیمون کو بتایا ہے لیکن یہ کون تھے آیا یہ بھی مصر یا یونان کے نبیوں میں سے کوئی تھے اور ان کا نام اوریس ثانی ہے اور حضرت ادریس اوریس ثالث تھے مگر علامہ عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں صراحت کی ہے کہ اغساذیمون ہی حضرت شیث ہیں۔

راقم الحروف کے نزدیک اس کی حقیقت یہ ہے کہ اعلام (لوگوں کے نام) ایک زبان سے جب دوسری زبان میں منتقل ہوتے ہیں تو ان کو اس زبان کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے خراد پر چڑھانا پڑتا ہے جس کی بنا پر الفاظ کافی تغیر و اچھی خاصی تبدیلی سے دوچار ہو جاتے ہیں اس لیے حضرت شیث کے نام مبارک کو جب لاطینی یونانی زبان میں لے گئے تو وہ غوساذیمون اور آریائی زبان میں اوریس بن گئے۔

بہر حال حضرت ادریس کے سر مبارک پر جب نبوت کا تاج رکھا گیا تو انھوں نے شریعت آدم کی طرف لوگوں کو بلایا کچھ سعادت مند انسانوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا لیکن زیادہ تر لوگ مخالفت اور بغاوت پر اتر آئے اس لیے انھوں نے اپنے ماننے والوں کو بابل سے ہجرت کا حکم دیا۔ انھوں نے اس میں پس و پیش کیا کہ پھر ہم کو ایسا شہر کہاں ملے گا تو آنجناب نے ان لوگوں کو اس سے بہتر شہر ملنے کی خوش خبری دی۔ چنانچہ اپنے ماننے والوں کے ساتھ آپ بابل کو چھوڑ کر مصر آ پہنچے اور یہاں دعوت خداوندی کو عام کرنے لگے اس لیے تاریخ انبیا کی روشنی میں حضرت ادریس ہی پہلے انسان ہیں جنھوں نے علوم حکمیہ طبیعیہ اور علم نجوم کو ایجاد کیا۔ سب سے پہلے علم طب کی بنیاد رکھی حکمت و مدنیت اور سیاست کی تعلیم دی لوگوں کے لیے قواعد و ضوابط مقرر فرمائے۔ شعر شاعری کی داغ بیل ڈالی۔

بتایا جاتا ہے کہ ان کے عہد حکومت میں ۱۸۰ شہر آباد ہوئے۔ آپ نے ہر اقلیم کے لیے

قوانین تجویز فرمائے اور اس وقت کی آباد دنیا کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کا ایک بادشاہ مقرر فرمایا جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ایلاذس ۲۔ اِرس ۳۔ سقلبیوس ۴۔ یسلوخس اموں تھے۔

حضرت ادریس نے ہر قوم و ملت کے لیے انبیا کی آمد اور آخر میں نبی آخر الزماں کی خوش خبری سنائی۔

ایک عرصہ تک لوگ ان کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے رہے یہاں تک کہ ان کو عروج آسمانی ہوا۔ ان چاروں بادشاہوں میں سب سے زیادہ طاقتور و اولو العزم بادشاہ اسقلیبوس ہوا جس نے ان کے رفع آسمانی پر رنج و غم کا اظہار کیا۔ رفع آسمانی کی تصویر ہیکل میں بنوائیں اور ان کی شریعت کو جاری رکھنے میں پوری پوری جد و جہد کی۔

حضرت نوح تک پہنچتے پہنچتے پھر نسل انسانی گمراہیوں کی سمندر میں ڈوب گئی۔

(مقدمۂ افاضۂ قدسیہ ص [illegible] مع زیادت)

بہر حال تحقیق جدید کی روشنی میں بھی بابل کے تمدن انسانی کا اولین گہوارہ ہونا ثابت ہوتا ہے جہاں سے مصر تک روشنی پھیلی اور مدرسہ اسکندریہ اس کا مرکز بنا۔ جب مصر کو بطلیموسی خاندانوں نے اپنے قبضۂ اقتدار میں لے لیا تو مصری تہذیب کی شعاعوں سے یونان کی سرزمین چمک اٹھی۔

یونانیوں نے بابلی مصری شکستہ تہذیبی آثار کی بنیادوں پر اپنے تمدن کے قصر عالیشان کو اٹھایا پھر علوم و فنون کی تدوین و تہذیب کا کام ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ وہی تہذیب انسانی کے بانی کی حیثیت سے پہچانے گئے۔ چوں کہ قدیم بابلی مصری تہذیب کے آثار ناپید ہو گئے اس لیے پچھلے تمدنی آثار پر یونانی قوم نے اپنی چھاپ لگا کر تاریخ عالم پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔ اگر جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے نتیجہ میں بابلیات و مصریات عالم وجود میں نہ آتیں تو تاریخ انسانی کے ابتدائی اوراق گوشۂ گمنامی میں رہ جاتے اس پر ہم مفصل بحث اپنی کتاب ام الالسنہ میں کر چکے ہیں۔

تاریخی ارتقا کے قدرتی عوامل

سرزمین مشرق انسانی تاریخ کے ارتقا کی اولین مبدا اور ابتدائی سرچشمہ کیوں بنی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کے جغرافیائی اور فطری اسباب اور قدرتی تاریخی عوامل کا اس کے اندر زبردست ہاتھ ہے۔ مشرقی ممالک کے موسم عموماً مغربی ممالک کے مقابلے میں معتدل اور خوشگوار ہوتے ہیں۔

سردی اور گرمی بہت سے مقامات پر بڑی حد تک توازن رہتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سال کا بڑا حصہ طوفانی گرد و غبار سے پاک و صاف اور آسمان آئینہ کی طرح شفاف رہتا ہے اس لیے لیل و نہار کا انقلاب، دن رات کے الٹ پھیر اور چاند و سورج کی درخشانی و ضوافشانی کا پہلا مکمل و حسین [illegible] کا موقع انسان کو اس سرزمین پر پہلے پہل ملا ہوگا۔

انسانِ اوّل کا ایک تصوراتی خاکہ

اس موقع پر ہم چاہتے ہیں کہ انسانِ اول کا ایک تصوراتی خاکہ کھینچنے کی کوشش کریں جو اس کو شروع میں پیش آیا ہوگا جب عقل و شعور نے آنکھیں کھولیں اور انسان کے ذہنی افق کا دروازہ کھلا۔ یہ تصوراتی مطالعہ ایسے انسان کو فرض کر کے کیا جا رہا ہے جو وحیِ الٰہی کی روشنی سے محروم ہو کر خالص عقل کی مشعل ہاتھ میں لے کر دریافتِ حقیقت کے راستہ پر گامزن ہوا ہو۔

سب سے پہلے انسانِ اول نے جب شبِ عدم کی اندھیریوں سے نکل کر صبحِ وجود کی روشنی میں ظاہری آنکھوں کو کھولا جب اس نے رات کی ظلمتوں کے سینہ سے پھوٹتی ہوئی روشنی کے رنگین نظارہ کا مشاہدہ کیا اور سب سے پہلے روشنی اور گرمی کے سرچشمہ، حرارت وحدت کے آتشیں کرہ اور تاریک دنیا کو اجالے میں لا کر کھڑی کر دینے والی روشن مشعل، اور آہستہ آہستہ مشرق کی سمت سے ابھرنے والے نورانی طباق (سورج) کو دیکھا ہوگا تو حیرت و دہشت کی بنا پر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا ہوگا۔ نگاہوں میں چکا چوند سے پیدا ہو گئی ہوگی، اس کی عقل و خرد چکر کھا گئی ہوگی اور جوں جوں سورج آسمان پر چڑھتا جا رہا ہوگا اس کی تیز و تند شعاعوں سے ہوش و حواس اڑ رہے ہوں گے پھر یہ آفتاب نصف النہار پر پہنچنے کے بعد ڈھلنے لگا اور اس کا عروج رو بہ زوال ہوا ڈھلتے ڈھلتے وہ ایک پیلی ٹکیہ بن کر رہ گیا۔ اس وقت فکر و خیال میں اعتدال کی صورت پیدا ہوئی ہوگی ابتدائی نیرِ اعظم کا یہ طلوع و غروب انسان کے لیے جہاں حیرت ناک ثابت ہوا ہوگا۔ وہاں اس بزمِ کائنات کو درخشاں کرنے والے کرہ کے افق میں چھپ جانے اور آہستہ آہستہ روشنی کی ضوبار اور زرتار شعاعوں کو سمیٹ کر ڈوب جانے کا منظر عبرت کا باعث بنا ہوگا۔

ظلمتِ شب کا بھیانک منظر

پھر سورج کے ڈوب جانے کے کچھ دیر بعد جب بھیانک رات نے اپنے پروں کو پھیلانا شروع کیا اور اندھیرے کے کالے کمبلوں نے نیلگوں آسمان کو ڈھانپ لیا ہوگا۔ تو اس کے دل و دماغ میں ایک جانگسل گھٹن اور فکر و نظر میں پریشان کن الجھن پیدا ہوئی ہوگی ظلمت کی ان کالی کالی بلاؤں کے ہمہ گیر تسلط سے حیرانی اور پریشانی میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہوگا۔

پوری کائنات میں اپنی تنہائی کا احساس اور اپنی بے کسی و بے بسی کا غمگین شعور پیدا ہوا ہوگا جب چاند نے اپنی نقرئی شعاعوں کا بازو پھیلایا اور چاندنی کی سرد و خنک چادر بچھائی تب حضرت انسان نے یک گونہ اطمینان کی سانس لی ہوگی اور چاند کی اس ٹھنڈی روشنی سے [illegible] کی طرح دل میں بھی ٹھنڈک پیدا ہوئی ہوگی اور اس کے باطن میں امید کی کرن چمک اٹھی ہوگی کہ قدرت [illegible] کو کبھی اندھیرے میں نہیں چھوڑے گی۔

دن کے اجالے میں سورج سے آنکھیں ملانا تو انسان کے لیے دشوار تھا لیکن رات میں چاند کی چاندنی انسانی آنکھوں کو فرحت بخشنے والی اور اس کے اندرونی جذبات میں مد و جزر پیدا کرنے والی ثابت ہوئی ہوگی۔ دن ڈوبتے سورج کے غروب کے منظر نے وحشت و دہشت کی لہریں جو احساس نے پیدا کی تھیں چاند کی روشنی نے ان کو مسرت و خوشی کی موجوں میں بدل دیا ہوگا۔

چاندنی رات

پھر چاند کے چھپنے اور ڈوب جانے کے بعد ستاروں کا نورانی قافلہ دھیرے دھیرے سطحِ آسمان پر نمودار ہونا شروع ہوا اور آسمان کا یہ چمن روشنی کے گل بوٹوں سے سجنے اور

سنورنے لگا تو اس حسین منظر نے حیرت و دہشت کے بجائے فرحت و بہجت سے انسان کے دل کے کنول کو کھلا دیا ہوگا۔

پہلے دن کا چاند (ہلال) انگلی کے ناخن کی طرح یا ٹوٹی ہوئی چوڑی کی طرح مطلع پر چمکا پھر روز بروز بڑھتے بڑھتے خنجر کی صورت اختیار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ چودھویں رات کا چاند پورے طباق کی طرح بدر کامل بن گیا پندرھویں رات سے اسی رفتار سے گھٹنے لگا جس رفتار سے شروع مہینہ میں بڑھا تھا اور رفتہ رفتہ گھٹتے گھٹتے کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح سکڑ کر جب نظروں سے غائب ہوگیا تو چاند کی ان منزلوں کو طے کرنے میں حیرت و مسرت کی ملی جلی کیفیت پیدا کی ہوگی۔

سورج کے ہر روز کامل و مکمل طباق کی صورت میں یکساں طور پر طلوع و غروب اور چاند کے روزانہ کمال و زوال نے انسان کے اندر اس خیال کو پیدا کیا ہوگا کہ روزانہ اوقات کے حساب کے لیے چاند ہی ایسا سیارہ ہے جس سے دنوں، ہفتوں، مہینوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چوں کہ پہلی تاریخ سے ۳۰ تاریخ تک چاند کی گھٹتے بڑھتے ہوئے احوال کا مشاہدہ مسلسل کیا جاتا رہا اس لیے چاند سے ہفتہ و ماہ کا حساب لگانا شروع کیا چنانچہ پرانے زمانے کی بہت سی قوموں نے چاند ہی کو حساب کتاب کا معیار قرار دیا اسلام نے بھی عوام کی سہولت کی خاطر اسی قمری سال کو برقرار رکھا اس طرح ابتدائی تقویم کا آغاز ہوا۔

رات کا پُراسرار نظارہ!

چاند کے شروع یا آخری راتوں میں غائب ہونے کی حالت میں جب آسمان پر گھپ اندھیرا ہو جاتا تھا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اسی پردۂ شب کے سواد پر رنگا رنگ کے روشن اور نورانی نقطے چمک رہے ہیں اور نوع بنوع کے درخشاں اور تاباں نقوش جگمگا رہے ہیں۔ کہیں کتاب آسمانی پر چمکنے والی سطریں نمایاں ہیں۔ اور کہیں ابھرتے ہوئے حروف تاباں پھر یہ نورانی نقطے جو پردۂ شب پر ٹمٹماتے ہوئے نظر آ رہے ہیں سب سے سب یکساں نہیں ہیں کچھ روشن فانوسوں کی صورت ایک ہی جگہ پر قائم و برقرار ہیں اور کچھ متحرک شعلوں کی طرح ایک مقام سے دوسرے مقام تک چلتے پھرتے دکھائی دے رہے ہیں یہ آسمانی ثوابت اور سیارگان کا ابتدائی مطالعہ تھا جس نے انسان اوّل کو غرق حیرت بنا دیا ہوگا اس طرح رات کے اندھیرے میں آسمان کے

سیاہ تختہ پر چمکتے ہوئے نقشوں کے پُراسرار عجائبات نے ابتداً دیکھنے والوں کو حیران و ششدر بنا دیا ہوگا۔

سبعہ سیارہ کا حیرت ناک نظام!

آسمان کے اس تاریک اور سیاہ گنبد کارات کو مطالعہ کرنے والوں اور ٹکٹکی لگا کر ان شب بھری ہوئی شمعوں و ثوابت، اور جھلکتے ہوئے شراروں (سیاروں) کے دیکھنے والوں کو مزید حیرت اس وقت پیدا ہوئی ہوگی جب کہ ستاروں کے اس نورانی قافلے کی حرکت و گردش کا عجیب و غریب ماجرا دیکھا اور دوربین کے بغیر اس ننگی آنکھوں نے ایک عرصہ تک اسکا مشاہدہ کیا کہ کتاب آسمانی کے کچھ نقوش جس طرح ایک ہی جگہ پر ٹھہرے ہوئے نظر آ رہے ہیں تو دوسرے نورانی نقطے حرکت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں انھیں سے کچھ سیاروں کی حرکت کا دائرہ متعین اور ایک ہی لائن پر سرگرم خرام ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو دائیں بائیں آگے پیچھے اور مشرق و مغرب، شمال و جنوب کی طرف آہستہ خرامی یا تیزگامی کے ساتھ رواں دواں ہیں پھر ایسا بھی نہیں کہ ان کی رفتار کی سمت ہمیشہ یکساں رہتی ہو بلکہ ان کی حرکت و گردش میں تغیر و تبدل کا سلسلہ جاری رہتا ہے خصوصیت سے ان سات سیاروں کی گردش تو عقل و خرد کو چکرا دینے والی اور انھیں پانچ سیاروں (زہرہ و مشتری، عطارد و مریخ و زحل) کی انوکھی رفتار تو انسان اوّل کو حیرت میں ڈالنے والی ثابت ہوئی اسی لیے ان پانچ ستاروں کو خمسۂ متحیرہ کا نام دیا گیا۔ سیاروں کے پورے قافلہ میں ان خمسۂ متحیرہ کی چال انوکھی اور ان کی رفتار آسمانی کواکب میں نرالی ہے وہ کبھی مشرق سے مغرب جاتے جاتے رجعت قہقری کر کے یعنی پیچھے پاؤں لوٹ جاتے ہیں اور کبھی شمال سے جنوب اور کبھی جنوب سے شمال کی طرف رخ کرتے ہیں یہ آڑی ٹیڑھی گردش ایسے منظم و مرتب اور محکم اصول کے ساتھ باقاعدگی سے جاری ہے کہ کوئی سیارہ دوسرے سیارہ کے نہ تو مدار میں قدم رکھ سکتا ہے اور نہ ایک دوسرے کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے۔

نظامِ فلکی کی حیرت انگیز درستگی و باقاعدگی!

قدرت کا قائم کردہ یہ فلکی نظام الاوقات دائم و لاتبدیل! اس قدر صحیح و درست ہے کہ

جب سے یہ آسمانی ستاروں کا نظام وجود میں آیا ہے آج تک ہزار ہا سال گزر جانے پر ایک سیکنڈ ایک پل کا فرق نہیں آیا اور ان سیکڑوں لاکھوں سیاروں کی گردش و رفتار اپنے اپنے دائروں میں اس قدر نظم و ترتیب سے جاری ہے کہ ہزاروں برس گزر جانے کے باوجود ان میں باہمی تصادم کہیں ٹکراؤ نہیں ہوا۔ چاند سورج کے باقاعدہ سالانہ و ماہانہ دور گردش کی صحت کی بنیاد پر تقویم (جنتری) تیار ہوتی اور ستاروں کی منظم رفتار سے چاند گرہن سورج گرہن وغیرہ کا ٹھیک ٹھیک حساب و اندازہ لگایا گیا گویا انسانی حساب و کتاب ماہ و سال، وقت و مدت کی صحت و درستگی کے لیے حقیقی و قدرتی معیار ہیں جن کی اپنے اپنے مدار کی گردش میں نہ ذرہ برابر نہ فرق آج تک پیدا ہوا نہ ان کی رفتار کے اندر اپنے دائروں میں رتی بھر تفاوت آیا۔

غرض اس فلکی نظام کی صحت و ہمواری، درستگی و باقاعدگی نے سب سے پہلے انسان کے عقل و شعور کو روشن کیا۔

ممکن ہے کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ انسان نے اپنے قدموں کے نیچے بچھے ہوئے فرش (زمین) کے بجائے اپنے سر کے اوپر تنے ہوئے آسمانی خیمے کو اولین مطالعہ کا مرکز کیوں بنایا۔ کرۂ ارض کا عجائبات قدرت پر اس نے اولاً نظر کیوں نہیں ڈالی؟

اس کا صاف و سادہ اور معقول جواب یہ ہے کہ نظام و زیست کا دار و مدار ہی نظام فلکی پر ہے۔ خصوصیت سے زمین پر آثار حیات کی نمود نظام شمسی کی بنا پر ہے۔ چاند سورج ہی زندگی کے وجود و بقا اور نشو و نما اور ارتقا کے اسباب ظاہری ہیں۔ اگر آفتاب کا آتشیں کرہ ہماری زمین پر ایک خاص انداز سے اپنی شعاعیں نہ ڈالتا جن شعاعوں سے ایک خاص حد تک حدت و حرارت پیدا ہوتی ہے تو نہ آسمان پر بخارات سے بادل اٹھتے اور نہ بادل کے ان غباروں سے بارش ہوتی اور جب بارش نہ ہوتی تو زندگی کی جلوہ گری اس کرۂ ارضی پر کیوں کر نمودار ہوتی۔ زندگی کی نمود ایک خاص درجہ حرارت و رطوبت سے ممکن ہو سکتی ہے۔ اگر سورج کی روشنی خدانا خواستہ مسلسل ہوتی رہتی اور رات اپنے ظلمانی حجاب کو ڈال کر آفتابی شعاعوں کی تمازت و حدت کو ختم نہ کر دیتی اور چاندنی اپنی ٹھنڈی کرنوں سے اعتدال کی صورت نہ پیدا کرتی تو زمین جل کر خاکستر ہو جاتی اور نباتات و حیوانات کا وجود صفحۂ گیتی پر قائم نہ رہتا۔

یہ سارا باغ و بہار، ابلتے ہوئے دریا اور بہتی انہار، لہلہاتے کشت زار جو نہ صرف ہماری نگاہوں کو ٹھنڈک بخش رہے ہیں بلکہ گلشن دنیا کی سرسبزی و شادابی اور بہار آفرینی کا باعث بن رہے ہیں اس کے اندر آسمانی سیاروں مہر و مہتاب کا خاصا دخل ہے سورج نے اگر زمین کی مخلوقات میں زندگی کی شعاعوں کو بکھیرا غلہ کو پکایا پھل اور میووں کو پختہ کیا تو چاند کی چاندنی نے چیزوں میں حسن و خوبصورتی کو پیدا کیا۔ اناج اور غلہ میں رس ڈالا اور پھلوں اور میووں میں چاشنی اور مٹھاس پیدا کی، گرمی اور سردی کا یہ حسین امتزاج ہی ہماری زمین کی حیات کا اصل سرچشمہ ہے یہ آتشیں سورج اگر مظہر جلال ہے تو خنک چاند آئینۂ جمال۔ دن کی گرمی، رات کی خنکی ہماری زمین کے اندر معتدل اور متوازن موسمی کیفیت پیدا کرنے کا باعث ہیں اور یہی ہمارے نظام جسمانی کی بقا اور نشو و نما کا موجب ہیں۔ زندگی کی ساری جلوہ فرمائی اسی اعتدال و توازن میں مضمر ہے۔

خالقِ فطرت کی تربیت فرمائی!

اس بزم گیتی میں انسان کا یہ عہد طفلِ فطرت کے ایسے مشاہدے اور مطالعے کے عالم میں گزر رہا تھا کہ دایۂ فطرت اس کی ہر ہر قدم پر پرورش و نگرانی کرتی اور پاسبان قدرت ہر مرحلہ پر مربی و ہادی بن کر اس کی صحیح رہبری و رہنمائی فرماتا۔

قدرت کے غیبی انعامات کی جھڑی لگی ہوئی تھی جو انسان کو زندگی کی لذتوں اور راحتوں سے سیراب کرتی اور مسلسل احسانات کی وجد انگیز ہوائیں تھیں جو برابر چلتی رہتیں اور اس کو شاداں و فرحاں بنائیں۔

صبح دم جب سورج مشرق سے نکلتا تو اس کی تیز و تند شعاعیں انسان کے اندر عمل کی گرمی پیدا کرتیں اور شام کے وقت چاند جب مطلع عالم پر نمودار ہوتا تو اس کی ٹھنڈی سہانی چاندنی آنکھوں کی ٹھنڈک بخشتی اور راحت و آرام کی دعوت دیتی موسمی ہواؤں کے خوشگوار جھونکے موجِ نفس کو طراوت و تازگی بخشتے اور زمین و آسمان میں قدرتی مناظر اس کی نگاہوں میں لطف و بہجت اور شگفتگی پیدا کرتے۔ قدرت کی نعمتوں کا ایک وسیع دسترخوان تھا جو اس کے آگے بچھا ہوا تھا جس سے بقدر وسعت کام و دہن لطف اندوز ہوتا اور خود رو پھلوں اور مزیدار میووں کا زبردست ذخیرہ تھا جنگل بیابان میں پھیلا

ہوا جو اس کے دستِ عمل کی جنبش کے انتظار میں تھا۔

غرض مشرق کی سرزمین میں فطرت ایک ایسے حسین و جمیل دل کش و دلربا چہرے کے ساتھ انسان کے چشمِ مشاہدہ میں آئی جس نے اس کے دل کو موہ لیا۔ روح کو مسرت و خوشی سے معمور کیا اور انسانی تخیل کے سمندر کو سکون و اطمینان کی خاموش لہروں سے لذت آشنا کیا۔

دین یا مذہب کا نقطہ آغاز!

قدرت کی ان ظاہری و باطنی نعمتوں اور انسان کے ارد گرد پھیلی ہوئی خداوندی رحمتوں نے اس کے دل و دماغ میں غور و فکر کے داعیہ کو پیدا کیا اس کے خوابیدہ وجدان کو بیدار کیا۔

کائنات کے آفاقی کوائف اور خارجی احوال نے اس کی داخلی کیفیات و واردات نے شکر گزاری کے جذبہ کو اُبھارا۔ عالمِ ظاہر کے ان بیرونی تغیرات نے اندرونی جذبات میں سپاس گزاری کا تقاضا پیدا کیا۔ انسان کے دل کے ہر رگ و ریشہ میں جذبۂ عقیدت ابھرا اور اس زبردست طاقت کے آگے اس کو سر جھکانے پر مجبور کیا جو ان مظاہرِ قدرت کے پس پردہ جلوہ فرما تھی اور جس کے نادیدہ اشاروں پر پوری کائنات کٹھ پتلیوں کی طرح حرکت کر رہی تھی۔

اس کی عقل نے شہادت دی کہ کوئی حرکت محرک کے بغیر اور کوئی مشین ڈرائیور کے بغیر اس دنیا میں نہیں چل سکتی۔ پھر اتنا بڑا عظیم کارخانۂ حیات خود بخود کیسے چل سکتا ہے جو زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا ہے۔ اور ان آسمانی سیاروں کی حرکات ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہونے کے باوجود نہیں ٹکرا رہی ہے۔

خود اس ارضِ بسیط (کرۂ زمین) میں مخلوقات کی گوناگونی اور جمادات و نباتات و حیوانات کی بوقلمونی انسانی فکر و نظر کو حیرت میں ڈالتی ہے۔ لیکن ان سب چیزوں کے اندر قانونِ فطرت کی یک رنگی و یکسانی اس کثرت میں سے وحدت کے راز کو آشکار کرتی ہے۔ یہی وہ فطری دلیل ہے جو ملحدوں کے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی ہے اور دیندار مومن کے دل میں ایمان و یقین کا نور بن کر چمکتی ہے۔ اس نادیدہ ہستی کا ادراک و وجدان ہی دین کی اصل بنیاد ہے۔ بنی نوعِ انسان کے فطری مذہب اور اصل دین کا بھی وہ سورج ہے جو مشرق کی سرزمین میں طلوع ہوا اور جس کی شعاعیں بلند ہو کر مغرب تک پہنچیں۔

مذہب کا نفسیاتی مطالعہ!

جس طرح دین مذہب یا دھرم (جو انسانی فطرت کی اندرونی پکار ہے) اس کا مبدا و منبع اور اس کے ظہور کا مطلع مشرق کی سرزمین ہے۔ اسی طرح خود انسان کا قلب دل یا من انسان کی اصل فطرت کا مرکز یا باطنی حقیقت کا مشرق ہے۔

انسان کے اندرونی نظامِ حیات کی باگ ڈور جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے عقل و دانش کے ہاتھ میں ہے۔ ایسا نہیں بلکہ ہماری زندگی کی مشین جن صلاحیتوں کے بل بوتہ پر چل رہی ہے اس کے اندر شعور سے زیادہ لاشعوری طاقتوں کا عمل دخل ہے۔ قدرت نے انسان کے وجدان کو ان غیر معمولی طاقتوں کا سرچشمہ بنایا ہے اور اس سرچشمہ میں خارجی احساسات کے ٹکراؤ سے تموج پیدا ہوتا اور اندرونی جذبہ مختلف اور متضاد احوال و کیفیات کی موجوں سے اُبل پڑتا ہے۔

چوں کہ ہماری کائنات اور خود ہماری ذات اضداد کا گلدستہ اور خداوندی قدرت و حکمت کی عجیب و غریب شانوں کا آئینہ ہے اس لیے اس عالمِ امکان میں متضاد و مختلف قسم کی اشیاء ہیں جن کی جھلکیوں سے یہ ظلمت کدہ روشن و درخشاں ہیں۔ ان کے اندر ایسی چیزیں بھی ہیں جو حیاتِ انسانی کے لیے مفید بھی ہیں اور مضر بھی۔ جو چیزیں انسان کے لیے فائدہ بخش اور اس کے طبعی تقاضوں کے موافق ہیں وہ نعمت کہلاتی ہیں اور جو چیزیں اس کی طبیعت کے خلاف اور انسانی مزاج کے ناموافق و ناگوار ہیں وہ بلا و مصیبت اور نقمت ہیں۔

ہماری اس دنیا میں ہر وقت دونوں قسم کی ہوائیں موافق و ناموافق خوشگوار و ناگوار برابر چلتی رہتی ہیں اور انسان کی داخلی زندگی ان خارجی احوال سے دونوں طرح اثر پذیر ہوتی ہے۔ انسان کے حواسِ خمسہ ان بیرونی اثرات کو قبول کر کے موافق اور ناموافق جذبات غم و الم اور کیف و طرب کی تشکیل کرتے ہیں۔ جو جذبات انسان کے باطن میں پیدا ہوتے ہیں وہ بھی دو ہی قسم کے ہیں۔ ایجابی و سلبی یا مثبت و منفی۔

ظاہر ہے کہ مثبت جذبہ اپنے وجود میں منفی جذبے سے ذاتاً مقدم ہے۔

چوں کہ جو بھی مخلوق لباسِ ہستی سے آراستہ ہو کر جلوہ افروز ہوتی ہے تخلیق کی بادِ نسیم

کا جھونکا اس کو خوابِ عدم سے اٹھا کر عرصۂ وجود میں لا کر کھڑا کر دیتا ہے اس لیے جس جذبہ سے سب سے پہلے واسطہ پڑتا ہے وہ مثبت جذبہ ہے۔ وہ مثبت جذبہ نعمت کا شعور و احساس ہے یہی نعمت کے شعور و احساس کا جذبہ مذہب کی اصل بنیاد ہے جس کا سلسلہ انسان کے وجدان سے جڑا ہوا ہے اس لیے دین و مذہب عقلی سے زیادہ وجدانی حقیقت ہے کیوں کہ انسانی نفسیات کا تانا بانا اسی وجدان سے بنا ہوا ہے اور کیوں کہ ہر جذبہ اپنے اندر فطری طور پر عمل اور ردِ عمل (Action re action) کے دائروں سے گزرتا ہے۔ اس لیے یہ نعمت کا شعور و احساس شکر گزاری کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس فطری جذبہ کا ردِ عمل (Re action) یہ ہے کہ فکر و نظر سے ماورا اور وراء سمع و بصر سے بلند و بالا ذات کے آگے ہر انسان اپنا سرِ نیاز جھکائے جس کی تربیت فرمائی نہ کسی غرض سے وابستہ ہے اور نہ اس کی شانِ انعام و احسان انسان کے کسی ذاتی استحقاق پر مبنی ہے بس فضل و رحمت و مہربانی ہی مہربانی ہے۔ حقیقتاً شکر کے جذبہ سے ہی بندہ کے اندر بندگی عبادت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے قدرتی ردِ عمل سے دین کی داغ بیل پڑتی ہے۔

شانِ ربوبیت کی جلوہ فرمائی!

ہر دانشور بزمِ کائنات کی جب تخلیقی شان پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو ہر مخلوق کے اندر خداوندی تربیت کے مظاہر ظاہر ظہور دکھائی دیتے ہیں چاند، سورج، ستارے اور سیارے ایک دم نہ ابھرتے ہیں نہ دفعتاً چمکتے ہیں ان کی چمک دمک آہستہ آہستہ پردۂ افلاک پر نمودار ہوتی پھر وہ سیارے اپنے افق پر پہنچ کر مائل بہ غروب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح زمینی مخلوقات میں ہر نخل و شجر گلستان و بیابان میں ایک دم سر نکال کر کھڑے نہیں ہو جاتے بلکہ ان کی جڑ میں سے کونپل پھوٹتی پھر تنہ کی شکل میں اختیار کرتی اور آخر میں وہ نخل یا پودا تناور درخت یا ثمر دار پیڑ بن جاتا ہے اس لیے انسان دیگر صفاتِ عالیہ سے انکار کر سکتا ہے لیکن صفتِ ربوبیت سے انکاری نہیں بن سکتا۔ شانِ ربوبیت کا کھلا مشاہدہ دن رات ہو رہا ہے۔

اب سوال پیدا ہوگا کہ پھر خدا ناشناسی یا الحاد و دہریت نے کہاں سے راہ پائی۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قدرت نے فطرتِ انسان کی سرزمین میں دونوں قسم کے (اعلیٰ اور ادنیٰ) جذبات کے بیج پوشیدہ رکھے ہیں۔ جذباتِ عالیہ، غور و فکر، تدبر و تامل کے جو تخم اس کے اندر ودیعت فرما گئے ہیں وہ حفظ و نگہداشت، غور و پرداخت، دیکھ ریکھ کے محتاج ہیں۔ ان کے نشو و نما کے لیے ریاضت و محنت کی آبیاری کی ضرورت ہے تب شجرِ معرفت انسان کے باطن میں سے سر نکالتا اور نشو و ارتقا حاصل کرتا ہے بخلاف سفلی جذبات، شہوانی احساسات اور نفسانی خواہشات خود رو پودوں کی طرح ہیں جو از خود بالیدگی حاصل کر لیتے ہیں اور ان کی ترقی کسی خاص محنت و ریاضت پر موقوف نہیں رہتی جیسے زمین میں اناج اور غلہ پھل پھلاری کے لیے تخم ریزی اور آبیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن کانس، گھاس پھوس خود بخود اُگ آتے ہیں اس لیے خداوندی عرفان (گیان دھیان) کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی خواہشات و شہوات پر قابو حاصل کر سکے۔ نفسانی و شہوانی جذبات کا اسیر و قیدی نہ بن جائے جب تک انسان ان شہوانی و سفلی جذبات کی سطح سے بلند نہ ہو جائے گا اس پر معرفت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔

ہر شیطانی تہذیب انہی سفلی جذبات کو فروغ دیتی اور خواہشاتِ نفسانی کے دلدل میں انسان کو پھنسا کر مادی لذات کا شیفتہ و فریفتہ بناتی ہے اور انسان کو معرفت کی قدرِ اعلیٰ سے محروم کر دیتی ہے پھر وہ محسنِ حقیقی کی شکر گزاری کے اعلیٰ جذبہ سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب بھی انسان دنیا کے ان جھمیلوں سے فارغ ہو کر اور سفلی جذبات کی زنجیروں کو توڑ کر عالمِ کائنات اور خود اپنی ذات اور خود پر قدرت کے انعامات و احسانات کا مشاہدہ کرے گا تو شکر گزاری کا جذبہ دل میں لہریں لینے لگے گا اور اس کے سر بلند کو معبودِ برحق کے آگے جھکنے پر مجبور کرے گا۔

اس بنا پر مشرق کی سرزمین میں مذہب کی بنیادیں نہایت گہری رہی ہیں کیوں کہ مشرقی ممالک میں فطرت اپنا حسین و خوشنما چہرہ ہر روز دکھاتی۔ معتدل رفتار کے ساتھ فیاضانہ داد و دہش کے خزانے لٹاتی ہوئی ہر صبح و شام نمودار ہوتی ہے۔

ہر صبح افق کے جھروکے سے اپنے نورانی چہرے کی جھلکیاں دکھاتی اور ہر شام شفق کی رنگینیوں میں ڈوب کر حسین نظاروں سے لطف اندوز کراتی اور ہر رات چاند کی چاندنی کو چھٹکاتی اور ستاروں کے گل بوٹے سے فلک کے چمنستان کو سجاتی ہے۔

کا جھونکا اس کو خوابِ عدم سے اٹھا کر عرصۂ وجود میں لا کر کھڑا کر دیتا ہے اس لیے جس جذبہ سے سب سے پہلے واسطہ پڑتا ہے وہ مثبت جذبہ ہے۔ وہ مثبت جذبہ نعمت کا شعور و احساس ہے یہی نعمت کے شعور و احساس کا جذبہ مذہب کی اصل بنیاد ہے جس کا سلسلہ انسان کے وجدان سے جڑا ہوا ہے اس لیے دین و مذہب عقلی سے زیادہ وجدانی حقیقت ہے کیوں کہ انسانی نفسیات کا تانا بانا اسی وجدان سے بنا ہوا ہے اور کیوں کہ ہر جذبہ اپنے اندر فطری طور پر عمل اور ردِ عمل (Action re action) کے دائروں سے گزرتا ہے۔

اس لیے یہ نعمت کا شعور و احساس شکر گزاری کا داعیہ پیدا کرتا ہے اس لیے اس فطری جذبہ کا ردِ عمل (Re action) یہ ہے کہ فکر و نظر سے ماورا اور دائرۂ سمع و بصر سے بلند و بالا ذات کے آگے ہر انسان اپنا سرِ نیاز جھکائے جس کی تربیت فرمائی کسی غرض سے وابستہ ہے اور نہ اس کی شان انعام و احسان انسان کے کسی ذاتی استحقاق پر مبنی بلکہ فضل و رحمت و مہربانی ہی مہربانی ہے۔ حقیقتاً شکر کے جذبہ سے ہی بندہ کے اندر خدا کی عبادت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے قدرتی ردِ عمل سے دین کی داغ بیل پڑتی ہے۔

شانِ ربوبیت کی جلوہ فرمائی!

ہر دانشور بزمِ کائنات کی جب تخلیقی شان پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو ہر مخلوق کے اندر خداوندی تربیت کے مظاہر تا ظہور دکھائی دیتے ہیں چاند، سورج، ستارے اور سیارے ایک دم نہ ابھرتے ہیں نہ دفعتاً چمکتے ہیں ان کی چمک دمک آہستہ آہستہ پردۂ افلاک پر نمودار ہوتی پھر وہ سیارے اپنے افق پر پہنچ کر مائل بہ غروب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح زمینی مخلوقات میں ہر نخل و شجر گلستان و بیابان میں ایک دم سر نکال کر کھڑے نہیں ہو جاتے بلکہ ان کی جڑ میں سے کونپل پھوٹتی پھر تنہ کی شکل میں اختیار کرتی اور آخر میں وہ نخل یا پودا تناور درخت یا ثمر دار پیڑ بن جاتا ہے اس لیے انسان دیگر صفاتِ عالیہ سے انکار کر سکتا ہے لیکن صفتِ ربوبیت سے انکاری نہیں بن سکتا۔ شانِ ربوبیت کا کھلا مشاہدہ دن رات ہو رہا ہے۔

اب سوال پیدا ہوگا کہ پھر خدا ناشناسی یا الحاد و دہریت نے کہاں سے راہ پائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قدرت نے فطرتِ انسان کی سرزمین میں دونوں قسم کے (اعلیٰ اور ادنیٰ) جذبات کے بیج پوشیدہ رکھے ہیں۔ جذباتِ عالیہ، غور و فکر، حمد و تامل کے جو تخم اس کے اندر ودیعت فرمائے گئے ہیں وہ حفظ و نگہداشت، غور و پرداخت، دیکھ ریکھ کے محتاج ہیں۔ ان کے نشو و نما کے لیے ریاضت و محنت کی آبیاری کی ضرورت ہے تب شجرِ معرفت انسان کے باطن میں سے سر نکالتا اور نشو و ارتقا حاصل کرتا ہے بخلاف سفلی جذبات، شہوانی احساسات اور نفسانی خواہشات خودرو پودوں کی طرح ہیں جو از خود بالیدگی حاصل کر لیتے ہیں اور ان کی ترقی کسی خاص محنت و ریاضت پر موقوف نہیں رہتی جیسے زمین میں اناج اور غلہ پھل پھلاری کے لیے تخم ریزی اور آبیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن کانس، گھاس پھوس خود بخود اُگ آتے ہیں اس لیے خداوندی عرفان (گیان دھیان) کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی خواہشات و شہوات پر قابو حاصل کر سکے۔ نفسانی و شہوانی جذبات کا اسیر و قیدی نہ بن جائے جب تک انسان ان شہوانی و سفلی جذبات کی سطح سے بلند نہ ہو جائے گا اس پر معرفت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔

ہر شیطانی تہذیب انہی سفلی جذبات کو فروغ دیتی اور خواہشاتِ نفسانی کے دلدل میں انسان کو پھنسا کر مادی لذات کا شیفتہ و فریفتہ بناتی ہے اور انسان کو معرفت کی قدرِ اعلیٰ سے محروم کر دیتی ہے پھر وہ محسنِ حقیقی کی شکر گزاری کے اعلیٰ جذبہ سے خالی ہو جاتا ہے۔

اس لیے جب کبھی انسان دنیا کے ان جھمیلوں سے فارغ ہو کر اور سفلی جذبات کی زنجیروں کو توڑ کر عالم کائنات اور خود اپنی ذات اور خود پر قدرت کے انعامات و احسانات کا مشاہدہ کرے گا تو شکر گزاری کا جذبہ دل میں لہریں لینے لگے گا اور اس کے سر بلند کو معبودِ برحق کے آگے جھکنے پر مجبور کرے گا۔

اس بنا پر مشرق کی سرزمین میں مذہب کی بنیادیں نہایت گہری رہی ہیں کیوں کہ مشرقی ممالک میں فطرت اپنا حسین و خوشنما چہرہ ہر روز دکھاتی۔ معتدل رفتار کے ساتھ فیاضانہ داد و دہش کے خزانے لٹاتی ہوئی ہر صبح و شام نمودار ہوتی ہے۔

ہر صبح افق کے جھروکے سے اپنے نورانی چہرے کی جھلکیاں دکھاتی اور ہر شام شفق کی رنگینیوں میں ڈوب کر حسین نظاروں سے لطف اندوز کراتی اور ہر رات چاند کی چاندنی کو جگمگاتی اور ستاروں کے گل بوٹے سے فلک کے چمنستان کو سجاتی ہے۔

ملحدین کی کج فہمی!

فطرت کے خوفناک مظاہر اور پُر ہول مناظر کا تماشا جس قدر مغربی ممالک میں نظر آتا ہے ایشیا کی سرزمین میں اس کا ظہور بہت کم ہوتا ہے۔ طوفان بھونچال مسلسل تاریکی برف باری طغیانی، آندھی، طوفانی جھکڑ جس قدر مغرب میں یہ حوادث برپا ہوتے ہیں ان کا وجود مشرق میں کم ہے جو خوف کی جذبہ کو ابھار کر ان دیکھی انجانی طاقتوں کی پرستش کی ترغیب دے۔

خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں شرک کا تصور اسی جذبۂ خوف کا نتیجہ ہے۔ خود مذہب جذبہ خوف کی پیداوار ہرگز نہیں ہے جس کا الحاد و دہریت کے مدعیوں نے دعویٰ کیا ہے۔ کیوں کہ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ انسانی زندگی جن جذبوں کی تحریک سے متحرک ہوتی اور راستہ کی مشکلات کو طے کرتی ہوئی منزل مقصود کی طرف آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے وہ دو ہی قسم کے مثبت و منفی، ایجابی و سلبی جذبات ہیں۔ وجود حیات کے لیے ایجابی یا مثبت جذبہ مقدم ہے جس کے ردعمل میں سلبی یا منفی جذبہ رونما ہوتا ہے۔

مذہب کی نفسیات!

نفسیاتِ انسانی کا مطالعہ ہم کو اس حقیقت کی طرف کھلے طور پر رہنمائی کرتا ہے کہ نعمت کے شعور و احساس کا جذبہ انسان کے باطن میں اولاً بیدار ہوتا ہے جو ایک ایجابی اور مثبت جذبہ ہے۔ یہی جذبۂ اولیہ انسان کو منعم حقیقی کے آگے سر جھکانے پر مجبور کرتا ہے۔ رہا خوف کا جذبہ جو سلبی اور منفی ہے وہ جذبۂ نعمت کے شعور و احساس کے بعد بروئے کار آتا ہے کیوں کہ خوف نام ہی ہے کسی مطلوب چیز کے چھن جانے کے خطرہ کا جو انسان کو حاصل ہو اور اس کو عزیز بھی ہو۔

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نفسیاتی طور پر خوف کے جذبہ سے پیشتر شعور نعمت کا جذبہ پایا جاتا ہے تبھی تو اس کے چھن جانے کا اندیشہ پیدا ہوگا۔ اس لیے مذہب نے ان معنوں میں نفسیات انسانی کا احترام کیا اور اس کو شعورِ نعمت کے

اولین جذبہ کو موخر اور نعمت کے خوف کے جذبہ کو مقدم گردانا

ثبوت رسالت: یعنی شکر گزاری فطری جذبہ ہے وہ ہے جو انسان ہی نہیں حیوان تک کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ کتا اپنے آقا کے چند روٹی کے ٹکڑوں کے بدلے میں وفاداری کا دم بھرتا اور گھوڑا اپنے مالک کی خدمت گزاری کے بدلے میں مصیبت کے وقت اپنی جان جوکھم میں ڈالتا ہے۔ اگر گائے بھینس جیسے غریب و مسکین جانور دانہ چارہ کھلانے کی بنا پر انسان کے لیے دودھ کی دھاریں بہاتے ہیں تو اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے جیسے سرکش و طاقتور جانور بھی اسی احسان کی وجہ سے انسان کی ضروریات کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں۔ یہ سب اسی جذبہ شکر کے مظاہر ہیں اور انسان تو اپنے محسن کا بندۂ بے دام ہی ہے۔ الانسان عبید الاحسان یہی شکر گزاری کا جذبہ انسان کے اندر نادیدہ خدا کے آگے سربسجود ہونے کا ذوق و شوق، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ولولہ اور اس کی رضامندی کے راستہ پر چلنے کی تڑپ اور اطاعت کی امنگ سینہ میں پیدا کرتا ہے۔

انسان کا سرِ نیاز کسی آستانہ پر جھکنے کے لیے قدرتاً بے قرار ہے اور اس کی پیشانی کسی کے آگے خم ہونے کے لیے بیتاب ہے اس کی طبیعت مجبوری کے عالم میں کسی سہارے کی محتاج ہے اور اس کا دستِ دعا ناامیدی اور ناکامی کی صورت میں آسمان کی طرف اٹھنے کے لیے مضطرب ہے۔ جب اس کی زندگی کا جہاز طوفانوں میں گھر جاتا ہے تو بے اختیارانہ اسی خدائے وحدہٗ لاشریک کے آگے اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ لیکن وہ اپنے محسنِ حقیقی کو راضی کرے تو کیوں کر اس مربی عالم کی خوشی و رضامندی حاصل کرے تو کس طرح۔ اس لیے کہ وہ خدا نہ تو اس دنیا میں ان آنکھوں سے دکھائی دے سکتا ہے کیوں کہ وہ لطیف و خبیر ہے اور نہ اس سے اس عالم شہادت میں براہ راست کلام کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان کا کلام بے کیف و بے کم و جہت ہے۔

ملحدین کی کج فہمی!

فطرت کے خوفناک مظاہر اور ہولناک مناظر کا تماشا جس قدر مغربی ممالک میں نظر آتا ہے ایشیا کی سرزمین میں اس کا ظہور بہت کم ہوتا ہے۔ طوفان، بھونچال، مسلسل تاریکی، برف باری، طغیانی، آندھی، طوفانی جھکڑ جس قدر مغرب میں یہ حوادث برپا ہوتے ہیں ان کا وجود مشرق میں کم ہے جو خوف کی جذبہ کو ابھار کر ان دیکھی اندھی طاقتوں کی پرستش کی دعوت دے۔

خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں شرک کا تصور اسی جذبۂ خوف کا نتیجہ ہے۔ خود مذہب جذبۂ خوف کی پیداوار ہرگز نہیں ہے جس کا الحاد و دہریت کے مدعیوں نے دعویٰ کیا ہے۔ کیوں کہ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ انسانی زندگی جن جذبات کی تحریک سے متحرک ہوتی اور راستہ کی مشکلات کو طے کرتی ہوئی منزلِ مقصود کی طرف آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے وہ دو ہی قسم کے مثبت و منفی، ایجابی و سلبی جذبات ہیں۔ وجود حیات کے لیے ایجابی یا مثبت جذبہ مقدم ہے جس کے ردعمل میں سلبی یا منفی جذبہ رونما ہوتا ہے۔

مذہب کی نفسیات!

نفسیاتِ انسانی کا مطالعہ ہم کو اس حقیقت کی طرف کھلے طور پر رہنمائی کرتا ہے کہ نعمت کے شعور و احساس کا جذبہ انسان کے باطن میں اولاً بیدار ہوتا ہے جو ایک ایجابی اور مثبت جذبہ ہے۔ یہی جذبۂ اولیہ انسان کو منعمِ حقیقی کے آگے سر جھکانے پر مجبور کرتا ہے۔ رہا خوف کا جذبہ جو سلبی و منفی ہے وہ جذبۂ نعمت کے شعور و احساس کے بعد بروئے کار آتا ہے کیوں کہ خوف نام ہی ہے کسی مطلوب چیز کے چھن جانے کے خطرہ کا جو انسان کو حاصل ہو اور اس کو عزیز بھی ہو۔

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اتفاقی طور پر خوف کے جذبہ سے پیشتر شعورِ نعمت کا جذبہ پایا جاتا ہے تبھی تو اس کے چھن جانے کا اندیشہ پیدا ہوگا۔ اس لیے مذہب کے ان مصنفوں نے نفسیاتِ انسانی کا انتہائی [illegible] کیا کہ شعورِ نعمت کے اولین جذبہ کو موخر اور نعمت کے خوف کے جذبہ کو مقدم گردانا

ثبوتِ رسالت: یہی شکر گزاری کا فطری جذبہ وہ ہے جو انسان ہی نہیں حیوان تک کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ کتا اپنے آقا کے چند روٹی کے ٹکڑوں کے صلہ میں وفاداری کا دم بھرتا اور گھوڑا اپنے مالک کی خدمت گزاری کے بدلے میں مصیبت کے وقت اپنی جان جوکھم میں ڈالتا ہے۔ اگر گائے بھینس جیسے غریب و مسکین جانور دانہ چارہ کھلانے کی بنا پر انسان کے لیے دودھ کی دھاریں بہاتے ہیں تو اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے جیسے سرکش و طاقتور جانور بھی اسی احسان کی وجہ سے انسان کی ضروریات کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں۔ یہ سب اسی جذبۂ شکر کے مظاہر ہیں اور انسان تو اپنے محسن کا بندۂ بے دام ہے۔ الانسان عبید الاحسان یہی شکر گزاری کا جذبہ انسان کے اندر نادیدہ خدا کے آگے سربسجود ہونے کا ذوق و شوق، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ولولہ اور اس کی رضامندی کے راستہ پر چلنے کی تڑپ اور ایک لگن سینہ میں پیدا کرتا ہے۔

انسان کا سرِ نیاز کسی آستانہ پر جھکنے کے لیے قدرتاً بے قرار ہے اور اس کی پیشانی کسی کے آگے خم ہونے کے لیے بیتاب ہے۔ اس کی طبیعت مجبوری کے عالم میں کسی سہارے کی محتاج ہے اور اس کا دستِ دعا حیرت و ناکامی کی صورت میں آسمان کی طرف اٹھنے کے لیے مضطرب ہے۔ جب اس کی زندگی کا جہاز طوفانوں میں گھر جاتا ہے تو بے اختیارانہ اسی خدائے وحدہٗ لاشریک کے آگے اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ لیکن وہ اپنے محسنِ حقیقی کو راضی کرے تو کیوں کر، اس مربیٔ عالم کی خوشی و رضامندی حاصل کرے تو کس طرح۔ اس لیے کہ وہ خدا نہ تو اس دنیا میں ان آنکھوں سے دکھائی دے سکتا ہے کیوں کہ وہ لطیف و خبیر ہے اور نہ اس سے اس عالمِ شہادت میں براہِ راست کلام کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان کا کلام بے حرف و بے [illegible] و جہت ہے۔

مشرق و مغرب کا فرق

مشرقی الٰہیات میں فکر کی گہرائیوں میں جن ہوش ربا خیالات، واردات اور تجربات کو جنم دیا ہے مغربی فلسفہ میں اس کی پرچھائیاں بھی نظر نہیں آتیں۔

د اس کی رضامندی و ناپسندیدگی تنہا عقلِ انسانی سے دریافت کی جا سکتی ہے اس سبب سے وہ اس کے دائرۂ فکر سے باہر ہے۔

اور جب کہ خود انسان اپنے جگری دوستوں، عمر بھر کے ساتھیوں کے مزاج و طبیعت سے برسوں ساتھ رہنے کے بھی نا آشنا رہتا ہے۔

رہا خود اس احکم الحاکمین کا اپنی خوشنودی و ناراضگی کی خبر دینے کے لیے اس دنیا میں اتر کر آنا اس کی شان عالی سے نہایت بعید ہے کیوں کہ وہ بے چون و بے چگوں ہے۔

جذبۂ طلب فطری، ذوق و شوق قدرتی اور حصول رضا کا ولولہ فطرت انسانی میں پنہاں ہے۔

فطرت انسان کے دل میں ابھرنے والے ہر سوال کا جواب مرحمت کرتی ہے اور ہر ظاہری و باطنی ضرورت انسانی کا انتظام فرماتی ہے جہاں بھوک ہے وہاں غذا جہاں مرض ہے وہاں دوا اور جہاں پیاس ہے وہیں آبِ مصفا بھی ہے۔ اس لیے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اتنے عظیم مسئلہ کو قدرت نے حل فرمایا ہو تاریخ انسانی ہر عہد میں ایسے برگزیدہ منتخب روزگار، معظم پیغمبروں کے وجود باجود و ان کے ورود مسعود کی خبر دیتی اور ان کی صداقت پر مہر تصدیق لگاتی ہے۔ ان نفوس قدسیہ نے ہر زمانہ میں اپنی قوموں کے سامنے خدا کا رسول و نبی اور ایلچی ہونے کو بتایا اور حاکم مطلق اور محبوب حقیقی کی رضامندی و خفگی کے احکام کو واضح کیا کہ وہ خدائے رحمٰن و رحیم جو انسان کا خالق بھی ہے رازق بھی حی بھی ہے اور قیوم بھی اس نے اپنے بندوں کے روحانی و جسمانی ارتقا کے لیے کچھ کرنے کے احکام اور کچھ نہ کرنے کے امور کو ظاہر فرمایا۔ ان اوامر و نواہی کے لحاظ رکھنے میں خود انسان کی فلاح و بہبودی اور خود اس کی بھلائی ہے۔ خدا انسانی فطرت کی مشین کا خود موجد ہے۔ اسی لیے اس کے نفع و ضرر سے بخوبی واقف ہے نفع بخش چیزوں کا حکم دیا ہے اور ضرر رساں چیزوں سے روکا ہے۔ خدا کی رضا و عدم رضا انہی امور سے وابستہ ہے اس لیے نجات کا راستہ اور منزل مقصود، آخرت تک رسائی نبوت کی تعلیمات کے بغیر ممکن نہیں۔

مشرق کے جن خدا کے مقرب بندوں، پیغمبروں، نبیوں، ولیوں، مہاتماؤں نے جن نورانی حقائق و معارف، مکاشفات اور جن دقیق و عمیق قلبی واردات، نازک و باریک تصورات کو الفاظ کا پیرایہ عطا کیا ہے۔ ان کی ماہیت تک رسائی مغرب کے مفکرین کے لیے بسا اوقات دشوار ہو گئی ہے۔

انھوں نے خالق و مخلوق، عبد و معبود، خدا اور بندے کے درمیان جن نازک و غیر مدرک رشتہ و نسبت کا اثبات کیا ہے اس کے ادراک و معرفت سے اہل مغرب کی فکر و نظر قاصر ہو جاتی اور اصل حقیقت تک پہنچنے سے تھک کر بیٹھ جاتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اہل مغرب نے اپنے فلسفہ حیات و کائنات میں فکر و نظر کی جس آزاد روی و آوارگی کا اظہار کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی (دسواں حصہ) مشرقی افکار میں نہیں پایا جاتا۔

مشرقی الٰہیات کی نزاکت و موشگافی ذہن بشری کو عاجز و درماندہ بنا دیتی ہے اور بعض اوقات عام فکر و نظر کی کوتاہی اصل حقیقت کے انکار پر آمادہ کرتی ہے۔ چوں کہ ان افکار کا دائرہ ماورائے محسوسات ہوتا ہے۔ وہاں عالم محسوسات سے آگے بڑھ کر عالم معقولات و مغیبات (عقلی و غیبی حقائق) اپنے مشاہدے اور مراقبے کا موضوع بنایا گیا ہے مغربی فلسفے کے برعکس وہاں حواس باطنہ سے زیادہ حواس خمسہ سے کام لیا گیا ہے۔

جو مادی عالم اور خارجی دنیا ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی ہے اس کو مغربی فلسفے نے اپنے تجربات و مشاہدات کا مطمح نظر قرار دیا ہے۔ مغربی فکر نے بیرونی دنیا اور ہمارے پاؤں کے نیچے پھیلی ہوئی کائنات کو کھود کرید کو اپنا مقصود بنایا ہے۔ اس لیے مغرب میں عقل پروری اور فکر انگیزی سے زیادہ مادہ پرستی کو عروج حاصل ہوا۔ شجر فلسفہ کے بجائے سائنس جدید نے مغرب کی زمین میں جڑ پکڑی اور نشو و نما حاصل کیا اس لیے مشرق کے اندر زندگی کے ہر گوشہ میں مذہب کی چھاپ لگی ہوئی ملے گی۔ کوئی دعوت مذہب کا سہارا لیے بغیر یہاں کی سرزمین میں قدم نہیں جما سکتی۔

یہاں کوئی تحریک دین و مذہب کی حمایت کے بغیر پنپ نہیں سکتی اور ترقی کا کوئی قدم مذہب کی اجازت کے بغیر اٹھایا نہیں جا سکتا۔ مشرق میں انسانوں کو آپس میں جوڑنے والا اگر کوئی رشتہ ہے تو وہ مذہب ہے اور انسانی معاشرہ یعنی ہمارے سماج کو حرکت میں لانے والا اگر کوئی بیرونی طاقت ہے تو وہ دین ہے۔

وطنیت کا نیا شاخسانہ: اس مقام پر پہنچ کر مغرب کی ایک تازہ تحریک سے آنکھ بند کیے ہوئے گزرنا مشکل ہے جس نے مشرق و مغرب کے اندر جنگل کی آگ کی طرح یکساں طور پر پھیل کر ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اور اپنے موافق و مخالف اثرات سے ایک عالم کو شور و شر، فتنوں کا آماجگاہ بنا دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مشرق کے باشندوں کا اپنے سکونتی خطوں سے جو تعلق رہا وہ جذباتی و فطری سا جو ہر انسان کو اپنے وطن یا جنم بھومی سے ہوا کرتا ہے لیکن حب الوطنی کے اس فطری جذبہ کو آگے بڑھا کر انسانی زندگی کے لیے اس کو ایک مستقل محرک قرار دے دیا جائے اور قومیت و وطنیت کو ایک مذہب یا دعوت کی حیثیت دے دی جائے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا لیکن مغربی مفکرین نے جب بر خود غلط کلیسائی نظام کے رد عمل میں آزادیٔ خیال کا غلغلہ بلند کیا اور مذہب عیسائی رشتہ سے جب اپنا تعلق منقطع کرنا چاہا تو دل کے اٹکاؤ کے لیے کسی خارجی سہارے کی ضرورت پڑی۔ جو فکری یا روحانی خلا خدا کے باطنی عقیدت سے ہٹ جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اس کو پُر کرنے کے لیے ایک تازہ معبود یا نئے دیوتا کا مسئلہ سامنے آیا اس وقت ملک و وطن ایک مستقل معبود بن کر سامنے آ گئے۔

یونان قدیم کی پرانی جمہوریتوں ایتھنز، اسپارٹا میں ابتداً اس خیال کی تخم ریزی ہوئی پھر جب یورپ نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے دور سے گزرا اور اس نے عیسائی مذہب سے اپنا دامن چھڑانا چاہا تو آسمانی خدا کی جگہ اس زمینی معبود (قوم و وطن) نے قدم پکڑ لیے اور وہ دھیرے دھیرے وہاں کے لوگوں کے دلوں کے اندر جگہ پکڑ گیا۔ پھر مغربی اقوام نے آگے چل کر باہمی جنگوں کے ذریعہ اس تازہ معبود کے آگے انسانوں کا خون بھینٹ چڑھایا اور اس خیال بعد میں مشرق تک پھیلیں۔

لیکن کیا زمین کے رہنے والوں کا آسمان سے کبھی تعلق ٹوٹ سکتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بقول شاعر ؎

بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیداست

انسان زمین کے جس خطہ پر بھی پہنچے گا تو وہ وہ ایشیا کا ہو یا یورپ کا، افریقہ کا ہو یا امریکہ کا آسمان اس کے استقبال کے لیے سامنے ہوگا۔ اس لیے اس زمینی مخلوق اپنی آنکھوں

کی نظر ہمیشہ آسمان کی طرف رہی ہے اور ہمیشہ آسمان کی طرف رہے گی۔

یونانی قوم فلسفہ و حکمت کے بانی کی حیثیت سے یونان نے تاریخ عالم میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی ہے۔ حالانکہ وہ حکمت و فلسفہ کے خود موجد نہیں ہیں بلکہ علوم منقولہ کو خوش اسلوبی سے ترتیب و تہذیب دینے والے ہیں۔ علم و حکمت، نجوم و فلسفہ سرزمین بابل سے ابھر اور مصر میں اس نے نشو و نما پایا پھر جب اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوا تو بطلیموس خاندان مصر پر برسرِ اقتدار آ جانے کی وجہ سے مکتبہ اسکندریہ کے جملہ علوم و فنون یونان منتقل ہو گئے اس میں کوئی شک نہیں کہ یونانی قوم کے ارباب شوق نے ان علوم و فنون کو ہاتھوں ہاتھ لیا چونکہ وہ لوگ علوم حکمت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا تعلق رکھتے اور ان کے علماء و حکماء علمی مدارج کے لحاظ سے اصل وارث مانے جاتے تھے۔ اس لیے ان عالموں کو فیلسوف کہا جانے لگا کیونکہ فیلسوف شیدائے حکمت کو کہتے ہیں۔ ان کے اندر پانچ بڑے مانے گئے ہیں۔ جن کو ارکان خمسہ کہا جاتا ہے۔

(۱) انبیذقلیس (۲) فیثاغورث (۳) سقراط (۴) افلاطون (۵) ارسطو

کیونکہ ان پانچوں اساطین حکمت نے دنیا سے منہ موڑ کر علم و حکمت، زہد و عبادت کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا اس لیے اپنی جامعیت علوم کی وجہ سے یہ سب حکیم کے لقب سے ملقب ہوئے پھر یونان میں جتنے بھی حکماء پیدا ہوئے وہ ان پانچوں مورث اعلیٰ کی اولاد کی طرح ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے علماء اپنے مخصوص فنون کی کمال کی وجہ سے شہرت کے آسمان پر چمکے جیسے دی مقراطیس طبیعیات و ریاضیات میں ماہر تھا۔ بقراط علم طب میں ارشمیدس علم ہندسہ و ریاضی، بطلیموس علم نجوم اور ہومر شعر و شاعری میں مشہور ہوا۔ جب یونانی فلسفہ مسلمانوں میں آیا تو جو حکمائے اسلام ابونصر فارابی بو علی سینا اور ابن رشد وغیرہ اس فلسفے سے متاثر ہوئے تھے۔ انھوں نے حکمت یونانی اور شریعت ربانی میں مطابقت کی سعی کی لیکن حکمائے یونان کی طرف سے قدم عالم، حشر اجسام کی نفی، بعد علم خداوندی کہ جزئی علم کے انکار کو تعریف و تصحیف سے قبول کیا بیشتر علماء وحی الٰہی کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے الٰہیات کے اندر گمراہی کی غار میں جا گرے اور عقلی قیاس آرائی کو دانشمندی سمجھتے رہے۔ اسی لیے یہ حکماء مذاہب سماوی سے دور رہے البتہ یونانی عوام عموماً صابئیت پر قائم تھے اور ان میں سے بہت سے بت پرست تھے۔ قدیم یونان کی زبان یونانی تھی پھر لاطینی ہو گئی۔ یونانی قوم کا عروج سکندر رومی کے بعد ختم ہوا تھا پھر قسطنطین اعظم کے عیسائی ہو جانے کے بعد یونانی تہذیب نے دم توڑ دیا اور مستجلد وحشی رومیوں کے ہاتھوں ان کے علوم و فنون برباد ہو گئے۔

ستارہ پرستی کا آغاز

انسانی زندگی کے پردے پر سب سے پہلی وہ قوم جس نے کرۂ آسمانی پر پھیلے ہوئے ثوابت و سیارگان کا کھوج لگایا وہ بابلی، اشوری اور فنیقی قوم ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق اسی قوم نے سب سے پہلے اپنی غیر معمولی دانشمندی اور زبردست دماغی و فکری جولانی علوم و فنون کی ایجاد سامانی کی بدولت اپنی قوت و برتری کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھایا اور روشنی طبع کے گھمنڈ میں عقل و خرد کو معیار حق بنایا۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے بزم فلک پر ان سیاروں کی آزادی تیز روی، ترچھی سیدھی چالوں کا سراغ لگا کر ان کے بااختیار و صاحب اقتدار ہونے کا عقیدہ ایجاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سیاروں کی حیرت آفریں گردشوں اور غیر معمولی رفتاروں کو دیکھ کر ان کے موثر بالذات ہونے کا اعتقاد لوگوں میں پھیلایا اور یہ باور کرایا کہ کائنات ارضی کی جملہ انقلابات و تغیرات اور سارے حوادث و واقعات میں انہی ستاروں کا ہاتھ ہے۔ اور یہ کہ دنیا کے اندر جو کچھ خیر و شر، سعد و نحس، نیک و بد احوال پیدا ہو رہے ہیں وہ سبعہ سیارہ کی گردش کا نتیجہ ہیں۔ عطارد و مشتری کا طلوع و قران کامرانی و فتح یابی کا مژدہ اور مریخ و زحل کا ظہور یا اجتماع تباہی و بربادی کو اپنے جلو میں لے کر نمودار ہوتے ہیں۔

جب نفع و ضرر، سود و زیاں، فائدہ و نقصان کا چکر ان ستاروں سے وابستہ کر دیا گیا اور یہ انسانوں کی تقدیر بنانے والے سبعہ سیارے ٹھہرے تو ان کے معبود بننے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ ان سبعہ سیارہ کے خیالی مجسمے بنائے جانے لگے اور ان کی پرستش پوجا پاٹ کے لیے ہیکل اور مندر بننے لگے اور ہر ستارے کا علیحدہ علیحدہ مستقل مندر بنا کر وہ لوگ اپنے اعتقادات کے مطابق جنتر منتر پڑھتے نذر و نیاز چڑھاتے اپنی اچھی بھلی مرادیں طلب کرتے۔ دشمنوں کی تباہی و بربادی کے لیے زحل ستارے سے مدد مانگتے اور اپنی کامیابی و کامرانی کے لیے مشتری کے آگے ہاتھ پھیلاتے۔

(احکام القرآن صفحہ ۴۳)

پھر کیا تھا ان کے پجاریوں کی ایک باقاعدہ فوج تیار ہو گئی اور ان اصنام خیالی کے پردہ میں مہنت، پروہت (پنڈت پجاری) خود روحانی اقتدار کے مالک بن بیٹھے بہرحال قوم نوح کے بعد سب سے پہلے باقاعدہ جس قوم نے ستارہ پرستی، صنم پرستی

مظاہر پرستی کی داغ بیل ڈالی یہی لوگ صابئیت کے بانی مبانی ہیں جن کے آگے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے لا احب الآفلین (میں ڈوبنے والے معبودوں کو نہیں مانتا) کا نعرہ بلند فرمایا ان کو حنیف کے لقب سے یاد فرمایا گیا کیونکہ حضرت ابراہیم تمام باطل معبودوں، جھوٹے خداؤں اور فرضی اور مصنوعی دیوتاؤں سے منحرف ہو کر دین حق اور معبود برحق کی طرف یکسوئی اختیار کرنے والے ہوتے۔ اس لیے حنیف وہی شخص ہو سکتا ہے جو سارے باطل

کیا برہما، برہمہ یا ابراہیم ایک ہیں؟

دوآبہ دجلہ و فرات جیسا کہ لکھا جا چکا ہے تاریخ کی صبح نمودار ہونے سے پہلے سامی قبائل کا گہوارہ رہا ہے یہاں سے مختلف قبائل موج در موج ملحقہ علاقوں میں منتقل ہوتے اور ایشیا کے مختلف خطوں کو اپنا مستقر یا ٹھکانہ بناتے چلے آ رہے ہیں پچھلی قوموں (عاد و ثمود) وغیرہ کے بعد اس سرزمین پر جو شخصیت عظمت و شہرت اور مقبولیت کے آسمان پر چمک رہی ہے وہ حضرت ابراہیم کی ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ شہر اُر (حران) میں پیدا ہوئے جو ملک عراق میں واقع تھا اس کا تعلق دنیا کے قدیم شہر بابل سے تھا۔ حضرت ابراہیم نے وقت کی سب سے بڑی ظالم و جابر شخصیت نمرود سے ٹکر لی جو فاتح دنیا کا سب سے پہلا بادشاہ اور خدائی کا مدعی بن کر تخت خدائی پر بیٹھا ہوا تھا نمرود اور اپنی قوم سے اتمام حجت کر کے حضرت ابراہیم نے ارض کنعان (فلسطین) کی طرف سفر کیا اور وہاں ذریات کو لا کر پھر شام و حجاز اور عرب کو دینی دعوت کا جولانگاہ بنایا۔

امتحان گاہ زندگی میں پورے اترنے پر حسب بیان توریت خدا نے ان کے برومند اور زمین پر ستاروں کی طرح ان کی ذریت اور اولاد کو پھیلنے کی خوشخبری سنائی پھر اس وقت کے مشہور ملک مصر پہنچے جہاں بابل کے بعد شاہیت نے سب سے پہلے اپنا پایہ گاڑا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ان کے زمانے کے بادشاہ مصر نے سب سے پہلے فرعون کا لقب اختیار کیا تھا چنانچہ ایک طرف عرب کے ریگستان حجاز و نجد میں ان کے چہیتے صاحبزادے جو حضرت ہاجرہ کے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل تھے۔ ان کی اولاد نے یہاں اقامت اختیار کی تو دوسری طرف حضرت سارہ کے صاحبزادے حضرت اسحاق کے بیٹے اسرائیل کے بارہ قبیلے شام و عراق کے علاقوں میں پھیل گئے اور تیسری طرف بحر روم اور بحیرۂ عرب کے کنارے کنارے ان کی تیسری بیوی قطورا کے صاحبزادے مدیان نے اپنا قبضہ جمایا حضرت ابراہیم کا وطن عراق ہے جو ایران سے جڑا ہوا ہے یہیں سے ان کی اولاد و ذریت

کی شاخیں مختلف ملکوں کے کن کن علاقوں تک پہنچ گئیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ تو برّ اعظم ایشیا کے مغربی منطقہ میں نسل انسانی کے پھیلاؤ کا حال تھا۔ دوسری طرف مغربی علاقوں میں سنٹرل ایشیا ایران سے انسانی قافلے آگے بڑھنا شروع ہوئے چنانچہ مختلف قبیلوں کے یہ قافلے ہمارے ملک ہندوستان کی طرف مسلسل کوچ کرتے رہے۔ اور یہاں فروکش ہو گئے چوں کہ یہ آنے والے قافلے ایران سے آئے تھے اس لیے انھوں نے یہاں سکونت اختیار کر کے اس ملک کا نام اپنے قدیمی وطن کے نام پر آریہ ورت رکھا ان قدیم قبائل کے پرانے گیتوں میں لوک کہانیوں میں برہم یا برہما کی عظمت و بزرگی کے ترانے بلند ہوتے سنائی دیتے ہیں۔

ہندوستان کی قدیمی کتابوں چاروں ویدوں کے مختلف اشلوکوں میں برہما جی کی بزرگی و برتری کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ ساری انسانیت کو برہما جی سے نکلا ہوا بتایا گیا ہے برہمن ان کے منہ سے چھتری ان کے سینہ و بازو سے کھتری ان کے ہاتھ سے اور شودر ان کے پاؤں سے پیدا ہوئے جس کی بنا پر ہندو مذہب میں باہمی فرق مراتب چاروں ورن کا فلسفہ ظہور پذیر ہوا سب سے اعلیٰ ذات برہمن کی اور سب سے ادنیٰ شودر کی ٹھہری۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ برہمن یا برہمہ تھے ؟

دیومالائی روایات سے آگے بڑھ کر حقیقت پسندانہ نقطہ نظر اختیار کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے وہ ان چاروں ذاتوں کے باپ تھے۔

یہ کہاں کے باشندے تھے۔ چوں کہ آریوں کے مورث اعلیٰ تھے اس لیے ایران کا اصل وطن ہوگا۔ ایران کا ایک صوبہ عراق ہے جس کو آج بھی عراق عجم کہا جاتا ہے۔ عجم ایران کا دوسرا نام ہے ان کا اس ایران سے کیا تعلق تھا یہاں کے پرانے صحیفے چاروں وید اور اٹھارہ پران اس پردے کے اٹھانے سے لب بستہ اور خاموش ہیں۔

البتہ بائبل برام یا ابراہیم کو موجودہ نسل انسانی کا مہربان باپ توحید خالص کا داعی اور ان تمام ادیان و مذاہب کا ابِ اعظم قرار دیتا ہے جو خدا سے بندے کا براہ راست رشتہ جوڑنے کی دعوت دیتے ہیں جن کی دعوتی سرگرمیوں کے میدان ایشیا اور افریقہ کے علاقے رہے۔

قرآن عزیز نے حضرت ابراہیم کو امام بنانے کا مژدہ سنایا اور ان کے ذکر و تذکار کو اگلی اور پچھلی نسلوں میں قائم و دائم رہنے والا بتایا ہے۔

جس طرح آدم علیہ السلام کی ساری اولاد طوفان نوح میں غرق ہو گئی اور صرف حضرت نوح کی اولاد

معبودوں سے منقطع ہو کر اور مظاہر پرستی کے ہر ایک شعبے سے کٹ کر ایک خدا کی طرف رخ کیا۔ اہل بابل کے توسط سے یہ عقیدہ روم و شام و جزیرہ و عراق تک پہنچا یہ سب صابی تھے ان کے مذہب کا بنیادی عقیدہ ستارہ پرستی ہے جس کے اندر حرانی اور عراقی سب مشترک تھے ان میں باہمی کچھ فروعی اختلافات ہیں۔ (احکام القرآن صفحہ ۳۲۵) علامہ عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں تحریر فرمایا ہے کہ حنیف کا لقب صابی کے مقابل بولا جاتا ہے کیوں کہ حنیف سلسلہ نبوت کے ماننے والے اور صابی نبوت کے انکار کرنے والے کو کہتے ہیں بہر حال

سام، حام، یافث سے نسل انسانی کا قافلہ چلا ہے جس کی وجہ سے حضرت نوح کا لقب آدم ثانی ہوا۔

اسی طرح عرب بائدہ کی تباہی و بربادی کے بعد حضرت ابراہیم کی اولاد دنیا جہان میں پھیل گئی اور ان میں سے بہت سی شخصیات حضرت موسیٰ اور عیسیٰ، داؤد و سلیمان آسمانی عظمت کے ستارے بن کر چمکے اس لیے حضرت ابراہیم آدم ثالث ہوئے۔

بہر حال آریائی نسل میں برہما کی شخصیت مسلم ہے۔ یہ اگر ایران سے آئے تھے تو حضرت ابراہیم کا وطن بھی عراق ہے جو ایران کا ایک صوبہ تھا۔ جس طرح دراوڑ قوم کا تعلق عراق کے سمیری قبیلے سے ایک مسلّم حقیقت بن چکا ہے جنھوں نے آریوں سے پہلے ہمارے ملک کو دراوڑی تہذیب کے نقوش سے نوازا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ یہ آریائی قبیلے عراق سے ایران میں منتقل ہوا اپنے مورث اعلیٰ برہما کے گن گاتے ہوئے اور ان کی بزرگی کے ترانے بلند کرتے ہوئے ہندوستان میں فروکش ہوئے ہوں یہ برہم یا برہما کیا ابراہیم تو نہیں؟ اب رہیم سے ماخوذ ہے جس نے عبرانی میں ابراہام یا ابرام کی شکل اختیار کی اور انگریزی میں ابراہم ہے اور سنسکرت میں برہما کی حیثیت سے بنیادی حروف کو قائم رکھتے ہوئے موجود ہے۔ اسی کے ساتھ توریت کی روایت کے مطابق بنی اسرائیل کے گمشدہ جزیروں کا سراغ ہندوستان کے ان نامعلوم قبیلوں کے ساتھ جوڑنے کی سعی کی جائے تو بہت سے سربستہ رازوں کا پردہ اٹھ سکتا ہے مزید لطیفہ یہ ہے کہ جس طرح آریوں کے معاشرہ کو چار ورنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ خود بنی اسرائیل نے یہ تقسیم چہارگانہ خاندانی موجود ہے اگر علم الاقوام کے ماہرین اس سربستہ راز کے پردے کو اٹھا دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو سامی و آریائی قوموں کے ایک شجرہ عظیم کی مختلف شاخوں کے ہونے کی بنا پر اتحاد باہمی کا روشن باب کھل جاتا ہے اور دعوت محمدی جو دعوت ابراہیمی کی کامل و مکمل صورت میں ساری ایشیائی قوموں کو وحدت کا درس دے رہی ہے، ساری انسانیت کا پیغام بن سکتی ہے اور ملت ابراہیمی کی قرآنی تفسیر جس شکل میں نمودار ہوئی ہے

دنیا کی سب سے قدیم تاریخی قوم بابلی اور اشوری ہے جس نے چاند سورج اور ستاروں کو اپنا معبود بنایا اور یہی علم نجوم کے موجد اور علم الہیئت یا علم الافلاک کے بانی ہیں اور اس علم کی تمام اصطلاحات اور تمام نام جو دنیا کی زبانوں میں جاری و ساری ہیں وہ سب ان کے اختراعی ہیں۔

چاند سورج دیوی دیوتا

پچھلی قدیم اقوام نے سورج کے آتشیں جلال، اس کی زبردست حرارت و حدت اور سارے عالم کو منور کرنے والی نور و روشنی نے دور وحشت کے انسانوں کی نگاہوں کو ہی خیرہ نہیں کیا بلکہ ان کی عقلوں کو بھی ماؤف کر دیا۔ ساری کائنات میں اس کی ہیجان انگیزی و جلوہ فشانی سے مرعوب و مبہوت ہو کر اس کو دیوتا کی حیثیت دے دی اور چاند کے دلکش حسن و جمال اور چاندنی کی خوشگوار خنکی سے مسحور ہو کر اس کو دیوی قرار دے دیا۔

بابلی قوم اور چاند سورج

دنیا کی سب سے پہلی متمدن قوم جو بابلی، اشوری، کلدانی فنیقی اقوام کے لقب سے تاریخ میں مشہور ہوئی اس نے سورج کو سب سے بڑا دیوتا سب سے بڑا پالن ہار قرار دیا سورج کے

حاشیہ صفحہ علامہ ابوبکر جصاص نے تزویج کتابیات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں جو لوگ خود کو صابی کہتے ہیں وہ اہل کتاب نہیں ہیں ان کا اصل عقیدہ سبعہ سیارہ کی پرستش اور ان کے مجسموں کی پوجا ہے اصل میں وہ بت پرست ہیں لیکن جب ایرانیوں نے ان پر غلبہ پایا تو بظاہر وہ عیسائی بن گئے لیکن رہے صابی ہی۔ ایسے ہی روم و شام اور جزیرہ کے لوگ سب کے سب صابی تھے قسطنطین اعظم نے جب عیسائی مذہب اختیار کیا تو ان کو بزور شمشیر جبراً عیسائی بنا لیا لیکن وہ قدیم مذہب پر قائم رہے اور چھپ کر ستارہ پرستی کرتے رہے جب اسلام ان علاقوں پر غالب آیا تو انھوں نے خود کو نصاریٰ کے زمرہ میں شامل کیا۔ اس فرقہ کے مذہبی خیالات کو چھپانے کی بنا پر عام علماء و فقہاء حقیقت حال تک نہ پہنچ سکے اور تو اور علامہ ابن تیمیہ جیسا محقق اس مسئلہ میں ٹھوکر کھا گیا اور بقول حضرت انور شاہ صاحب ان کو اہل کتاب قرار دے کر مسلمانوں کے ساتھ ذبیحہ و مناکحت کو جائز قرار دیا۔ (فیض الباری صفحہ ۱۰۸)

طلوع و غروب اور زوال کے وقت بابل کے لوگ اس کے آگے ڈنڈوت کرتے اور سورج دیوتا کے ہیکل اور مندر میں جمع ہوتے اور اس کے آگے سربسجود ہوتے اپنی مرادیں مانگنے کے لیے ہاتھوں کو پھیلاتے۔

اسی طرح جب چاند ہلال کی شکل میں نمودار ہوتا تو اس کا استقبال کرتے اور چاند کے مندر میں اکٹھا ہو کر اس کی پرستش کرتے پھر جب یہ چاند بدر (چودھویں رات) بن کر پورے طباق کی شکل میں نکلتا تو رات چاند کے پجاریوں کی عبادت کی ہوتی پوری رات جاگ کر گزارتے اور اس سے اپنی مرادیں طلب کرتے۔ اس طرح دیگر سیاروں کے ہیاکل (مندروں) کے مقابلے میں چاند سورج کے مندر زیادہ آباد ہوتے اور ان مندروں کے پروہتوں کی عظمت سب سے زیادہ مانی جاتی۔

حاشیہ صفحہ انسان نے جب سے آسمانی ستاروں اور سیاروں کا کھوج لگایا ان کی ساخت بناوٹ و مسافت اور گردش و حرکت کی تحقیق کی اور ان تحقیقات سے نتائج نکالے۔

بابلی یا کلدانی قوم جیسے کہ مفصلاً گزر چکا کہ اصل حکمت کے موجد اور یہی پیغمبر ہیں جن کے ذریعے انسانیت کے پہلے دور میں فلسفہ و حکمت صنعت و حرفت کا آغاز ہوا۔ پھر جب طوفان نوح کا عظیم واقعہ برپا ہوا۔ اور نسل انسانی کا قافلہ آدم ثانی حضرت نوح کی اولاد سام، حام، یافث کے ذریعہ عالم میں پھیلا تو دنیا میں دو قسم کی قومیں پیدا ہوئیں کچھ قوموں نے علم و حکمت کو اپنا موضوع بنایا اور عقل انسانی کے ذریعہ کائنات کو سمجھنے کی کوشش کی اور گوناگوں علوم از سر نو ایجاد کیے ان میں اہل مصر، روم، ایران، ہندستان، کلدانی و یونانی قومیں ہیں۔ اس کے مقابلے میں سامی نسل کے وہ قبائل جن کے اندر ابراہیم کی بعثت ہوئی یعنی بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل ان کی توجہات شرعی علوم کی طرف رہی ان کے عہد کاہن اور علماء علوم انبیاء کے وارث ہوئے اور عقلی فلسفہ و حکمت سے بیگانہ رہے ان کی زبان عابر بن شالخ کی طرف منسوب ہو کر عربی و عبرانی کے نام سے مشہور ہوئی جن کا رسم الخط داہنی جانب سے بائیں طرف ہے۔

بہر حال جن قوموں نے فلسفہ و حکمت میں اپنے جھنڈے گاڑے ان میں کلدانی قوم سب سے پرانی ہے جس کا مسکن عراق تھا جس کے اندر شام کے بادشاہ نمرود ہیں ان کی زبان سریانی تھی سب سے پہلے انھوں نے طوفان نوح کے بعد ہی شہنشاہیت کا پرچم لہرایا اور آس پاس کے

مسلسل

مصری قوم اور چاند سورج

بابل اور کلدانی قوم کے بعد پرانی قوموں میں مصری قوم کا مقام ہے جس کی تاریخ انسانی تاریخ میں سب سے قدیم ہے کل انسانی تاریخ دو ڈھائی ہزار سے آگے نہیں بڑھتی لیکن مصریوں کی چھ ہزار سال تک تاریخ ہم تک پہنچی ہے۔

بقیہ حاشیہ کلدانی قوم نے علاقوں پر اپنا قبضہ جمایا جب تک ایرانی قوم نے غلبہ نہیں حاصل کیا تھا۔ اپنے دار تمدن کے مالک و مختار بنے رہے ان کے اندر علما و حکما فضلا اور [illegible] پیدا ہوئے۔ انھوں نے نجوم [illegible] کے لیے رصدگاہیں قائم کیں۔ ان کی تاثیرات اور خواص معلوم کیے [illegible] گردشوں پر نظام عالم کی توجیہات کیں ان ہی باطل عقیدوں پر خود ساختہ مذاہب عالم وجود میں آئے مشہور عالم ہر نحس اور مطلق ان ہی کے اندر گزر رہے ہیں۔

کلدانی قوم بقول حمزہ اصفہانی کے سب سے زیادہ قدیم قوم ہے جو ماقبل تاریخ کے پردہ پر نمایاں ہوئی اور ان کے ستاروں اور سیاروں کے متعلق باطل نظریات اور فاسد خیالات کی گونج آج بھی دنیا کے ہر ادب میں پائی جاتی ہے۔ ۱۲

اس کے نتیجہ میں ایک علم کی بنیاد پڑی جس کو علم ہیئت یا علم الافلاک علم نجوم Astronomy کہتے ہیں یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے اجرام فلکی ان کی دوری و مسافت کرہ زمین کی گردش و کشش اور ساخت طول و عرض کے احوال سے بحث کی جاتی ہے کیونکہ سامی قوموں میں بابلی و کلدانی قوموں میں ان علوم و فنون کی موجودگی ان عرب بائدہ کی تباہی و بربادی کے باعث ان کی کاوش ان کی ایجادات کے واقعات تاریخ کے سینے میں محفوظ نہ رہ سکے اس لیے وہ پردۂ گمنامی میں مستور ہو گئے جس قوم کا علمی ذخیرہ ہمارے ہاتھ لگا وہ یونانی قوم ہے اسی اعتبار سے طالیس یونانی (Thales) علم و حکمت کا باوا آدم ہے جس کا زمانہ ۶۰۰ ق۔م کا ہے۔ موجودہ تاریخ کے اعتبار سے یہ پہلا حکیم ہے جس نے کواکب یا ستاروں کی مقدار و رفتار معلوم کرنے کے لیے زیچ بنائی اور خسوف (چاند گہن) کی سب سے پہلے پیشگوئی کی اس حکیم نے زمین کو مرکز کائنات مانا۔

پیچھے شروع میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ مصری قوم کا تعلق ہرمس الہرامسہ (حضرت ادریس) کے ساتھ طوفان نوح سے پہلے رہا اور گونا گوں علوم و فنون ان کے واسطے سے دنیا میں پہلے ۔۔۔

مسلسل

چنانچہ مصر قدیم کی تاریخی قوم قبط رع دیوتا کی پرستش کرتی تھی جو سورج کا لقب تھا۔ اسی آسمانی رع دیوتا کا مظہر فرعون مصر کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا جو خود کو قابل پرستش قرار دیتا تھا اور مصری قوم کے سامنے اپنے رب (پروردگار) ہونے کا انا ربکم الاعلیٰ سے اعلان کرتا تھا جس طرح بابل کا بادشاہ نمرود خود کو خدا کہتا تھا۔ اسی زعم باطل میں فرعون مصر بھی مبتلا تھا جس کے ایک بادشاہ فرعون سے مقابلہ بنی اسرائیل کے مشہور اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے ہوا۔ مصری لوگ چاند کو بھی ایک دیوتا مان کر اس کی بھی پرستش کرتے تھے چاند سورج کے دیوتا کی حیثیت مصر کے اندر مسلّم تھی چنانچہ اہرام مصر کے اندر ابوالہول کا مجسمہ اس کی یادگار ہے۔

بقیہ حاشیہ اور گونا گوں علوم و فنون ان کے واسطے سے دنیا میں پہلے پھیلے پھر اہل مصر کا طوفان نوح کے بعد علمی مرکز شہر منف بنا جہاں سے ان علوم و فنون کے چشمے جاری ہوئے کچھ عرصہ کے بعد جب اس علمی مرکز پر زوال آیا تو شہر اسکندریہ نے زور پکڑا اور یہ علم و حکمت کا گہوارہ بن گیا۔ تمام شائقین علوم کا رخ اسکندریہ کی طرف ہو گیا آخری زمانہ میں ان ہی اسکندری فلسفیوں نے بلینوس کی کتابوں کا خلاصہ کر کے شائع کیا تو مکتب اسکندریہ نے عالمگیر شہرت حاصل کی اگرچہ اہل مصر شمس قمر پرستی تھا لیکن ان کے اندر قبطی قوم غالب رہی یہ لوگ بھی صابئیت کے پرانے مذہب پر قائم تھے۔ دور موسوی میں قبطیوں کے مقابل سبطیوں کا یعنی بنی اسرائیل کا ظہور ہوا لیکن ان میں سے بہت کم لوگوں نے دین موسوی کو اختیار کیا زیادہ تر اپنے قدیمی مذہب پر قائم و برقرار رہے جب قسطنطین اعظم کے حکومت کا دائرہ جب مصر تک پہنچا تو عیسائیت کی زوردار تبلیغ شروع ہوئی اور مصر کے کچھ لوگوں نے عیسائیت کو اوپرے دل سے قبول کیا اور کچھ واقعتاً عیسائی بن گئے۔ یہ سلسلہ تک کہ عہد فاروقی میں فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص کی فتح عظیم کے بعد ملک مصر محروسہ اسلام بن کر سارے علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔

اسلامی ملک بن جانے کے بعد پھر جدید مصری تاریخ کا دروازہ کھل گیا۔ تاریخ عالم کا باوا آدم ہیروڈوٹس یونانی کو قرار دیا گیا ہے جس کے ذریعہ ہم ڈھائی ہزار سال تک کی تاریخی واقعات تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن مصری قوم سب سے زیادہ قدیم تاریخی قوم ہے جس نے اپنے تصویری خط ہیروغلیفی کے ذریعہ جو تاریخ منضبط کی ہے وہ ہم کو آج سے چھ ہزار سال پہلے کی دنیا میں لے جاتی ہے۔

ایرانی قوم

ایسے ہی قدیم ایران میں جہاں خدائے نور (یزداں) اور خدائے ظلمت (اہرمن) دو خداؤں کا عقیدہ چلا آرہا تھا نور کو مانی اور زردشتی مذہب میں جو ایران کے قدیمی مذہب تھے ہر خیر کا مظہر اور ظلمت کو ہر شر کا مظہر مانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ نور کا مرکز ہماری اس کائنات میں آفتاب ہی ہے جو اپنے چہرہ آتشیں کے شعاعوں سے ہر چیز میں زندگی کی لہر دوڑا رہا ہے اور ظلمات شب کے پردہ میں مہتاب (چاندنی) کے ذریعہ زمین میں برودت و خنکی کو پھیلا رہا ہے۔ اس لیے مجوسیوں، آتش پرستوں کے یہاں سورج کے لیے صبح سویرے گنگری گیت و زمزمہ حمد ہر روز گایا جاتا ہے جس کے اندر آفتاب کو سرچشمہ حیات قرار دے کر اس سے زندگی اور عافیت کی بھیک مانگی جاتی ہے اور آگ کو سورج کی حرارت کی نشانی مان کر ہر وقت اس کی پوجا کی جاتی تھی اور پورا ملک ایران آتش کدوں سے دہکتا رہتا تھا اور ان آتش کدوں کے معبد (مذہبی پیشوا) پجاریوں کے آگے آگ کے گن گاتے رہتے تھے۔

حاشیہ صفحہ پھر طالیس یونانی کے بعد حکیم فیثاغورث آیا۔ اس کا زمانہ بھی (۵۳۲) ق م کا ہے اس حکیم نے زمین کے بجائے آفتاب کو مرکز عالم مانا۔ پھر بطلیموس نے آسمان کی گردش کا نظریہ پیدا کیا جبکہ فیثاغورث زمین کی حرکت کا قائل تھا جس پر سائنس جدید نے مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ یہ یونانی قدیم فلسفہ بطلیموسی و فیثاغورثی نظام کے درمیان چکر کھاتا رہا۔ عہد اسلامی میں جو تجربات ہوئے ان میں سب سے پہلی مامونی دور موسی ابن شاکر اور اس کے بھائیوں نے کوفہ کے میدان میں زمین کی پیمائش اور سورج چاند ستاروں کا نظام حسابی طور پر مرتب کیا تھا۔ سب سے اہم نمونہ مشہور فلسفی شاعر عمر خیام کی ہے جس کی بنیاد پر موجودہ انگریزی زیچ قائم ہے۔ (وجدی ۱۲)

ایرانی قوم :۔ ایران قدیم میں قدیمی مذہب دو ہیں مانی اور زردشت۔ مانی نے اپنے ہاتھ کے معجزانہ دستکاری سے نقش و نگار کو پیش کر کے لوگوں کے سامنے اپنی دعوت پیش کی تھی۔ دنیا کے خیر و شر کے معرکہ کو نور و ظلمت کے پردہ میں پیش کیا اس کے بعد زردشت نے مزید وسعت دی اور یزدان اور اہرمن کا نعرہ بلند کیا۔

ابتداً یہ قوم توحید پرست حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر قائم تھی۔ یہاں تک کہ گشتاسپ

بقیہ حاشیہ صفحہ

بادشاہ نے صابئیت کو اختیار کیا اور اپنی رعایا کو جبر و زبردستی کے ساتھ اس مذہب کا پابند کیا چنانچہ ایک ہزار سال تک اہل ایران صابی رہے۔ پھر زرتشت نے ان کے اندر ظہور کیا اور اس کی دعوت پر ایرانی قوم نے مجوسیت (آتش پرستی) کو اختیار کیا۔ ایک ہزار سال تک ایران کا یہی قومی مذہب رہا۔ شروع میں ہخامنشی بادشاہت قائم ہوئی پھر ان کے تخت پر کیانی بادشاہوں نے اپنی شہنشاہیت کو قائم کیا۔ آخر میں ساسانی شہنشاہیت نے مشرق کے آدھے ممالک کو زیر نگیں کیا۔ ہمارا ملک مکران سے لے کر لنکا تک انہی ساسانی بادشاہوں کا باج گزار تھا۔ دنیا میں ایرانی شہنشاہیت نے سب سے زیادہ عمر پائی اور ہزار ہا سال تک اس کا پرچم درفش کاویانی کشور ایران پر لہراتا رہا۔ نوشیرواں عادل نے انصاف پروری میں زبردست شہرت حاصل کی۔ جیسے شہنشاہ کیخسرو، کیقباد نے اپنے دبدبہ شاہی اور شان و شوکت سلطانی کا نقش الواح عالم پر قائم کیا۔ آخری بادشاہ یزدگرد تھا جس نے عہد فاروقی میں فاتح ایران حضرت سعد ابن وقاص کے ہاتھوں شکست پائی اور پھر اس سرزمین نے اسلام کے لیے اپنی آغوش کھول دی۔ ایران کے دانشمند لوگوں کو علم طب اور علم نجوم میں درک حاصل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان بولی وہ کیومرس بادشاہ ہے جو پہلوی زبان کی شکل میں پیدا ہوئی اور مختلف سات بولیوں میں تقسیم ہوئی اسی پہلوی زبان نے مسلمانوں کے غلبہ کے بعد جدید فارسی کی شکل اختیار کی جو آج تک جاری ہے اور جس نے شعر و شاعری میں دھوم مچا دی۔ فارسی شاعری جذبات و واردات انسانی کی ترجمانی میں اپنی شیرینی کی وجہ سے آج تک خصوصی امتیاز کی حامل ہے۔

تورانی قوم :۔ تورانی قوم حسب بیان بائبل حضرت نوح کے بیٹے یافث سے تعلق رکھتی ہے حضرت نوح کے پہلے بیٹے سام نے عرب کا خطہ سکونت کے لیے پسند کیا۔ حام نے افریقہ کو اختیار کیا۔ تیسرے صاحبزادے یافث نے صحرائے قفقاز، کوہ قاف اور جبال دیلم کو اپنا مسکن بنایا۔ جو بعد میں منگولیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

ان کوہستانی خطوں میں بود و باش اختیار کرنے کی وجہ سے اولاً شکاری زندگی پھر خانہ بدوشی سے چوپانی تک پہنچے۔ بہر حال یہ قبیلے جن کا مورث اعلیٰ قبلائی خاں بتایا جاتا ہے۔ ان سنگلاخ پہاڑوں اور سنگین چٹانوں سے سر ٹکراتے رہے۔ اس لیے ماحول کے مقامی عوامل اور جغرافیائی خصوصیات نے ان کے اندر جنگ آزمائی اور مہم جوئی کے میدانوں میں لا ڈالا۔ البتہ جو قبائل میدانی اور دریائی علاقوں میں جا کر مقیم ہو گئے انہوں نے اس

مسلسل

منگولین اقوام

جس طرح ایرانی اقوام سیارگان فلکی خصوصاً آفتاب و مہتاب کی پرستش میں پیش پیش رہیں اور آتش پرستی کو اپنے ملک میں فروغ دیا۔ اسی طرح تورانی قومیں بھی جن کو (منگولین اقوام) سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو بعد میں مغل اور ترک کے ناموں سے آسمان شہرت پر چمکیں) چاند ستاروں کی پوجا کرنے میں ایرانیوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ مغل یا ترک اقوام اپنے مورث اعلیٰ قبلائی خاں کا نسب نامہ سورج سے ملاتی تھیں اس لیے وہ چاند ستارہ اور یہی چاند ستارے ان کا قومی نشان تھا۔ جب یہ اقوام لطیفہ غیبی کے طور پر بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں تو ان قوموں نے اسلام لانے کے بعد بھی اپنا قومی نشان چاند ستارے کو برقرار رکھا اور صدیوں تک یہی مسلمانوں کا نشان رہا۔ ہمارے ملی شاعر علامہ اقبال نے غلط فہمی کا شکار ہوکر خنجر ہلال کو اسلام کا قومی نشان بتایا ہے

خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

جاپانی قوم

چاند سورج اور ستاروں کی پرستش کی وبا جب مشرق اقصیٰ میں پھیلی ہوئی تھی تو

بقیہ حاشیہ سرزمین کو تہذیب و تمدن کے حسین و جمیل نقش و نگار سے سنوارا۔ چین کے اندر ان قبیلوں نے پہنچ کر صنعت و حرفت کی ایجاد سامانی میں شہرت حاصل کی مگر جو قبیلے ان پہاڑیوں میں ٹھہرے رہے وہ حملہ آور بن کر ان علاقوں کو تاخت و تاراج کرتے رہے۔ جس کی بنا پر چینیوں کو مشہور عالم دیوار تعمیر کرنا پڑی جو ہفت عجائبات میں سے ہے ان وحشی قبیلوں نے اپنے طاقتور ظالم و جابر سرداروں چنگیز خاں و ہلاکو کے زیر کمان ہوکر اپنی جنگجوئیوں سے بڑی بڑی مضبوط حکومتوں کو تہہ و بالا کر دیا اور اپنی ملک گیری و کشورکشائی کا خونی نقش تاریخ میں مرتسم کر دیا پھر جب یہ تورانی قبائل نے ایشیا و یوروپ پہنچ کر طرح اقامت ڈالی اور تہذیب و شائستگی سے آراستہ ہوئے تو انھوں نے فنون لطیفہ اور تعمیرات میں ان مٹ یادگاریں قائم کیں چنانچہ ہندوستان میں مغل شہنشاہیت اور یوروپ میں ترکی خلافت تاریخ انسانی میں غیر معمولی شہرت کی حامل بن کر چمک رہی ہیں۔

وہ مشرقی ممالک جہاں سے خود سورج طلوع ہوتا ہے وہاں ان کی عظمت و تقدیس کا دلوں میں مرتسم ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ چین و جاپان کے اندر زمانہ قدیم میں چاند سورج کے مندروں کے وجود اور ان کی پوجا پاٹ کا پتہ چلتا ہے اور اہل جاپان کا بادشاہ تو آج بھی خود کو سورج کا فرزند سمجھتا اور جاپانی قوم اس خورشید زادہ کے سامنے سربسجود ہوتی ہے۔ جاپانی حکمرانوں کو ہمیشہ سے سورج دیوتا کی اولاد تصور کیا جاتا رہا وہ اپنے محل سے کبھی باہر نہیں نکل سکتا تھا اور اس کا چہرہ نقاب میں چھپا رہتا تھا اس کی تقدیس و تعظیم اس حیثیت سے آج تک مسلم چلی آرہی ہے۔

ہندوستان اور چاند سورج

ہمارا ملک ہندوستان جنت نشان جو زمانہ قدیم سے مختلف مذاہب اور ملل کا گہوارہ اور رنگا رنگ کے عقیدوں اور خیالوں کا گلدستہ ہے اسی طرح یہ برصغیر ۳۳ کروڑ دیوی دیوتاؤں کا تخت گاہ بھی ہے۔

ہمالیہ کی سرسبز و شاداب برفانی پہاڑیوں اور چوٹیوں سے لیکر دکن اور مدراس کے کھلے میدانوں، خشک و کھردرے کوہستانی سلسلوں تک ان دیوی و دیوتاؤں کے مندروں، تیرتھوں کی مقامات کا دائرہ پھیلا ہوا ہے۔ جنوبی اور شمالی ہند کو سیراب کرنے والے دریاؤں کے کنارے کنارے بڑے بڑے تیرتھ استھان بنے ہوئے ہیں۔

حاشیہ چین قدیم کی تاریخ اقوام انقلاب زمانہ کے ہاتھوں صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہوگئیں اور ان کے ایمانی و مذہبی تصورات بھی ان کے ساتھ زیر زمین دفن ہوگئے لیکن اس بیسویں صدی کے سائنسی دور میں ایک قوم باقی رہ گئی تھی جو پچھلے زمانے کے دقیانوسی خیالات کو اپنے سینے سے چمٹائے بیٹھی تھی وہ تھی جاپانی قوم۔ جاپان کے بادشاہ ہیرو ہیٹو کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کا ۱۲۴واں حکمراں ہے۔ جاپان میں شہنشاہی تاریخ ۶۶۰ ق م سے شروع ہوتی ہے۔ ان حکمرانوں کو سورج دیوتا کا تصور کیا جاتا وہ اپنے محل میں محبوس اور نقاب میں مستور رہتا تھا ۱۹۴۵ء تک جاپان کا یہ شہنشاہ دیوتا ہی بنا ہوا تھا لیکن امریکہ کے ایٹمی حملے سے یہ عقیدہ بھی ہیروشیما کی طرح گرد و غبار بن کر اڑ گیا۔ جاپانی شہنشاہیت کے چہرہ پر جو صدیوں

گنگا، جمنا، نربدا، کرشنا اور چھوٹی بڑی ندیوں پر صبح کے غسل (اشنان) کے وقت سورج دیوتا کی تعظیم و بزرگی کے مناظر ہر ناظر و مسافر کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اسی طرح چاند کے چھپ جانے (اماوس) اور بدر کامل (پورن ماشی) کے وقت پوجا پاٹ کے مناظر ہر وقت دیکھے جا سکتے ہیں۔

چاند سورج ان چھبیس کروڑ دیوتاؤں میں زبردست عظمت و جلالت کے مالک سمجھے جاتے ہیں اور خدا کی شان جلالی و جمالی کے مظہر مانے جاتے ہیں یہاں کے معزز خاندان سورج بنسی و چندر بنسی اپنا سلسلۂ نسب چاند سورج سے ملاتے ہیں۔

علامہ ابن ندیم نے اپنی مشہور عالم کتاب الفہرست میں ہندوؤں کے فرقہ کا حال عرب کے مشہور فلسفی یعقوب ابن اسحاق کندی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہندوؤں میں بہت سے فرقے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے فرقہ کا نام مہاکالیہ ہے جو کالی کی پوجا کرتا ہے۔ مہاکالی کے چار [illegible] رنگ سر پر بے حد بال، دانت کھلا ہوا، پیٹھ پر ہاتھی کی کھال ہوتی ہے جس سے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں ایک ہاتھ میں اژدہا دوسرے میں ڈنڈا تیسرے میں ایک انسان کا سر چوتھا ہاتھ اوپر اٹھا ہوا۔ اس کے دونوں کانوں میں دو سانپ اس کے بدن پر دو اژدہے لپٹے ہوئے سر پر کھوپڑیوں کی ہڈیوں کا تاج اور انہی ہڈیوں کی گلے میں مالا ہے۔

(۲) دوسرا فرقہ آدتیہ (آدت بھگتی) سورج کا پجاری ہے اس کی صورت جو بنائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک گاڑی جس کے چار گھوڑے ہیں اس کے اوپر ایک بت ہے اس کے پجاری اس کے ارد گرد گھومتے بخورات (خوشبوئیں) جلاتے اور باجا بجاتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اپنی مرادیں مانگتے ہیں۔ ہر طرف سے بیمار آتے اور اپنے خیال کے مطابق اس سے صحت یابی حاصل کرتے اور تندرست ہو کر واپس ہوتے ہیں اس کے مندروں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible])

بے نقاب پڑا ہوا تھا وہ الٹ کر رہ گیا اور جو شہنشاہ اپنے محل سے باہر قدم رکھنے کا روادار نہیں تھا خدا کی قدرت دیکھئے کہ [illegible] میں کمیونسٹ چین اقوام متحدہ کے داخلہ کے سلسلہ میں پہلی بار ملک سے باہر امریکہ جانا پڑا اور صدر امریکہ کے آگے جھکنا پڑا۔ ۱۲ وحیدی۔

حاشیہ صفحہ [illegible] : علامہ ابن ندیم کے معاصر علامہ مقدسی نے جو عرب متکلم ہیں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ ہندوستان میں نو سو فرقے ہیں لیکن ہم کو ان نو سو فرقوں میں سے صرف ۹۹ فرقوں کا حال معلوم ہوا ہے اور یہ سب ۵۴ مذاہب کی شکل میں ہے اور چار اصول ان کے اندر محدود و منضبط ہیں اور اصل تقسیم کے اعتبار سے دو ہی ہیں شمنی (بدھ مت) اور برہمنی مذہب ۱۲۔

حاشیہ ص : ہندوستان جنت نشان مشہور عرب جغرافیہ نویس علامہ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یوقیر ابن یقطین ابن حام ابن نوح کی اولاد میں سندھ اور ہند دو بھائی تھے جن کے نام پر یہ دونوں ملک مشہور ہوئے۔ (معجم البلدان ص ۳۹۱ ج ۵)

ہمارا ملک روز اول ہی سے مختلف قوموں اور مختلف مذاہب و ملل کا گہوارہ اور رنگارنگ تہذیبوں اور ثقافتوں کا گلدستہ رہا ہے۔ سامی اور آریائی اور تورانی قبیلوں کے قافلے صدیوں سے مختلف اوقات میں یہاں آکر اپنے ڈیرے ڈالتے رہے۔ اس ملک نے باہر سے آنے والے ہر نو وارد قافلے کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ اور یہاں آکر بس جانے والے کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ یوں کہنے کے لیے تو یہ ایک ملک ہے لیکن دوسرے براعظموں کو دیکھتے ہوئے اس کو ایک برصغیر کہا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانے میں اس کے وجود کا دائرہ بے حد عریض و وسیع تھا۔ چنانچہ شمالی حدود سیستان سندھ سے لگا ہوا ملحقہ علاقہ بامیان افغانستان اور کابل کا علاقہ بلوچستان اور یاغستان اور جنوبی ہند کے جزائر میں سراندیپ یعنی لنکا اور جزائر مالدیپ وغیرہ شامل تھے۔ جو آج بھی جزائر شرق الہند اور غرب الہند سے موسوم ہیں۔ اہل چین جو دنیا کی قوموں میں صنعت و حرفت کے بانی مانے جاتے تھے ملک ہند کو دانش و حکمت کا [illegible] کہتے تھے۔ اس ملک کے وسیع و عریض علاقے میں جو بلند و بالا فلک بوس پہاڑ، گھنے پر خطر جنگلوں، [illegible] ہوئے دریاؤں اور چوڑے چکلے میدانوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں کے عام باشندوں اور خاص دانشمندوں کو فکر و نظر کی دعوت دی کہ وہ مابعد الطبیعات (الٰہیات) پر زیادہ غور و خوض کریں۔

یہاں کے رشیوں منیوں روحانی لوگوں نے علوم طبعی سے زائد علوم الٰہی کو غور و فکر کا نشانہ بنایا اور مذکورہ چھ فلسفے ایجاد کیے۔

(۱) سانکھیہ (۲) ویدانت (۳) میمانسا (۴) پاتن جل (۵) یوگ (۶) بھگتی۔ ایسے ہی علم ہندسہ اور ریاضی اور نجوم جیوتش کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ صفر ہمارے ملک کی ایجاد ہے۔ جو عربوں کے ذریعہ یورپ تک پہنچا۔

لیے بہت سی جائدادیں وقف ہوتی ہیں۔ اس کے پجاری یا مہنت ان جائدادوں کا انتظام کرتی ہیں۔

(۳) تیسرا فرقہ چندر بھگتی ہے جو چاند کے پجاری ہیں۔ اس کے بت کی گاڑی چار بطوں (بطخوں) پر چلتی ہے اس بت کے ہاتھ پر ایک بڑا لال (پرندہ) ہے جس کو چندر گپت کہتے ہیں جو چودھویں رات کو جب کہ یہ ہلال بدر کمال بن کر نمودار ہوتا ہے اس وقت چاند کے پجاری برت (روزہ) رکھتے ہیں اور رات پھر اس کی پوجا کرتے اور کھانا شراب دودھ اس دیوتا کے پاس لاتے ہیں۔ چاند کی پہلی تاریخ اور چودھویں شب کو چھتوں پر چڑھ کر اس کو دیکھتے منتر پڑھتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔ (الفہرست صفحہ [illegible])

علامہ ابوریحان بیرونی نے ملتان کے مندر کو سورج دیوتا کا استھان قرار دیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible] : سدھانت کو یورپ میں عربوں نے متعارف کیا لیکن اس کے ساتھ ہندیات کو بھی بالکل نہیں چھوڑا۔ آریہ بھٹ اور بھاسکر مشہور عالم جیوتش (سائنسداں) ہوئے ہیں۔ اس ملک میں جہاں شری رام، شری کرشن، شری مہاویر زبردست روحانی پیشوا گزرے ہیں جن کی شخصیات نے پورے ملک کو متاثر کیا وہاں مہاتما گوتم بدھ کے پیغام نے آدھے ایشیا پر زبردست اثر ڈالا ہے۔ مہاراجہ اشوک نے ان کی تعلیمات کو ہمہ گیر پیمانے پر پھیلایا۔

جہاں ہندوستانی حکمت نظری نے چھ فلسفوں کی صورت میں عقلی و فکری جولانیاں دکھائی ہیں۔ وہیں پنچ تنتر (کلیلہ دمنہ) میں حیوانات کی زبانی زندگی کے عملی تجربات کا عمدہ سبق دیا گیا ہے دانش و حکمت سے معمور اس کتاب کے خیالات دنیا بھر میں پھیلے اسی طرح ہندوستان نے فکری و عملی میدان میں شطرنج ایجاد کر کے ایک عالم کو ششدر و حیران کر دیا۔

کالیداس، تلسی داس، بھرتری ہری وغیرہ نے فنون لطیفہ ادبیات کی دنیا میں اپنا پرچم لہرا دیا۔ فن تعمیر نے افغان اور مغل آرٹ، قطب مینار، تاج محل، بولی گنبد بیجاپور اور کشمیر کے مغل باغات کی ساری دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے۔

ہندوستانی علوم و فنون کو سارے عالم میں متعارف کرنے والا ابوریحان بیرونی ہے جس کی کتاب الہند گلشن شاداب کے خوش نما پھولوں کی طرح آج بھی تر و تازہ مضامین سے اہل عالم کے دماغوں کو معطر کر رہی ہے اور اس کی خوشبو کی مہک آج بھی ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔

اس نے بتایا ہے کہ یہاں سورج دیوتا کی مورتی تھی اس لیے اس کا نام ادتیہ ہے۔ (کتاب الہند صفحہ ۵۶)

علامہ قزوینی نے اپنی کتاب آثار البلاد میں علامہ مقدسی نے احسن التقاسیم میں لکھا ہے کہ ملتان کا مشہور بت تھا تو لکڑی کا۔ لیکن اس کے جسم پر سرخ کھال لپٹی رہتی تھی۔ اس کی آنکھوں کے مقام پر دو لعل اور سر پر سونے کا تاج تھا۔

عرب اور چاند سورج

آج سے چودہ سو برس پہلے اس وقت کے دنیا کی متمدن قوموں سے الگ تھلگ اور تہذیب یافتہ ممالک سے دور پڑی ہوئی قوم اہل عرب کی تھی جن کے یہاں نہ ذاتی ایجاد کردہ علوم و فنون تھے اور نہ عرب بائدہ کے باقی ماندہ اثرات ان کے پاس جو کچھ علم تھا وہ نجوم و کواکب کے بارے میں زبانی اور تجرباتی علم تھا وہ ان آسمانی ستاروں سے رستہ کو پہچانتے اور موسمیات کی پیش گوئیاں کرتے تھے۔ کچھ قبیلے آفتاب پرست تھے تو کچھ ستارہ پرست۔ شعریٰ ستارے کی پوجا کی جاتی تھی اور وہ ستاروں کی تاثیرات کے قائل تھے اور چاند تو ان کا محبوب سیارہ تھا۔ دن بھر کی گرمی سے تپتے ہوئے موسم میں جب رات گلستان میں اپنا خیمہ نصب کرتی تو چاندنی کے کھیت میں ٹھنڈی ریت پر بیٹھ کر اہل عرب قصہ کہانیاں ایک دوسرے کو سناتے اور لطف و مسرت سے بہرہ اندوز ہوتے۔ اس طرح چاندنی راتیں ان کے لیے فرحت و بہجت کا پیغام لاتیں۔

حاشیہ صفحہ ۷۰ : عرب قوم تمام اقوام کی مورث اعلیٰ قوم ہے جو دو طبقوں میں منقسم ہوئی۔ عرب بائدہ جیسے عاد و ثمود، جدیس، طسم، امیم و عملاق وغیرہ جن کی تاریخ ہم تک نہ پہنچ سکی ان قوموں کی ہلاکت و بربادی کے بعد جو قبائل باقی رہے وہ قحطانی و عدنانی خاندانی نسبتوں سے صفحہ تاریخ پر نمودار ہوئے۔ عرب قدیم تہذیب و تمدن کی بانی کی حیثیت سے جانے پہچانے ہوتے ہیں۔ جنت عدن، باغ ارم، سد ارم، قصر غمدان (سو منزلہ عمارت) ملک یمن کے وہ مشہور مقامات ہیں جو تاریخ عالم میں آج تک نقش ہیں۔ ملک سبا اور ملکہ سبا کا ذکر اور یمن کی سرسبزی و شادابی دولت مندی و خوش حالی تذکرہ قرآن مجید و بائبل میں ہے۔

بہرحال پچھلی متمدن اور غیر متمدن قوموں کے عقیدہ و خیال کے آسمان پر چاند و سورج چھائے ہوئے تھے اور انھوں نے ان دونوں سیاروں کو معبود کا درجہ دے رکھا تھا۔ کچھ قوموں نے چاند اور سورج دونوں کو دیوتاؤں کی حیثیت دے رکھی تھی جیسے مصری ہندوستانی قوموں کے بیان میں گزرا اور کچھ قوموں نے چاند کو دیوی کی حیثیت دی تھی، چنانچہ یونانیوں نے اس کو ایک دیوی (Artemis) مانا۔ یونانیوں نے

اس کا نام سیلین رکھا تھا۔ جس کے معنی رات کی ملکہ کے ہیں اور رومیوں نے اس ہی سیارہ کا لقب لونا رکھا اور ان کے یہاں وہ ایک شہسوار عورت (Diana) کی حیثیت سے مشہور رہا۔ پرانی مشہور قوم سمیری کے نزدیک جو عراقی قبیلوں کی ایک مشہور شاخ تھی۔ چاند رب دانش کی حیثیت سے مشہور تھا۔ اور دیگر متمدن قوموں نے اس گول، نقرئی کشش انگیز سیارے کا مون (moon) نام رکھ چھوڑا تھا۔

قدیم اقوام کی تخیل آرائیاں

یہاں پہنچ کر پچھلے زمانے کے ان افسانوی خیالات کا نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو پرانی قوموں نے چاند سورج اور سبعہ سیاروں کے اندر رہنے والے مخلوق کے بارے میں فرض کر لیے تھے ۔ ایک فرانسیسی مصنف نے ان خیالات کی تفصیل اس طرح لکھی ہے۔

(۱) سورج کے انتہائی قریب سیارہ عطارد ہے اس لیے وہاں کا ماحول نہایت گرم ہے۔ اس لیے وہاں کے باشندے شعلہ خو، گرم مزاج یا مکمل پاگل ہوں گے۔

(۲) عشق و محبت کا سیارہ زہرہ کے باشندے اپنی زندگی رقص و سرود میں گزارتے اور ایک دوسرے کو عشق و محبت کی داستانیں بیان کرنے میں بسر کرتے ہیں۔

(۳) زحل ستارہ اس قدر سرد اور خشک ہے کہ اس کے رہنے والے ہمیشہ برف کے اندر رہتے اور وہاں کی مخلوق کی انتہائی خنکی اور انتہائی درجے کی کشش کے سبب نہایت آب و تاب کے ساتھ چلتے پھرتے اور زیادہ تر اپنی زندگی اسی مقام پر بتاتے ہیں جہاں ان کی پیدائش ہوتی ہے۔

(۴) مریخ اور مشتری کی مخلوق ناقابل بیان ہیں مریخ کی راتیں جگمگاتے پہاڑوں اور نورانی سمندروں کے سبب تابناک ہوتی ہیں۔

(۵) مشتری کے باشندے بڑے باشعور اور دانشور ہیں ان کے پاس دوربینیں بھی ہیں جن سے وہ زمین کا جائزہ بھی لیتے رہتے ہیں۔

(۶) سورج میں پہلے درجے کی حرارت کی وجہ سے کوئی جاندار نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آگ کا کیڑا یعنی سمندر پایا جاتا ہو۔

بقیہ حاشیہ ص۴۱ : عرب دو قسم کے ہوتے۔ بدوی جو تہذیب و تمدن سے نا آشنا رہے چوپانی و گلہ بانی ان کا قومی پیشہ رہے۔ صحرا نشین ہونے کی بنا پر علم نجوم سے قدرے واقفیت رکھتے جن کی روشنی میں اپنے قافلوں کو راستوں اور منزلوں تک پہنچاتے تھے دوسرے حضری یا شہری اہل یمن تھے جو قدیم دنیا میں حضارت و تہذیب میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ پھر عرب کی تاریخ کے دو حصے ہیں۔ دور جاہلیت جس کے اندر تبع یمن، مناذرۂ حیرہ اور غساسنۂ شام کے امرا [illegible] کی قدیم تاریخ ہے جو پچھلی تاریخوں میں منضبط ہے۔ دور جاہلیت میں عربوں کی سب سے بڑی [illegible] کائنات اشعار و خطبات ہیں۔ ان کو اپنی زبان دانی پر غرہ تھا اس لیے خود کو عرب (گویا) اور دوسروں کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔

دور جاہلیت میں عرب دینی اعتبار سے مختلف مذاہب میں بکھرے ہوئے تھے کچھ ستارہ پرست تھے کچھ یہودی نصرانی ہوئے مگر ان کی اکثریت بت پرست تھی۔ سب سے پہلے عمرو ابن لحی نے بت پرستی کی بنیاد ڈالی تھی پھر جب مذہب اسلام نے اپنی دعوت کو پیش کیا تو پورا عرب توحید کی لڑی میں منسلک ہو کر دنیائی قوموں کی پیشوا اور رہنما بن گیا۔

سب سے پہلے عربوں نے عہد مامونی میں زمین کی پیمائش کا کام موسیٰ ابن شاکر اور اس کے بیٹوں کے ذریعہ انجام دیا گیا۔ عربوں نے سب سے پہلے زمین کے چپٹے ہونے کے خیال کو رد کیا۔ مشہور عالم الخوارزمی (۸۵۰ء) جو علم الجبرا کا موجد ہے اس نے دنیا کا ایسا نقشہ تیار کیا جو کوہستانی، میدانی [illegible] اور زراعتی معلومات سے لبریز تھا۔

ابن رشد نے سب سے پہلے زمین کی تشبیہ ناشپاتی سے دی۔ عربوں میں مشہور سمندر کپتان ابن ماجد ہیں (Compass) قطب نما کا موجد ہے جو اس نے اہل چین سے مستعار لیا تھا اس نے چین اور اقصائے مشرق کی سیاحت کی تھی۔

اور چاند کی بابت تو ہر قوم میں دل چسپ حکایات کا بڑا ذخیرہ ہے جس کا نقل کرنا طول عمل اور ذائقہ کو بگاڑنے والا ہوگا۔

نظام فلکی اور زمین

دنیا کی قدیم تاریخی اقوام (بابلی، اشوری و مصری) کے تہذیب و تمدن کے جو ابتدائی نقوش زمین کے سینہ سے برآمد ہوئے ہیں ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق چاند سورج اور سیاروں سے کس قدر رہا تھا۔؟

علم نجوم کی اصطلاحات کا بیشتر حصہ بابل کی دین ہے جو دنیا کی اکثر زبانوں میں وہاں سے منتقل ہوکر پہنچا ہے لیکن ان قوموں نے اپنے ابتدائی مطالعے میں چاند سورج اور نظام فلکی کا محور کس کو قرار دیا تھا اس سلسلۂ تحقیق میں ان کے تصورات کا جو کچھ اندازہ ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قوموں نے آسمانی سیاروں اور خود آسمان کا محور اپنی زمین کو ٹھہرایا تھا کیوں کہ آفتاب کی ساری نفع بخشیاں زمین سے وابستہ نظر آتی ہیں۔ زمین میں جو کچھ حرارت و زندگی پیدا ہو رہی ہے اور جو کچھ بادلوں کی فیض رسانیاں ہیں جن سے یہ خطۂ ارضی سرسبزی و شادابی کی جنت، خوشنما نخل و شجر اور خوبصورت پھولوں پھلوں کی بہشت بنی ہوئی ہے اور اس باغ و راغ میں جو کچھ بہاریں آئی ہوئی ہیں، پھولوں اور پھلوں میں رنگت و نکہت اور رس اور مٹھاس جو کچھ ہے چاند سورج کی سرد و گرم روشنیوں سے پیدا ہو رہی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سارے سیارے زمین کے خادم اور چاکر کی حیثیت سے زمین کا طواف کر رہے ہیں چنانچہ نظام فلکی کے قدیم نظریہ یہی ہے کہ چاند سورج اور سارے سیارے زمین کے ارد گرد چکر کھا رہے ہیں۔

طالیس ملطی (The lea) جو یونانی علم و حکمت کا باوا آدم مانا جاتا ہے اس نے زمین کو مرکز کائنات مانا تھا۔ یہ نظریہ صدیوں تک انسانی ذہن پر مسلط رہا پھر جب کائنات ارضی پر شمسی نظام کی عجیب و غریب تاثیر آفرینی اور حیوانی و نباتاتی بلکہ خود انسانی حیات میں اس کی غیر معمولی جلوہ گری کا مشاہدہ کیا گیا تو ایک عرصہ کے بعد حکیم فیثا غورث نے زمین کے بجائے آفتاب کو مرکز عالم مانا۔ بطلیموس آسمان کی حرکت کا قائل تھا جب کہ فیثا غورث گردش زمین کے نظریہ کو تسلیم کرتا تھا کہ زمین نظام شمسی کے تابع ہوکر سورج کے ارد گرد گھوم رہی ہے۔

مشہور عالم یونانی فلسفی افلاطون اپنی تصویر میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر انسان کو آسمانی سطح کو نظر بنا رہا ہے اور ارسطو اپنی تصویر میں زمین کی طرف اشارہ کر کے ہمارے پاؤں کے نیچے بچھے ہوئے زمینی مسائل کی اہمیت کو ظاہر کر رہی ہے۔

اس قدیم دور سے لے کر موجودہ سائنسی عہد تک تمام ارباب فکر و نظر اور اہل علم ہر دو قدیم فلسفیوں کے نظریات سے آگے قدم نہیں بڑھا سکے اور آجکل کی عصری پکار موخرالذکر فلسفی کی صدائے بازگشت ہے۔

انسانیت کی قدیمی گمراہی

حقیقت حال یہ ہے کہ جب سے انسان نے حقیقت پسندی اور حقیقت رسی سے اپنا رخ پھیرا ظاہر بینی اور حواس پرستی کو اپنا نصب العین بنایا ہے تو وہ مظاہر پرستی اور عناصر پرستی کی دلدل میں پھنس کر رہ گیا ہے۔

یہ کائنات اسرار قدرت سے بھری ہوئی کتاب اور رنگا رنگ تصویروں کی خوشنما نمائش ہے جو مصور حقیقی کی موقلم کی نقاشی کا حسین مرقع بھی ہے اس مرقع میں عجیب و غریب حسین و جمیل، دلکش و دلکشا اور دل آویز و دلربا نقش و نگار ہیں جن کے اندر آئینۂ صفات کی ہلکی عکس [illegible] اور دھندلی جھلکیاں نظر آتی ہیں ان کے مطالعے اور مشاہدے میں یہ بیچارہ انسان ایسا گم ہوا کہ اصل نقاش کو (جو پردۂ در کے پیچھے جلوہ فرما تھا) بھلا بیٹھا۔

دنیا کی پرانی قوموں [illegible] خدا کی ذات کی معرفت سے محرومی نہ تھی۔ پچھلی قوموں میں شاید ہی کوئی ایسی قوم گزری ہو جو اپنے معبودوں، دیوتاؤں کے ساتھ ایک بڑے معبود (خدائے خدائگاں) کی قائل نہ رہی ہو۔

ان قوموں کی پرانی بیماری صفات الٰہی سے ناواقفیت تھی۔ دنیا میں الحاد و شرک کی بنیاد خداوندی صفات کی صحیح طور سے عدم معرفت سے پڑی ہے اس کائنات میں جو جو اشیاء تجلیات الٰہی کا مظہر نظر آئیں۔ دنیا کی مشرک قوموں نے ان چیزوں کو خدا کی معبودیت میں ان اشیا کو شریک بنالیا اس طرح دنیا میں شرک کی داغ بیل پڑی چونکہ خدا کے نور ہونے کی صفت کا مظہر چاند سورج اور ستارے تھے اس لیے قدیم اقوام بابل و مصر اور ہند کے لوگوں نے ان کو اپنا دیوی دیوتا مان لیا۔

اسی طرح طول طویل دریاؤں اور ندیوں اور پانی کے پھیلے ہوئے ذخیروں جھیلوں میں خدا کی صفت حیات جلوہ گر نظر آئی اس لیے ہمارے ملک میں وہ قابل عظمت ہو گئے ایسے ہی وسیع و عریض سمندروں بلند و بالا اونچے پہاڑوں سے خدا کی عظمت و کبریائی ظاہر ہوتی ہے اس لیے ان کی عظمت و بزرگی لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔

خود ہماری یہ زمین اس کے اندر پھیلے ہوئے دشت و بیاباں گلزار و گلستان باغ و بہار اور مرغزار اور یہ مال و دولت خداوندی ربوبیت کی نشانی ہیں اس لیے ان کی محبت و الفت دلوں میں نقش ہو گئی۔

قدیم زمانے میں غلہ اگانے، اناج پیدا کرنے اور کھیتی باڑی کے کام کو انجام دینے میں گائے بیل اور کہیں گھوڑے کو بھی دخل حاصل تھا لہٰذا وہ بھی پوجا کے قابل بن گئے۔

پھر اوہام پرستی نے پچھلے گزرے ہوئے بزرگوں اور اپنے پرکھوں کی نیک روحوں سے امداد حاصل کرنے کا دماغوں میں چکر پیدا کیا کہ انھوں نے روح اعظم سے تعلق پیدا کر کے خود عالم روحانی سے وابستہ کر لیا ہے۔ اس لیے ان نیک بزرگ انسانوں کے مجسمے، تماثیل اور پتھروں کے تراشے ہوئے بت قابل پرستش ٹھہرے۔ غرض جن جن چیزوں میں جلب منفعت یا دفع مضرت کا شائبہ نظر آیا انسان نے ہر اس مخلوق کو تخت خداوندی پر بٹھا دیا۔ سورج چاند اور سیاروں نے آسمانی معبودوں کا درجہ حاصل کر لیا اور جھاڑ پہاڑ، سمندر دریا، آگ و خاک پانی ہوا، غرض جملہ عناصر و کائنات کے اندر پھیلے ہوئے اکثر مظاہر خدا بنا دیے گئے۔ اس لیے پرانی قوموں میں یا تو کواکب پرست قومیں تھیں یا بت پرست۔ مشہور مورخ حمزہ اصفہانی نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ "دنیا میں صرف دو ہی فرقے تھے۔ ایک سمنین (بدھ مت کے ماننے والے) دوسرے کلدانین (کالڈیا والے)۔ پہلے بت پرست اور دوسرے ستارہ پرست سمنی یا شمنی مذہب کے ماننے والے تھے جو یوروپ اور مشرقی ممالک ہند و چین اور خراسان تک پھیلے ہوئے تھے۔

(تاریخ ملوک الارض صفحہ ۷۰)

مہاتما گوتم بدھ کی تعلیم اگرچہ اخلاقی اصول ہشت گانہ پر مبنی تھیں۔ اور ان کے یہاں عبادت اور پوجا پاٹ کا کوئی نظام نہ تھا لیکن بدھ کے ماننے والوں نے خود گوتم بدھ ہی کو ایک معبود بنا کر چھوڑا اور ان کی پوجا پاٹ شروع ہو گئی۔ ان کے مجسمے مغرب کے ہر حصے میں بنائے جانے لگے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے خود لفظ بت بدھ سے بنایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

طلوع اسلام

جب دنیا کا آخری الہامی، آسمانی مذہب مطلع عرب سے طلوع ہوا تو اس وقت دنیا کی بیشتر قومیں عام طور پر بت پرستی، مظاہر پرستی اور کواکب پرستی کی اندھیریوں میں بھٹک رہی تھیں۔ چاند، سورج، سیاروں، ستاروں، پہاڑوں، دریاؤں، درختوں اور پتھروں کے آگے انسان کی وہ بلند پیشانی جھک رہی تھی جس کے آگے خدا نے ساری کائنات کو سرنگوں کیا تھا۔ جیسا کہ ابھی کہا گیا فکر انسانی نے شروع شروع میں زمین کو مرکز عالم بنا کر ساری کائنات کو اس محور کے اردگرد گھومنے کا خیال پیدا کیا پھر آفتاب عالمتاب کی حیات آفرینی کی اہمیت کو محسوس کر کے اس کو مرکز کائنات ٹھہرایا۔ اور تمام سیاروں کے اس کے گرد طواف کرنے کا نظریہ ایجاد کیا۔ ہزاروں سال تک یہ نظریہ ایک مسلم الثبوت عقیدہ کی طرح انسانی ذہن پر چھایا رہا جس سے انحراف ایک حقیقت واقعہ سے انحراف قرار دیا جاتا اور اس کے خلاف ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہیں سمجھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی سے اس مضبوط و محکم عقیدہ کے قلعے میں رخنے پیدا ہونا شروع ہوئے اور اٹھارویں صدی تک پہنچتے پہنچتے صدیوں کا تعمیر شدہ مستحکم قلعہ ٹوٹنے لگا اب ہماری اس بیسویں صدی میں یہ سیکڑوں سال کا پرانا مضبوط حصن حصین زمین پر آ رہا۔ اب بیسویں صدی کے اس دور قمری نے جب کہ خود انسان نے خود چاند کے سینے پر اپنا نقش قدم ثبت کر دیا ہے۔ ہماری اس کائنات کا مرکز ثقل اپنی جگہ سے کھسک گیا۔

اب ہمارے پاؤں کے نیچے کی زمین سرک گئی ہے اور ہمارے قدم چاند پر پہنچ جانے کے باوجود خلا میں معلق ہیں۔ کیونکہ اب سورج، چاند اور تمام سیارے ایک کہکشانی نظام سے وابستہ قرار دیے گئے ہیں۔

پچھلے زمانے میں جب کہ طاقتور دوربینیں ایجاد نہیں ہوئی تھیں اور انسان تاروں بھری رات کا مشاہدہ کھلی آنکھ سے کرتا تھا۔ اس وقت تک جن سیاروں کا انکشاف ہوا تھا وہ یہی سات تھے۔ ان ساتوں سیاروں کی الٹی سیدھی رفتار کی بنا پر ان کے لیے سات آسمانوں کا وجود تسلیم کیا گیا۔ جن کے اندر یہ سیارے جڑے ہوئے گردش کرتے رہتے تھے۔ ان سیاروں کا وجود سات آسمانوں پر اس ترتیب سے مانا گیا تھا۔

قمر است و عطارد و زہرہ
شمس و مریخ و مشتری و زحل۔

لیکن جب انیسویں صدی میں سائنس جدید زمینی اور فلکی تحقیقات کے سلسلہ میں نوع بنوع ایجادات کو بروئے کار لایا اور نئے نئے طاقتور دوربینوں کی ایجاد نے انسانی نگاہ کے دائرہ کو بیحد وسیع اور بے پایاں کر دیا تو علم الافلاک کی دنیا میں زبردست انقلاب برپا ہوا آسمانوں کا وجود حسن نظر سمجھا جانے لگا اور سبعہ سیارہ کے علاوہ مزید سیاروں کا سراغ لگا۔ سب سے پہلے تو یورینس کا پتہ چلا پھر نیپچون کا پتہ چلا بعد میں ایک اور ستارہ پلاٹو دریافت ہوا۔ جب سائنسی تحقیق نے اپنی نگاہوں کو بلند کیا تو خود ہماری زمین کا سیارہ ہونا ثابت ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ تمام سیارے نو ستارے ایک نظام شمسی کے تابع ہیں۔ سورج کا یہ خاندان عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون اور پلاٹو پر مشتمل ہے۔ یہ نو سیارے یا نو کرے سورج کے گرد بیضوی مداروں میں چکر لگاتے ہیں ان نو سیاروں میں سورج سے سب سے زیادہ قریب عطارد ہے۔ جس کا فاصلہ سورج سے تین کروڑ ساٹھ لاکھ میل ہے اور سب سے بعید ترین سیارہ پلاٹو ہے جس کا فاصلہ [illegible] ارب میل ہے۔

پھر ان نو سیاروں میں سے بعض کے ارد گرد مزید چھوٹے چھوٹے سیارے بھی ہیں جو ان کے تابع اور ارد گرد گھوم رہے ہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے سیاروں کو ذیلی سیارہ کہا جاتا ہے۔

خود ہمارا یہ چاند زمین کا ایک ذیلی سیارہ ہے جو زمین سے دو لاکھ ستائیس ہزار میل کے فاصلے سے چکر لگا رہا ہے اس زمین کا تو ایک ہی چاند ہے مگر مریخ کے بارہ چاند ہیں اور زحل کے نو چاند یورینس کے پانچ چاند اور نیپچون کے بھی دو چاند ہیں۔ اس طرح اصلی اور ذیلی سیارے سب مل ملا کر چالیس سیارے ہو جاتے ہیں۔

یہ آفتاب عالمتاب ایک عظیم آتشیں کرہ ہے جو سلگتا ہوا اور بھڑکتا ہوا ایسا تنور ہے کہ جس کی آتشیں لہروں اور بھڑکنے والے شعلوں کا تصور بھی دماغ میں نہیں آسکتا۔ ہماری اس کائنات کو روشنی بخشنے والا اور حرارت پہنچانے والا عظیم گنبد یہ سورج ایک نظام کہکشانی[عہ] سے وابستہ ہے یہ سورج جس کہکشاں کا روشن ترین سیارہ ہے۔ ہماری یہ کائنات ایسی اربوں کہکشانوں کا "مجموعہ" ہے جن میں سے ہر کہکشاں کم از کم ایک کھرب ستاروں سے ملکر بنی ہے۔

حاشیہ۔ عہ کہکشاں سے مراد جدید علم فلکیات میں ثوابت اور سیاروں کی عدسہ کی شکل کا نظام ہوتا ہے جو زمین کے مرکز سے بہت دور واقع ہے۔ ہمارا کہکشاں جس کا ایک جز نظام شمسی ہے اور اس کی ضخامت یا

یہ کہکشائیں جو کھربوں سیاروں اور سورجوں پر مشتمل ہیں ان کو سائنسی زبان میں ستاروں کے جزیروں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان نجومی جزیروں کی تعداد اربوں تک پہنچی ہے۔ سائنس کی اتنی عظیم دوربینی کی ترقی کے باوجود ابھی تک کوئی ایسا طاقتور سے طاقتور دوربین اس حقیقت کے دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ آیا ان دیگر سیاروں میں بھی ہمارے نظام شمسی کی طرح نظام سیارگان پایا جاتا ہے۔ حالانکہ جدید ترین دوربینیں خلا میں اربوں نوری سال کے فاصلوں تک کو جھانک سکتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ عظیم کائنات اربوں کہکشانوں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں دس کھرب ستاروں کا مجموعہ ہے اگر ان ستاروں کو مکمل نظام شمسی کا حامل مان لیا جائے جیسے کہ جدید تحقیقات اسی حقیقت عالیہ کی طرف بڑھ رہی ہیں تو پھر ہمارے مقررہ اعداد و شمار ان کی تفصیل سے قاصر ہو جائیں گے۔ اور قرآن حکیم کی پیش کردہ وما یعلم جنود ربك الا هو (مدثر) کی حقیقت کبریٰ آشکارا ہو جائے گی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ۔ بلندی بتیس ہزار نوری سال ہے یعنی بتیس ہزار کھرب میل اور چوڑائی تین لاکھ نوری سال ہے پھر ہماری اس کہکشاں کے علاوہ بھی بہت سی کہکشائیں ہیں۔ جن میں بعض تک تو ایجاد دوربینوں کے ذریعہ رسائی ہو رہی ہے۔ مثلاً کہکشاں سدیم اینڈرومیدہ جو ہم سے آٹھ لاکھ پچاس ہزار نوری سال کے فاصلے پر ہے یاد رکھنا چاہئے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ ہے۔ اس رفتار سے روشنی ایک سال یعنی تین سو پینسٹھ دن میں جو فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال (light years) کہتے ہیں۔

یہ نظام شمسی اس کہکشاں کا نہایت حقیر جزو ہے اور اس نظام شمسی میں ہمارے سورج جیسے ایک کھرب ثوابت اور سیارے ہیں بلکہ ہمارے سورج کا قطر آٹھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار میل کا ہے اور سورج کے اندر کی روشنی اسقدر ہے جس قدر [illegible] پانچ سو تریسٹھ موم بتیاں ایک مربع فٹ میں جلانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ سیاروں میں سے ہمارا آفتاب سب سے چھوٹا سیارہ اور وہ زمین سے تقریباً نو کروڑ انتالیس لاکھ میل دور ہے ہماری زمین نظام شمسی کا ایک نہایت مختصر جزو ہے۔ کیونکہ زمین کا قطر خط استوا سے صرف سات ہزار نو سو ستائیس میل ہے۔ سورج سے ہماری زمین تک روشنی کے پہنچنے میں آٹھ منٹ لگتے ہیں۔ جب کہ بعض ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی کو زمین تک پہنچتے پہنچتے دو ہزار سال لگ جاتے ہیں۔ یورپ و امریکہ کے سائنسدانوں نے جدید تحقیق میں بتایا ہے کہ بعض سیارے ایسے بھی ہیں جن کی روشنی زمین تک کئی کروڑ برس میں پہنچتی ہے۔ اور ایک سیارہ حال میں دریافت ہوا ہے۔ جس کا فاصلہ زمین سے آٹھ سو پدم سنکھ دور ہے۔

یہ عقل وفہم قیاس و وہم کے دائرہ سے بلند و بالا حقائق کائنات اسی سائنس کی زبانی ہے۔ جس کو خدا کے منکر کی حیثیت سے "متعارف" کرایا جا رہا ہے۔ حالانکہ موجودہ سائنس انیسویں صدی کی ٹھوس مادیت Solid materialism سے چھلانگ لگا کر روحانی غیر مرئی توانائی کی عظیم حقیقتوں کی ترجمانی کر رہا ہے اور انسان کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمانی حقائق کی بلندیوں کی طرف لے جا رہا ہے۔

اس لحاظ سے ہمارا یہ نظام شمسی اپنے چالیس سیاروں سمیت اس وسیع و عریض اور بے پایاں کائنات میں ہمالیہ پہاڑ کے مقابل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں رہ جاتا۔ چاند یا خود زمین تو ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ حیثیت نہیں رکھتی یہ کہکشائیں اور اس کے اندر کے سیارے اور ذیلی سیارے قرآن نقطۂ نگاہ سے دنیاوی آسمان سے متعلق ٹھہرتے ہیں۔ جو ہماری نظروں کے سامنے گنبد کی طرح نظر آتا ہے جن آسمانوں کا مذہبی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ وہ ان تمام کروں اور کہکشاؤں سے بلند و بالا اور ماورا ہیں خالق کائنات نے اس دنیاوی آسمان کو روشن قندیلوں سے آراستہ کر کے انسانی نظروں کے لیے لطف و بہجت کا سامان بنایا ہے۔ ولقد زینا السماء الدنیا وجعلناها رجوما للشیاطین (الملک) ہم نے سماءِ دنیا کو چراغوں سے روشن کیا ہے اور شیاطین کے رجم کے لیے بنایا ہے۔

اس دنیاوی آسمان سے اوپر کیا ہے یہ علم انسانی اور آفاقی مشاہدہ کی سرحد سے باہر اور وحی ربانی کی روشنی کا محتاج ہے۔

پھر اس عالم کائنات کی بے کرانی اور عرصۂ افلاک کی بے پایانی عقل و خرد کے دائرہ سے باہر اور انسان کے مقررہ عادات و شعار کے احاطہ سے آگے تو ہے ہی لیکن اس سے بھی بڑھ کر جو حیرت انگیز حقیقت اور ذہن انسانی کو چکرا دینے والا واقعہ ہے وہ کائناتی نظام کی استواری و ہمواری

حاشیہ ۳۔ پرانے فلاسفہ حکیم بطلیموس اس کا قائل تھا کہ نیلگوں کرہ جو ہمیں نظر آ رہا ہے یہ آسمان نہیں ہے کیونکہ روشنی سترہ فرسنگ تک ہے اس کے آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہے جب روشنی نگاہ سے نفوذ کر کے اور ظلمت تک پہنچتی ہے تو نیلگونی نمایاں ہوتی ہے کیونکہ روشنی کے انعکاس کے لیے کثافت شرط ہے اسی لیے زمین میں روشنی پھیلتی ہے مگر آسمان میں نہیں کیونکہ آسمان نہایت لطیف ہیں اگر آسمان بھی زمین کی طرح کثیف ہوتے تو وہ بھی زمین کی طرح منور ہو جاتے۔ اس لیے ان کے اندر روشنی کا انعکاس نہیں ہوتا۔ علمائے اسلام میں قاضی ابوبکر عربی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ جو چیز ہماری نظروں میں بشکل چوروی شامیانہ نظر آ رہی ہے وہ آسمان نہیں ہے۔ تمام آسمان ہماری نظروں کے دائرے

اور اس کی پختگی و محکمی ہے جب سے اس کارخانۂ قدرت میں یہ نظام قائم ہوا ہے۔ اس وقت سے آج تک ہر طرح کے اختلال اور بدنظمی سے محفوظ رہنا۔ اور یک جہتی اور یکسانی کے ساتھ برابر قائم رہنا ایک عظیم واقعہ ہے۔ جیسا کہ جدید فلاسفر اور سائنسداں ایف آر موٹن نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ "کائنات کا حجم یا اس کی لامحدودیت انسان کے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتی۔ وہ چیز جس سے انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ وہ کائنات کی مکمل باضابطگی ہے۔ کوئی گڑبڑ نہیں کوئی اختلال نہیں کوئی چیز خلاف توقع نہیں"۔

بہر حال پچھلی قدیمی اقوام نے ابتداء اپنے دور جاہلیت میں اپنی کم مایگی اور جدید آلات کی عدم موجودگی میں جب ان کھلی آنکھوں سے کائناتی مطالعہ کیا تھا تو وہ زمین سے آسمان تک اس عظیم نظام کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو کر رہ گیا اور دنیا کی ہر ایسی چیز کو جس کے اندر کوئی عظمت کا پہلو نظر آیا اس کے آگے جبین عقیدت جھکا دی اس کو ہر فیض رساں اور مہیب مخلوق میں دیوی دیوتا نظر آنے لگے اور ان کے آگے وہ اپنا سر جھکانے اور ہاتھ پھیلانے لگا پھر جب نے دور کی تحقیقات جدیدہ نے نئے نئے آلات کی مدد زمین و آسمان کے اندر و باہر جھانکنے اور سینۂ گیتی کے اندر دفن شدہ خزانوں کو نکالنے اور عالم افلاک کو مسلح آنکھوں سے یعنی دوربینی کے ذریعہ چھان بین کرنے کا آغاز کیا تو پچھلے دور کی اکثر معلومات بے بنیاد اور پرانی حقیقتیں افسانے اور کہانیاں بن گئیں۔

اصل مرکز عالم

تحقیق جدید کے سورج کے طلوع ہوتے ہی پچھلی جہالتوں کی اندھیریاں چھٹنے لگیں اور حقیقتوں کے چہروں پر پڑے ہوئے دبیز نقاب اٹھنے لگے۔

ہماری بیسویں صدی جو سائنسی دور کا درخشاں دور ہے۔ اس نے کائنات کے مرکز کا پتہ چلانے میں شاندار جدوجہد کی ہے۔ اور ناانصافی کی بات ہوگی اگر اس کی انتھک محنت اور شاندار جدوجہد کا اعتراف نہ کیا جائے۔ آج کا انسان اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں زمین کے دائرہ سے باہر نکل کر اور جانوں کو جوکھم میں ڈال کر خلا تک پہنچ گیا ہے اور ابھی اس نے چاند سطح پر اپنا نقش قدم مرتسم کر دیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ... سے بلند ہے۔ (فتح الباری) جناب اکابر میں حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی نے مجموعہ شش متو کے اثبات میں ان سارے سیاروں کو آسمان کے درے بتایا ہے۔

لیکن پچھلے لوگوں کی طرح وہ بھی اس حقیقتِ اصلیہ کو فراموش کر گیا ہے کہ نہ زمین مرکزِ کائنات ہے اور نہ سورج ہی مرکزِ عالم اور نہ ان محیّر العقول کہکشانی نظام اصل کائنات کا مرکز ہے۔ بلکہ خود انسان ہی ساری کائنات کا مرکز و محور اور مقصود و مطلوب ہے۔ خدا کے پچھلے پیغمبروں نے اپنی قوموں کو یہی درس دیا تھا۔ اور ہر نبی نے اپنی امت کو یہی سبق پڑھایا تھا۔

آخر میں پیغمبرِ انسانیت، مرکزِ رشد و سعادت نے پھر انسان کو وہی بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اس کے سرِ بلند کو جو ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ مخلوق کے سامنے جھک رہا تھا دعوتِ ربانی کے ذریعہ واضح فرمایا کہ تمام جانداروں میں انسان کی پیشانی کو اس لیے بلند و بالا اور اس کے سر کو اس لیے اونچا رکھا گیا ہے کہ اس کے آگے ساری مخلوق اپنے سر کو خم کر دے اور خود انسان اپنے پیدا کرنے والے کے آگے اپنے سر کو جھکا دے جس کی بارگاہِ عالی میں تمام مخلوق سربسجود ہے۔ جنابِ رسالت مآب آفتابِ عالمتاب صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اپنے لیے خداوند قدوس کے مظہرِ اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کیا نہ پروردگارِ عالم کی صفاتِ عالیہ میں کسی صفت کے اندر شریک ہونے کو بتایا نہ اپنے لیے اختیار و قدرت کا اثبات فرمایا بلکہ ہر موقع پر اپنی عبدیت و بندگی، نبوت و پیغمبری کو صاف لفظوں میں ظاہر کیا۔

توحیدِ ربانی کی دعوت

پیغمبرِ اعظم رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعوتِ حقانی کو اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اس طرح راسخ و پختہ کر دیا کہ وہ دنیا کی دو عظیم شہنشاہیتوں روم و ایران جیسی زبردست طاقتوں سے ٹکرا گئے لیکن نہ کسی شخصیت کے آگے خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا جھکے نہ کسی طاقت کے آگے انھوں نے گھٹنے ٹیکے اور نہ دنیا کی زیب و زینت، مال و دولت کے جال میں کہیں پھنسے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے توحیدِ ذاتی، توحیدِ صفاتی اور توحیدِ افعالی کو ایسے صاف و شفاف انداز میں پیش کیا کہ خدا کی شانِ کبریائی سے انسانوں کے دل معمور اور ان کے سینے پرنور ہو گئے۔

توحیدِ خداوندی کے اس اچھے اور صاف ستھرے عقیدے نے عناصر پرستی، مظاہر پرستی کا قلع قمع کر دیا۔ خدا کی آخری کتاب قرآنِ حکیم نے اپنے معجزانہ انداز میں ایسی صحیح تعلیم مرحمت فرمائی کہ صفاتی شرک کی تہ بہ تہ پھیلی ہوئی باریک اور مہین جڑوں کو کاٹ کر پھینک دیا۔ جس کے رگ و ریشے انسانوں کے دلوں میں جگہ پکڑ چکے تھے قرآنِ حکیم نے اپنے علمی اعجاز سے عقل و وجدان کی روشنی میں شرکِ ذاتی و صفاتی کی اس طرح تردید فرمائی کہ ہر حق پسند آدمی اس کے ماننے پر مجبور ہو گیا۔ خدا کی وحدت

کا صور اس زور شور سے پھونکا کہ آسمان کا گنبد گونج اٹھا اور چار دانگ عالم میں اس کی آواز پھیل گئی۔ ابھی آدھی صدی نہ گذرنے پائی تھی کہ اس کی صدائے بازگشت مشرق سے مغرب تک سنائی دی جانے لگی۔

بعثتِ محمدی

چھٹی صدی عیسوی جب آفتابِ اسلام کا طلوع اور اس کے عالمگیر پیغام و احکام کا ظہور ہوا تو یہ اعلانِ وحدانیت ایسے زلزلہ فگن انداز میں کیا گیا کہ دنیا کی ساری قومیں جو خوابِ غفلت میں گرفتار تھیں۔ وہ سب اس آوازۂ حق سے چونک پڑیں اور اپنے ہاتھوں سے آنکھیں ملتی ہوئی جاگ اٹھیں جس طرح سوئے ہوئے انسان کی آنکھوں میں سورج کی شعاعوں کا انعکاس چکا چوند پیدا کر دیتا ہے اسی طرح آفتابِ توحید کی جلوہ افروزی نے اہلِ فکر و نظر کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا اور جس طرح سورج کے نکلنے سے اندھیریاں دور ہو جاتی ہیں اور ہر چیز نظروں کے سامنے آ جاتا اور ہر چہرہ کے داغ دھبے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پچھلے مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے اپنے مذہبوں کی عقل و فکری کجی کوتاہیاں نظر آنے لگیں اور ہر مذہب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے مذہب کے غلط سلط اوہام و خیالات اور غیر فطری و غیر عقلی معتقدات کی تنقیح و تہذیب کرنے پر مجبور ہو گیا اور جملہ اہلِ مذاہب کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ وہ چہرۂ مذہب کے داغ دھبے دور کرے اور جو کچھ اس کے اندر نقص و عیب ہیں اسلام کے عالمگیر اصول سے روشنی حاصل کر کے اپنی صورت کو سنوارے چنانچہ اسلام کی اس انقلابی دعوت اور اعلانِ توحید کا یہ اثر ہوا کہ شرک پسند قومیں بھی خدا کی وحدانیت کا بادل نخواستہ دم بھرنے لگیں اور خدائے خدایگاں کی کبریائی و یکتائی کا جو تصور عام طور سے ذہنوں سے محو ہو گیا تھا ذہنی سطح پر وہ نقش ابھر آیا۔ اسلام نے ماسوا کی نفی، خدا کے اثبات پر عقیدۂ توحید کی بنیاد رکھی جس نے مظاہر پرستی کی جڑ کو اپنے حکیمانہ علمی اسلوب سے کاٹ کر صاف کر دیا۔ غیر اللہ کے آگے سر جھکانے سے خواہ وہ اجرام الفلکی کے سیارے ہوں یا زمینی مخلوق میں کوئی طاقتور شخصیت کا مظہر ہو ہر طرح سے روک دیا۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (السجدہ)

سورج و چاند کے آگے تم اپنے سرِ بلند کو نہ جھکاؤ اس خدائے واحد کے آگے جھک جاؤ جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اگر اس کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔

لیکن پھر بھی اس کی ضرورت باقی رہی کہ حضور انور علیہ السلام نے جس طرح علمی انداز میں مظاہر پرستی کا خاتمہ فرمایا اسی طرح ایک عملی معجزہ سے اس کی بیخ کنی فرما دیں اس لیے حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ حضرت رسول مقبولؐ کے دست مبارک سے ایسا کرشمہ دکھایا جائے کہ ہر حق پسند انسان کے سامنے حضور پرنورؐ کی صداقت و سچائی اور کائناتی مظاہر کی مجبوری و لاچاری اور ان کی بے ثباتی و ناپائداری آنکھوں کے سامنے عیاں ہو جائے اور کسی مخلوق کے لیے ایک بلند و بالا طاقت کے سوا کسی طرح کے اختیار و اقتدار کا شائبہ باقی نہ رہے۔

چاند سورج ایسی دو آسمانی نشانیاں ہیں کہ جن کی عظمت و بزرگی اور نفع بخشی کے آگے پہلی سبھی مشرک قومیں ہمیشہ سے سر جھکاتی چلی آ رہی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک کے معجزانہ اشارے سے چاند کا کرہ شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین سے متعلق اس حسین ترین سیارے نے زمین کے ایک مقدس و محبوب پیغمبر کی محبت میں اپنا پاکیزہ سینہ چیر کر رکھ دیا۔

شق القمر کا معجزہ

پیغمبر اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عظیم الشان معجزہ ہمارے موجودہ دور کے کچھ مہم جو انسانوں کے ایک منصوبہ بند کارنامے کی طرح نہیں ہے۔ جنہوں نے ایک عرصہ دراز تک فکری و دماغی اور تجرباتی عمل سے برق رفتار راکٹوں کو ایجاد کیا اور خلائی پرواز کی مدتوں کامیابی و ناکامی کے مرحلوں سے گزر کر چاند تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کی اور زمین کے اس ذیلی سیارہ کے اوپر قدم رکھ دے جس کو قدیم انسان ہزاروں برس سے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کرہ تک رسائی حاصل کرنے کی تمنا اس کے دل میں رہ رہ کر مچلتی رہتی تھی۔ اس چاند کے سینہ پر اپنے نقوش قدم ثبت کر دے اور اس سطح پر چہل قدمی کر کے اس کی مٹی کے نمونوں کو بہم پہنچا کر آسمان کو سر پر اٹھا لیا بلکہ شق القمر کا عظیم معجزہ ایک عظیم پیغمبر کے اعجاز آفریں ہاتھ کا ایسا غیر معمولی کرشمہ ہے جو تاریخ انسانیت میں حیرت ناک ہوشربا واقعہ اور عقل انسانی کو چکر میں ڈالنے والا حادثہ ہے اس دور کی مادی و سائنسی عقل کو اس کے تسلیم کر لینے میں ابھی تک شک و شبہ اور تذبذب ہے جبکہ خود اس کی عقل محیر العقول ایجادات سے ایک عالم کو مبہوت و حیران بنا رہی ہے۔ اور جبکہ سائنسی جدید تحقیق ہزاروں پر نور ستاروں کے بے نور ہو جانے اور سینکڑوں روشن ستاروں کے تحلیل ہو کر ہوا ہو جانے کے یقینی مشاہدات کا اعلان کر رہی ہے مگر اس خلائی دور اور جوہری عہد میں بھی چاند کے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جانے کے واقعہ کو مخبر صادق

کی خبر کے باوجود تسلیم کرنے کے لیے مادہ پرست انسان تیار نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور پرنور علیہ السلام کے اس معجزہ کا تعلق دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح کائنات ارضی سے نہیں ہے بلکہ اجرام علوی سے ہے اور یہ اجرام علوی یعنی آسمانی سیارے اور ستارے پچھلی قوموں کے لیے غیر معمولی عظمت و جلالت کے نشان رہے ہیں۔ ان کی اس طرح کی تسخیر کا تصور ہی پچھلے لوگوں کے لیے ناقابل فہم اور ناقابل یقین تھا۔ لیکن آج جبکہ عصری سائنس تسخیر کائنات کے ناقابل فہم خیال کو عملی حقیقت کا روپ دے رہا اور چاند کی سطح پر انسانی نقش قدم ثبت کر کے عظمت انسانی کا پرچم لہرا رہا ہے۔

اگر خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر کے ہاتھوں اس تسخیر کائنات کی اقتدائی قدم کی طرف اس معجزہ کے ذریعہ اشارہ کر دیا گیا ہو تو اس کے امر واقعی تسلیم کرنے میں کونسا امر مانع ہے؟

جب روشن ستاروں کا بے نور ہو جانا اور بے نور ستاروں کا تحلیل ہو کر ہوا ہو جانا سائنس کے نزدیک ایک مسلم حقیقت ہے تو خود چاند کے شق ہونے میں کونسا امر محال لازم آتا ہے اس لیے شق القمر ایک امر ممکن ہے اور ہر ممکن معرض وقوع میں آ سکتا ہے۔ البتہ اس کے واقع ہونے کی تصدیق یا تو مشاہدہ عینی سے ہو یا کسی مخبر صادق کی سچی خبر سے پھر اس کے بعد اس امر واقعی کے انکار کے لیے عقلا کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی جیسے کہ آگے چل کر ان شاء اللہ ہم ثابت کریں گے کہ یہ معجزہ درجہ شہرت سے آگے بڑھ کر تواتر کی حدود کو پہنچا ہے۔ اس لیے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

البتہ اس معجزہ کا تعلق جب عالم فلک سے ہے تو اس کے دیکھنے والوں کا حلقہ اہل مکہ تک محدود نہیں رہتا جہاں جہاں چاند نظر آ رہا ہوگا۔ اور رات کے اس حصے میں جن جن لوگوں کی نظر آسمان کی طرف لگی ہوگی اس سارے منطقہ میں اس تعجب خیز واقعہ کا مشاہدہ ہونا چاہیے۔

کیونکہ ہمارے ملک ہندوستان پر بھی اس وقت رات اپنا تاریک سایہ ڈال رہی ہوگی۔ اس لیے شق القمر کا معجزہ ہندوستان میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی کو کچھ تاریخی روایت سے اس امر واقعی کا ثبوت ہو جائے تو پھر اس کے تسلیم کر لینے میں شک و شبہ کو راہ نہ دینا چاہیے۔

کیونکہ عرب و ہند کے باہمی تعلقات ما قبل تاریخ سے ایک دوسرے کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ اس لیے یہاں پہنچ کر بقدر ضرورت ہم اس پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ناظرین کے سامنے اس سلسلہ کے بعض نئے گوشے سامنے آ جائیں اور اس سلسلہ کی عام تاریخ پر جو پردہ پڑا ہوا ہے یا کچھ مورخین نے قصداً پردہ ڈالنے کی کوشش کی

ہے۔ وہ نگاہوں سے ہٹ جائے اور ہمارے ملک کے دو فرقوں کے درمیان جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں وہ اصلی حقیقتوں کی روشنی میں کافور ہو جائیں ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را۔
گاہے گاہے باز خواں آں قصۂ پارینہ را۔

باب دوم

عرب اور ہند کا قدیمی تعلق

ملک عرب و کشور ہند ایشیائی براعظم کے رشتے سے آپس میں بندھے ہوئے ہیں لیکن ان دونوں ملکوں کے درمیان کے ایک طویل و عریض خطۂ آبی حائل ہے اس آبی چادر کا ایک کنارہ عرب یمن، حضرموت، حجاز کے ساحلوں تک پھیلا ہوا ہے تو دوسرا کنارہ جنوبی ہند، مالابار، مدراس کے بحری ساحلوں سے ملتا ہے۔ یمن و حضرموت کے صوبہ جنوبی ہند (کولم و کالیکٹ) کے مدمقابل واقع ہیں۔ اصل میں یہ ایک ہی سمندر ہے جس نے تکونی شکل اختیار کر لی ہے۔

اس سمندر کا تیسرا حصہ باب المندب (کامران و سقوطرا) سے نکل کر بحیرہ قلزم تک جا پہنچا ہے۔ جو اس آبی خطہ عرب سے متصل ہے وہ بحیرۂ عرب اور جو حصہ ہند سے ملحق ہے بحیرۂ ہند سے موسوم ہوا عرب کا یہ قدیم ملک تین طرف سمندروں سے گھرا ہوا ہے اور ایک طرف ربع خالی زیادہ تر ریگستان، جنگل بیابان ہونے کی وجہ سے حیات انسانی کی ضرورت اناج، غلہ، پھل پھلاری اور ہر ایک چیز کی پیداوار سے محروم اور زراعتی معیشت سے بیگانہ تھا اس لیے ایسے ملک کے باشندوں کے تجارتی قوم کی حیثیت سے ابھرنا اور اپنے لیے تجارت کو ذریعۂ معاش بنانا قدرتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ان کے چاروں طرف بڑے ملک واقع ہوں جیسے کہ عرب کے حدود اربعہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ عرب کے مشرق میں خلیج فارس شمال میں عراق و ایران اور دوسری طرف شام و افریقہ اور سامنے ہندوستان ہے اس لیے ان ملکوں سے عربوں کے تعلقات ماقبل تاریخ سے قائم ہیں۔ بحرین، عمان، حضرموت، یمن و حجاز وہ مقامات ہیں جو بحر احمر، بحر ہند اور خلیج فارس پر آباد ہیں (عرب و ہند کے تعلقات ص ۱)

پہلی دریائی تاجر قوم

تاریخی نقطۂ نظر سے ہم کو اس امر پر غور کرنا ہے کہ وہ کون سی پہلی قوم ہے جس نے سب سے پہلے دریائی تجارت کا دروازہ کھولا اور ان سمندروں کے سینوں پر اپنی کشتیوں اور بحری بیڑوں کو دوڑایا۔ تاریخ کے پردے پر جس قوم کا وجود دریائی تاجر قوم کی حیثیت سے نمایاں نظر آتا ہے یونانی زبان میں فینیقی یا فینیشی، عبرانی میں اس کو کنعانی اور آرامی اور کلدانی کے نام سے اس قوم کو یاد کیا گیا ہے یہی وہ قوم ہے جس کو قرآن حکیم نے "عاد ارم" کا لقب دیا۔ الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد (الفجر) جس سے ان کے عظیم تمدن کے موجد ہونے اور اس سے پہلے کسی قوم کے تعمیرات کے بانی مبانی نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

اس سلسلہ میں اہم سوال یہ ہے کہ یہ قوم ہے کون؟ ان کا مقام سکونت دریائے دجلہ فرات میں ہونا ان کے سامی نژاد ہونے کو واضح کرتا ہے لیکن یہ کہ ان کا اصل مسکن کہاں تھا۔ جدید محققین اور یوروپ کے مستشرقین نے لکھا ہے کہ وہ عرب تھے جو ساحل عرب سے اٹھ کر شام میں سکونت پذیر ہو گئے تھے بحرین ان کی مشرقی بندرگاہ اور تائر بحر روم کے کنارے مغربی بحری مرکز تھا جہاں سے وہ یونان کے جزیروں یوروپ کے ملکوں اور شمالی افریقہ کے کناروں تک پہنچے تھے دوسری طرف یہی عرب ایران و ہند اور چین کی بندرگاہوں تک لنگر انداز ہوتے تھے انھی کے ذریعہ یونانی تہذیب کی داغ بیل پڑی۔ یہی لوگ شمالی افریقہ کے قرطاجنہ (کارتھیج) کی تہذیب کے بانی مبانی ہوئے۔

حاشیہ صہ ۸۸

نئی دنیا کو کس نے دریافت کیا؟

پچھلی دو صدیاں اٹھارویں انیسویں مغرب یا یورپ کی عالمی فتحیابیوں اور کامرانیوں کی صدیاں ہیں۔ جب راقم السطور نے ہوش و شعور کی آنکھیں کھولیں تو سلطنت برطانیہ کا سورج نصف النہار پر تھا یہ بات زبان زد تھی کہ برطانوی حکومت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا دنیا کے سمندروں پر مغربی اقوام کا تسلط تھا اور یہ برطانوی حکومت ملکہ [illegible] کہلاتی تھی انیسویں صدی میں برطانوی ڈچ جیسی سے ایشیا کے بہت سے ممالک

کو اپنے پنجۂ اقتدار میں اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ عوام و خواص مرعوبیت کا شکار اور ذہنی غلامی میں گرفتار ہو چکے تھے انگریز مصنفین کا ہر خیال خواہ اس کے اندر کتنا ہی کھوٹ ہو کھرا سکہ مانا جاتا تھا۔

ان مصنفین نے مغربی ممالک کی جوع الارض کو مہم جوئی اور پسماندہ ممالک کو مہذب بنانے کی پالیسی کی شکل میں پیش کیا تھا مشہور عالم بحری سیاح کولمبس کو نئی دنیا کا دریافت کرنے والا قرار دیا تھا حالانکہ کولمبس کو نئی دنیا کی طرف یہ بحری سفر بھی اسی ہوس ملک گیری کا ایک شاخسانہ تھا اس وقت ہسپانیہ توسیع سلطنت کے معاملہ میں سب کا پیش رو تھا۔ ہسپانیہ کی ملک گیری کی بھوک اپنے قریبی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد بھی نہیں مٹی تو اس نے نئی سرزمین کی تلاش میں اپنا بحری بیڑہ آگے بڑھایا اور جیسا کہ مشہور ہے سراسٹوفر کولمبس نے ۱۴۹۲ء میں نئی دنیا کو تلاش کر کے ہسپانیہ عظمیٰ کا جھنڈا لہرایا۔

لیکن کیا واقعتاً کولمبس نے امریکا کو دریافت کیا ہے یوروپ کے تاریخ سازوں کی سیکڑوں من گھڑت دروغ بافیوں میں سے یہ بھی ایک جھوٹ ہے جس جھوٹ کو بار بار بول کر سچ کر دکھایا ہے کو تاریخی حقیقت کی کسوٹی پر رکھ کر دیکھا جاتا ہے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس جھوٹ سے بڑھ کر کوئی بڑا جھوٹ نہیں۔

جس طرح بابل، مصر اور ہندستان کی کھنڈرات کے سلسلہ میں مغربی مستشرقین نے تاریخ کی گمشدہ کڑیوں کا پتہ لگایا ہے اسی طرح خود امریکہ کے ماہرین آثار قدیمہ نے جن حقائق کا انکشاف کیا ہے اس سے سانحہ واقعہ کی قلعی کھل جاتی ہے

امریکہ کے مختلف علاقوں میں ماہرین آثار قدیمہ کی نگرانی میں جو کھدائیاں ہوئی ہیں ان سے ماقبل تاریخ کے عجیب و غریب انکشافات کا ثبوت ملا ہے، ریاست ٹینی سی میں ایک سنگین کتبہ ۱۸۸۹ء میں دستیاب ہوا جس پر ایک عبارت کندہ ہے۔

برانڈیو یونیورسٹی کے بحر روم کے مطالعہ کے شعبہ کے چیئرمین ڈاکٹر سائرس ایچ گورڈن نے اس کو شناخت کر کے بتایا ہے کہ وہ تانبے والے دور کی عبارت ہے ایسے ہی ریاست جارجیہ میں حاصل شدہ کتبہ ۱۹۶۶ء میں ملا ہے جس پر کندہ عبارت کی بابت برگ یونیورسٹی کے سامی زبانوں کے ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ یہ کتبہ …… ق م دو ہزار قبل مسیح کے دور کا کتبہ ہے بہرحال یہ بات تو مسلم الثبوت ہو چکی ہے کہ سب سے پہلے باہر سے آکر امریکہ میں بسنے والے قبیلے کا تعلق افریقہ کے خطے سے تھا منگول جو امریکہ کے اصلی باشندے اور ریڈ انڈین کے بعد وہاں کے پرانے باشندے ہیں ان کا مورث

اصل کون تھا؟

جدید تحقیقات رہنمائی کرتی ہیں کہ نائجر نامی علاقے کے ایک سردار نے اپنے خطے سے نقل مکانی کا فیصلہ کیا اور اپنے دو ہزار آدمیوں کے ساتھ افریقہ سے سمندری بیڑوں میں سوار ہو کر نامعلوم علاقے کی طرف روانہ ہو گیا اور ایک نامعلوم ساحل پر لنگر انداز ہوا وہ نامعلوم علاقہ بھی امریکہ تھا لیکن اس نامعلوم علاقے کی طرف لانے والے کون تھے وہی فینیقی یا کنعانی جو روز اول سے دنیا کے سمندروں کو اپنے بحری تجارتی سفروں کو جولانگاہ بنائے ہوئے تھے۔

اس حقیقت کے دلائل وہ آثار قدیمہ ہیں جو کھدائیوں میں ہاتھ لگے۔

(۱) امریکہ کے وسطی مشرقی ساحلی علاقوں میں جو کشتی کو تھے کے آلات ملے ہیں ان کی ساخت وہی ہے جو افریقہ کے عرب ملاح استعمال کرتے تھے یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ افریقہ ہی کشتی کا مولد ہے یہیں سے کشتی ساری دنیا میں پھیلی۔

(۲) امریکہ کے بعض علاقوں میں جو نقش خاکے ملے ان کے اندر ان لوگوں کے چہرے مہرے چال ڈھال وضع قطع سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ملاح تھے جو سمندری راستوں سے چل کر اور یہاں آ کر فروکش ہوئے۔

(۳) جن جانوروں کی تصویریں یا مجسمے ہاتھ لگے ہیں جیسے وہ کوہان کے اونٹ گینڈے دریائی گھوڑے وہ افریقہ کے اسی نائجر علاقے ہیں۔

(۴) قدیم شکستہ عمارتوں کے جو آثار سامنے آئے ہیں ان کی تعمیری ہیئت، پتھروں کی بناوٹ بعینہٖ وہی ہے جو صدیوں سے عرب ممالک میں چلی آ رہی ہے۔

(۵) خود کولمبس نے لکھا ہے کہ اس نے نئی دنیا میں حقہ نوشی کو دیکھا جو افریقہ میں قدیم زمانے سے آج تک عام ہے کولمبس نے امریکہ میں نہ بھونکنے والے کتے دیکھے جو افریقہ کے نائجر علاقے میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔

بہر حال افریقہ کے قبیلوں کو جن میں مالی کے نیگرو بھی شامل ہیں عرب ہی لانے والے تھے چنانچہ امریکہ کے اصلی باشندوں ریڈ انڈین پر عرب تہذیب کے اثرات خیالات و معاشرت اور لباس وغیرہ پر مرتب ہوئے جن کا ثبوت ان کے اندر رسم ختنہ کی موجودگی ہے جو سامی قوم کا خصوصی شعار ہے بہر حال ایسے کھلے شواہد ہیں جس سے تین ہزار سال پہلے سامیوں کے ایک قافلے کا امریکہ پہنچنا ثابت ہوتا ہے یہ وہ کتبہ ہے جو برازیل میں مستند دستیاب ہوا جو عربوں کی جہاز رانی اور سمندروں میں جولانی کی پوری پوری تصدیق کرتا ہے اس کتبہ کی عبارت کا ترجمہ سامی لسانیات کے ماہر ڈاکٹر گورڈن نے کیا ہے جن کا ابھی ذکر ہوا وہ یہ ہے

”ہم کنعان کے بیٹے جب بادشاہ کی راجدھانی بحارون سے آئے ہیں تجارت ہم کو اتنے دور دراز ساحلوں پر لائی ہے۔“

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ اس عبارت سے دس فینیقی جہازوں کی آمد کا نشان ملتا ہے جو قدیم بندرگاہ ایزون بہر حال جدید شہر ، سے آئے تھے یہ واقعہ سنہ قبل مسیح کا ہے بہر حال اس قدیم کتبے نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کر دیا کہ عرب ہی ما قبل تاریخ سے سمندروں کے اصل بادشاہ تھے جس طرح ایشیائی سمندروں کے تجارتی جولانگاہ تھے اسی طرح عرب جہاز رانوں امریکہ کے ساحلوں پر آمد و رفت رکھتے تھے جس طرح مشہور بحری ملاح ابن ماجد جو اسد البحر دریا کے شیر کے لقب سے مشہور تھے نے واسکوڈی گاما کو ہندوستان پہنچایا تھا ان کے آباؤ اجداد کنعانی لوگوں نے افریقہ کے لوگوں کو امریکہ پہنچا دیا۔

حاشیہ

تاریخ انسانی کا انجام یا نقطۂ اختتام جس طرح نامعلوم ہے اسی طرح اس کے نقطۂ آغاز کا حال ہے لیکن ماضی کے دور کا سیلاب چونکہ کرۂ ارضی کی پشت پر سے گزر چکا ہے اس لیے جا بجا اس کے نئے نئے نشانات مل جاتے ہیں جس سے کچھ قیاس آرائی کی جا سکتی ہے۔ بہر حال بیشتر تاریخ کے ابتدائی اوراق گم ہیں اور ان کی تلاش و جستجو جاری ہے قرآن حکیم نے قوم عاد و ثمود اور مدین اقوام مصر کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ عرب عاربہ اور مستعربہ (قحطانی اور عدنانی قبائل) اور اقوام مصر کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ عرب عاربہ اور مستعربہ ان قوموں کے پرانے قبیلوں سے نسلاً بعد نسلاً واقف ہوتے چلے آ رہے تھے لیکن جب انسانی تاریخ کی تحقیق کے سلسلہ میں کھدائیاں شروع ہوئیں تو معلوم ہوا کہ وادیٔ دجلہ و فرات اور خاکنائے نیل تہذیب انسانی کا سرچشمہ ہے اس طرح ہمیں تمدن انسانی کا سراغ ملتا گیا۔ ان کھدائیوں نے قرآن حکیم کے ان اقوام کی تہذیب و تمدن کے کارناموں پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اس کو اٹھایا اور تاریخ انسانی کی کڑیوں کا تسلسل ثابت کر دیا۔ عرب بائدہ کی یہ قومیں ہی تہذیب انسانی کی بانی مبانی تھیں اس لیے ان کو سکونتی مقامات ہی ارض القرآن اور ان کے عروج و زوال کی داستانیں تاریخ القرآن ہیں۔ قرآنی اعجاز کا یہ نیا پہلو قرآن کے مخالفین کی مساعی جمیلہ کے ذریعہ ہم پر ظاہر ہوا۔

فللّٰہ الحمد

جس کے اندر مشہور فاتح ہنی بال نے اپنی زبردست فتوحات کی بنا پر تاریخ میں نام پیدا کیا اس لئے تاریخی عہد سے پہلے ہی سامی قبیلوں میں اشوری فنیقی قبیلوں نے سب سے پہلے سمندر کو اپنی سرگرمیوں کا جولانگاہ بنایا اور ان کے بحری بیڑے بحیرہ احمر سے جب آگے بڑھے تو ان کو سب سے پہلے ہندوستان کے ساحلوں پر فروکش ہونے کا موقع ملا اور اس وسیع و عریض ملک میں ان کی نو آبادیاں بننے لگیں۔

جنوبی ہند کی دراوڑ قوم

عہد تاریخ سے پہلے نوع انسانی کے امنڈتے اور ابلتے ہوئے انسانوں کے قافلوں کا منبع و سرچشمہ دو مقام نظر آتے ہیں۔

(۱) دجلہ و فرات کا دوآبہ۔

(۲) جیجون و سیحون یا صحرائے گوبی یا سینٹرل ایشیا کا میدانی علاقہ۔

اگرچہ دجلہ و فرات کا دوآبہ سامی قبیلوں کا ہمیشہ سے مرکز رہا تو جیجون و سیحون کا علاقہ اور صحرائے گوبی کا خطہ آریائی قبائل کا سرچشمہ بنا۔

براعظم ایشیا کے بڑے بڑے خطوں میں نسل انسانی کے قافلے خصوصیت سے ان دو مرکزوں سے نکل کر دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔

اس سلسلہ میں ہمارے ملک ہندوستان کو اولیت کا فخر حاصل ہے جس کی آغوش ہر باہر سے آنے والی قوم کے لیے ہمیشہ سے کھلی رہی ہے چنانچہ آریائی قبیلوں کے صحرائے گوبی یا سینٹرل ایشیا کے آنے سے صدیوں پہلے عراق (میسوپوٹیمیا) کے مشہور قبیلے سمیری نے اپنے آبائی وطن عراق سے رخت سفر باندھ کر بہت پہلے ہندوستان میں اپنا ڈیرا ڈالا اور اس ملک کو اپنا وطن بنایا۔

عراق کے قبیلے سمیری (دراوڑ) جب اس سرزمین پر اترے تو بعد میں یہی لوگ دراوڑ کہلائے اور ہند کی سرزمین پر عراقی تہذیب کا سب سے پہلا نقش قائم کیا۔ تاریخ سے ناواقف لوگوں کے لئے یہ امر باعث تعجب اور عجیب و غریب حقیقت ہوگی کہ یہ سمیری قبیلہ جو ہندوستان وارد ہو کر یہیں کا ہو کر رہ گیا یہ سامی نسل کی ایک شاخ ہے وہی شام مصر جو عرب کی مورث اعلیٰ ہے اس قبیلہ کا تعارف پہلے کرایا جا چکا ہے کہ بابلی اقوام کثرت دہشت کی وجہ سے ستارہ پرست تھے اور چاند کو رب دانش مانتے تھے بہرحال ہمارے اس بھارت میں ابتدائی تہذیبی نقوش اسی قوم کی مساعی کا نتیجہ ہیں ان کے تہذیبی آثار کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دراوڑ آریوں کی طرح خشکی کے راستہ سے ہندوستان وارد نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے ایک جہاز پسند قوم کی طرح خدا کا نام لے کر اپنے حوصلہ و ہمت کی کشتی کو اس عظیم سمندر میں ڈال دیا اور سمندر کی وسعتوں کو پار کر کے اس ملک میں فروکش ہوئے آہستہ آہستہ اندرون ملک پھیل کر اپنے تمدنی نقوش ثبت کرتے چلے گئے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دراوڑ قوم نے سمندر کے کنارے کے علاقوں کو ہمیشہ اپنا مرکز بنائے رکھا اور کبھی بھی ساحلی علاقوں کو نہیں چھوڑا یہاں کے قدیم اصلی باشندوں سے تہذیبی میل جول اختیار کیا اور ان کو زور و طاقت سے مرعوب اور مغلوب کرنے کی حکمت عملی کو شاید نہیں برتا۔

پھر جب وسط ایشیا کے میدانوں سے آریوں کی آمد کا سیلاب امنڈنا شروع ہوا تو دراوڑی قوم کو ان کے حملوں کی وجہ سے مرکز کی طرف سکڑنا اور اس تازہ دم و نوجوان طاقتور آریائی قبیلوں کی مسلسل یلغار سے پسپا ہونا پڑا ان کے پے در پے حملوں کی تاب نہ لا کر پھر یہ قوم جنوبی ہند کے خطے میں محصور ہو کر رہ گئی۔

لیکن عربوں کی ہندوستان میں آمد و رفت بند نہیں ہوئی جس طرح آریائی قبیلے خشکی کے راستے شمالی ہند کو تاخت و تاراج کرتے رہے اسی طرح سامی قبائل کی کشتیاں ہندوستان کے ساحلوں پر اترتی رہیں اور جنوب ہند کے قبیلوں میں یہ لوگ ضم ہوتے گئے جن کا پتہ چلانا بھی اب دشوار ہو رہا ہے

ہمارے اس دعویٰ کی تاریخی دلیل یہ ہے کہ اس ملک جس کو بعد میں آریہ ورت کا نام دیا گیا کی ابتدائی تحریریں داہنی جانب سے شروع ہوتی تھیں مہاراجہ اشوک جو بدھ مت کے منادی کی حیثیت سے عالمگیر شہرت کے حامل ہیں اور جنھوں نے مہاتما گوتم بدھ کے مذہبی احکام اور تبلیغی پیغام کی نشر و اشاعت کو عام کیا ان کے کتبات جو ایک طرف پشاور کے مضافات کابل و بامیان کے اطراف اور گجرات کے مشرقی ساحل کاٹھیاواڑ اور جونا گڑھ تک پھیلے ہوئے ہیں اور دوسری طرف انتہائے مغرب جو کبود اگروهی شہباز گڑھی اور سندھ کے شہر منصورہ کے قرب و جوار سے دستیاب ہوتے ہیں یہ سارے کتبات [illegible] داہنی جانب سے بڑھے جاتے ہیں پھر عجیب بات یہ ہے کہ یہی حروف یونانی [illegible] و ایرانی ہندوستانی حکمرانوں کے سکوں میں عموماً مستعمل ہیں۔ مزید لطیفہ یہ ہے کہ انہی حروف کو عموماً آرین پالی کہا جاتا ہے اس کے مقابل وہ حروف جو بائیں جانب لکھے جاتے ہیں وہ ہندی پالی کہے جاتے ہیں۔ اول الذکر حروف کو خروشتی یا گندھارا لپی کہا جاتا ہے کہ ظاہر ہے کہ سامی اور شاید آرامی زبان کے رسم الخط سے ماخوذ ہوں گے چنانچہ مشہور ماہر لسانیات پروفیسر گوار نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ عراق کے تاجروں نے آٹھویں صدی قبل مسیح میں ان حروف کو ہندوستان میں روشناس کرایا چونکہ تاجر قوم کو سب سے زیادہ حساب و کتاب سے واسطہ پڑتا ہے ہو سکتا ہے کہ اعداد و شمار اور دوسری کتابت کا طریقہ ان سے سیکھا ہو (انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا)

بحوالہ عرب و ہند ص۹۰

ہر معمولی پڑھا لکھا آدمی اس امر سے واقف ہے کہ آرین قوموں کی تحریریں بائیں جانب سے اور سامی اقوام کی تحریریں دائیں جانب سے ہمیشہ لکھی جاتی رہیں اور آج تک لکھی جاتی ہیں اس لیے عرب و ہند کے قدیمی تعلق جو ماقبل تاریخ سے قائم ہے اس کی روشن دلیل اور مضبوط وثیقہ ہیں۔

مزید شہادت عربوں کی تجارت کی قدامت پر بائبل عہد عتیق سے بھی ملتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے جو عرب تاجر تجارتی سامان کو لیے ہوئے اس علاقے سے مصر اور اسکندریہ تک جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ان کا سامان جبال، مصوبر، اور دوسری خوشبودار چیزیں تھیں (پیدائش ۳۷ تا ۲۸)

یمن کی مشہور ملکہ بلقیس نے بادشاہ سلیمان کے لیے جو تحائف (غالباً ۹۵۰ ق م میں) شام کو لائی تھی وہ بھی خوشبو کی چیزیں اور بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر تھے (بائبل سلاطین دوم ص۹)

حزقیال نبی ۵۸۰ ق م کے زمانے میں اوزال (یمن) سے فولاد، تیز پات اور مسالے وغیرہ ملک شام کو لے جاتے تھے چنانچہ حزقیال نبی لکھتے ہیں۔

"اوزال (یمن) سے تیرے بازار میں آہن و فولاد، تیز پات اور مسالے بکتے ہیں... (حزقیال ۲۷ : ۱۹)

توریت کے ان حوالوں سے عربوں کا ہندوستان کے ساتھ تجارتی تعلق مسیح کے دو ہزار سال پہلے ثابت ہوتا ہے کیونکہ جن تجارتی اسباب و سامان کا ذکر کیا گیا ہے یہ تجارتی اشیاء ہمارے ملک ہند یا اس کے ملحقہ جزائر شرق الہند (جاوا، ملایا) سے وساور کی جاتی تھیں۔

بہر حال تاریخ عالم کے تجارتی احوال میں سب سے پہلے جو قوم بحری کاروبار کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے وہ عرب قوم ہے ان کے قافلے جہاں خشکی کے راستوں کو قطع کر کے دکھائی دیتے ہیں وہیں سینۂ بحر میں ان کی کشتیاں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ عربوں کا تجارتی راستہ یہ تھا کہ ایک طرف ان کے خشکی کے قافلے حجاز و یمن سے چل کر مصر و شام پہنچتے تھے تو دوسری طرف ان کی بادبانی کشتیاں کچھ تو افریقہ اور حبش کی طرف رخ کرتی تھیں اور کچھ یمن سے کنارے کنارے حضر موت، عمان، بحرین اور عراق کے کناروں کو طے کر کے خلیج فارس کے ساحلوں (ابحر و عبدان) سے گذر کر یا تو بلوچستان کی بندرگاہ دیبز میں اتر پڑتے یا پھر آگے بڑھ کر سندھ کی بندرگاہ دیبل (موجودہ کراچی) پر پہنچتے اور ملتان کو سے گجرات، کاٹھیاواڑ اور وہاں سے بندرگاہ تھانہ (بمبئی) اور آگے بڑھتے بڑھتے کالی کٹ اور راس کماری تک پہنچ جاتے اور پھر کولم (مدراس) تک پھیلتے کبھی سراندیپ لنکا اترتے اور کبھی مدراس سے بنگال کی خلیج کی طرف نکل جاتے پھر برما اور سیام

اور چین تک دھاوا بولتے (عرب و ہند ص۹۰)

الغرض زمانہ ماقبل تاریخ سے لے کر مارکو پولو اور واسکوڈی گاما تک ان علاقوں کی بحری تجارت کی باگ ڈور عربوں کے ہاتھ میں رہی۔

البتہ یونانیوں نے جب مصر پر قبضہ کر لیا تو اس وقت عربوں کی اس تجارت کو دھکا لگا پھر بھی یہ تجارت پوری طرح یونانیوں کے ہاتھ نہیں چلی گئی کیونکہ بقول یونانی مؤرخ اگاتھرسدس ۱۱۳ ق م عربوں کی جہازات ہندوستان کے ساحل سے سبا (ملک یمن) تک آتے اور وہاں سے مصر پہنچتے رہیں (تاریخ ہند الفنسٹن صاحب ص۱۹۲)

بہر حال زمانہ قدیم ملک یمن اور حضر موت کی خوش حالی کا راز عربوں کی وہ تجارت ہے جو خشکی اور تری کے راستے ہندوستان سے ہوتی تھی۔ (دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص۲۶۳)

پھر جب اسلام آیا تو چھٹی صدی عیسوی سے لے کر پندرھویں صدی تک عالمگیر فتوحات میں پھر دنیا کی بحری و بری تجارتی شاہراہوں کو عربوں کے ہاتھ میں دے دیا اور زیادہ تر عرب ہی ان آبی شاہراہوں پر بلا شرکت غیرے مالک و مختار بنے رہے۔

حاشیہ ص۹۵

ہندوستان کی پرانی قومیں

ہندوستان کی قدیم تواریخ میں اس ملک کو ہمیشہ سے آریہ قوم کا ملک قرار دیا گیا تھا جو ہمیشہ سے یہاں بستے چلے آ رہے تھے لیکن علم الاقوام کی نئی تحقیقات نے اس پرانے مفروضے کو یکسر غلط ثابت کر دیا ہے اور یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے کہ آریوں کی آمد سے پہلے بھی یہاں اور قومیں باہر سے آئیں اور آباد ہوتی تھیں ان میں سے بعض کا تعلق دور حجری کے تمدن سے تھا اور بعض نے معدنی اشیاء (دھات) کا استعمال یہاں آ کر سیکھا اور ایک قوم تو آریوں سے پہلے ایسی گذری جس نے ہر طرح کی زراعتی، تجارتی ترقی میں قدم رکھ کر ہمارے ملک کو اعلیٰ تہذیب و تمدن کے حسین نقش و نگار سے آراستہ کیا اور اس سرزمین میں تابندہ و پائندہ آثار چھوڑے۔ جس طرح مصر اور بابل کی حفریات نے اہل نظر کے سامنے ایک نئی دنیا کو لا کھڑا کر دیا اور قدیمی مردہ تمدنوں کو نگاہوں کے سامنے زندہ کر دکھایا اور تاریخ انسانی کا نیا باب کھول دیا اسی طرح ہندوستان کے مختلف علاقوں موہنجوداڑو، سندھ اور ہڑپا، ٹیکسلا، پنجاب (سندھ) کی کھدائیوں نے آریوں سے پہلے قوموں کے تہذیبی آثار کو نمایاں کیا۔ جس قوم نے آریوں سے پہلے ہندوستان کو

تمدن عطا کیا ایک نئی تہذیب کی داغ بیل ڈالی وہ دراوڑ قوم ہیں جن کی شکستہ دیواروں پر آریوں کے تمدن کی بلند و بالا عمارت بنی لیکن دراوڑ لوگوں سے بھی پہلے اور قومیں یہاں آکر بسی ہیں علم الاقوام کے ماہرین اور جدید محققین نے جو کچھ اب تک کھود کرید کر تحقیقاتی نتائج نکالے ہیں ان نتائج کے مطابق دراوڑ لوگوں سے پہلے اولڈ نیگریٹو اور پھر آسٹرک قبیلوں کے ہند میں آنے کا پتہ چلتا ہے۔ ان محقق کی تحقیقات کی روشنی میں ڈاکٹر سنی کمار چٹرجی نے جو اندازہ ان کی آمد کا قائم کیا ہے وہ ہم کو پانچ چھ ہزار سال قبل مسیح تک لے جاتا ہے۔

(۱) سب سے پہلے وہ قوم جس نے علم الاقوام کی روشنی میں ہندستان میں قدم رکھا وہ نیگریٹو ہے جو افریقہ سے سمندری کنارے چل کر آئے اور تہذیب کے ابتدائی مرحلے (دورِ حجری) سے گذر رہے تھے یہ لوگ جنوبی ہند سے شمالی مشرقی ہند میں پھیلتے ہوئے اور جزائر انڈومان میں بس گئے ان کے آثار اب بھی ملایا، سماترا اور فلی پائن کے مجمع الجزائر میں ملتے ہیں ان کے کچھ قبائل جو [illegible] تبت اور برمی علاقوں میں اپنی خصوصیات کے ساتھ موجود ہیں۔ لسانی خصوصیت تو جزیرہ [illegible] میں باقی رہی ہے۔

(۲) دوسری قوم آسٹرک ہے جو جزیرۂ روم سے چل کر ہند آئی جن کی شاخیں انڈونیشیا، ملیشیا اور کچھ مغربی خطوں تک پہنچیں ان کے کچھ گروہ ہند چین پہنچ کر مکھمیر اور کمبوڈی قبائل اور کچھ نکوبار پہنچ کر نکوباری کہلائے۔ بعض ماہرین علم الاقوام کے نزدیک صوبہ آسام کے قدیم کھاسی بھی انھی میں ہیں ان میں کول، منڈا، سنتھالی، ہو، بوردہ اور بھومیجے اور کرکو وغیرہ شامل ہیں جنھوں نے اپنی بولیوں کی خصوصیات کو قائم رکھا ہے۔ آسٹرک لوگوں نے ہندستان میں زراعتی مشغلہ (پہاڑی ڈھلوانوں میں دھان کی کاشت) شروع کیا اور لوہے کا استعمال یہاں آکر سیکھا ان کے یہاں قمری حساب جاری تھا اور بیس کے عدد سے آگے عدد نہ تھا ان کا مذہبی عقیدہ تناسخ ہندومت کا ایک جزو بن گیا ہمارے مشہور دریا گنگا کا نام ان کی بولی کھانگ کیانگ یا کھوم سے بنا ہے جس کے معنی اب بھی سیامی، انامی، ہند چینی بولیوں میں ندی یا پانی کے ہیں اندازہ کیا جاتا ہے کہ پانچ ہزار سال قبل مسیح یہاں آئے تھے

(۳) ہندستان میں باہر سے آنے والوں میں سب سے بڑا قافلہ دراوڑ قوم کا ہے جو جزیرۂ روم سے ہو کر وادیٔ سندھ میں ابتداً فروکش ہوئے پھر شمالی خطوں میں پھیل گئے یہ حقیقت اب مسلّم ہو چکی ہے انھوں نے یہاں ایک تہذیب کو نشوونما دیا ان کا سررشتہ سمیری اور بابلی تہذیب سے

جڑا ہوا ہے جو کتبے اور مہریں ملی ہیں اس سے ان کی کامل مکمل تہذیب کا پتہ چلتا ہے ان کی زبان ترقی یافتہ تھی جس کی چار شاخیں جنوبی ہند میں تامل (مدراس) تیلگو (آندھرا) کنڑہ (میسور و کرناٹک) اور ملیالم (کیرل) میں پھیلی ہوئی ہیں

غیر آریائی زبانوں میں سب سے بڑی زبان دراوڑی ہے جو سنسکرت سے بالکل جداگانہ ہے جن میں نقطۂ اتصال نہیں چونکہ دراوڑی زبانیں اتصالی ہیں جب کہ آریائی زبانیں اشتقاقی ان کے اندر سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان تامل ہے جو سنسکرت سے سب سے کم متاثر ہوئی ہے یہ دراوڑی زبانیں ہندستان کے ایک تہائی باشندوں کی زبانیں ہیں اس لیے کل ہند کے لیے ایسی مشترک زبان (لنگوا **افرنکا**) کا وجود جو شمالی و جنوبی ہند کو ملانے والی ہو لسانی نقطۂ نظر سے مشکل ہے

(۴) ان تینوں قوموں کے بعد آریہ وسط ایشیا سے چل کر ایران میں سکونت پذیر ہوئے شمال مشرق سے ہند میں آنا شروع ہوئے جہاں سے تاریخ ہند کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا چونکہ آریہ نہایت ذہین، مہم جو، خوبصورت و طاقتور تھے اور خانہ بدوشی کے دور سے گذر کر زراعتی و دیہاتی زندگی میں داخل ہو چکے تھے اس لیے اپنی جنگجویانہ صلاحیتوں کی بنا پر دراوڑوں کو شمالی ہند سے نکال کر بلا شرکت غیرے قابض ہوتے چلے گئے۔

آریائی زبانیں جو ہند یورپی (انڈو یورپین) کہی جاتی ہیں ان کی ایک شاخ ایران میں سرسبز ہو کر پہلوی کہلائی اور سب سے بڑی شاخ نے سنسکرت کا روپ دھارا چنانچہ ایرانیوں کی قدیم مذہبی کتاب اوستا اور ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتاب رگ وید میں پوری پوری مماثلت و مشابہت ہے جس طرح پہلوی قدیم ایرانی سے جدید فارسی بنی اسی طرح ہند میں کسی آریائی زبان نے سنسکرت کی شکل اختیار کی۔ اردو زبان اگرچہ یہاں کی پراکرت بولیوں سے بنی ہے لیکن سنسکرت سے اس کا زبردست رشتہ ہے اس لیے اردو اور ہندی ایک ہی زبان کی دو شاخیں ہیں اردو نے اپنی قدیم شاخ پہلوی زبان اور عربی سے رشتہ مضبوط کیا اور ہندی نے سنسکرت کا دودھ پیا ہے اس لیے آسان صاف سلیس اردو اور سہل ہندی میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

(ماخوذ انڈو آرین اینڈ ہندی کے سی چٹرجی)

بحوالہ اظہار نظر کا خلاصہ

اہلِ ہند کی عرب میں آمد و رفت

یہاں پہنچ کر ایک عام غلط فہمی کو دور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے عام طور سے اہلِ ہند کے متعلق یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ وہ اپنے ملک سے باہر جانے کے کبھی روادار نہیں ہوئے اور ہندو بحری سفر کو گناہِ عظیم یعنی (مہا پاپ) سمجھتے تھے جیسے کہ الفنسٹن نے اس خیال کو ظاہر کیا ہے (تاریخ ہند باب تجارت ص۱۸۲)

اس نظریہ میں یک گونہ صداقت ضرور ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی پیشوا (برہمن) انھیں خیالات کے قائل تھے۔ ملک کی چار دیواری سے باہر نکلنا ان کے نزدیک واقعۃً گناہ تھا لیکن دوسرے فرقے اس خیال سے متفق نہ تھے بلکہ ان کے بیرونی سفروں کا سلسلہ جاری رہتا تھا چنانچہ ان لوگوں نے ہندستان سے ملحقہ علاقوں میں نہ صرف سکونت اختیار کی بلکہ ان علاقوں میں اپنے تمدنی نقوش اس قدر گہرے کیے کہ وہ ملک آج تک ہندستان کی نسبت سے مشہور ہیں جیسے جزائر شرق الہند اور غرب الہند۔ اور ان کے ناموں کا جزو آج تک انڈیا ہے جیسے انڈونیشیا انڈوچائنا وغیرہ۔ ہندستانیوں نے ان بیرونی ممالک میں نہ صرف سکونت اختیار کی بلکہ اپنی حکومتیں بھی قائم کیں جن کے آثار جزیرۂ بالی (انڈونیشیا) میں آج بھی مرتسم ہیں۔

مہاتما گوتم بدھ کے چیلوں کے تبلیغی اسفار اور ان کے مذہبی آثار مشرقی ایشیا کے کونے کونے میں بکھرے ہوئے ہیں جس طرح ہندستانیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ مشرقی علاقوں میں جاری تھا اسی طرح مغربی ایشیا کے خطے یمن، بحرین، عمان، قطر، الشحر اور حضر موت کے ساحلی مقامات پر ہندستان کے باشندوں نے بود و باش اختیار کر رکھی تھی اور کچھ مقامات پر تو اقتدار کی باگ ڈور بھی ان کے قبضے میں آگئی تھی ہندی لوگ اہل عرب کے درمیان جانے پہچانے جاتے تھے۔ چنانچہ ان کو زُط (جاٹ) سیابجہ (سندھی لوگ) اساورہ اور اسامرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا خصوصاً زُط اور سیابجہ یعنی جاٹ اور سندھی لوگ عرب کے مشرقی ساحلوں یمن اور حضر موت کے علاقوں میں بکثرت پائے جاتے تھے

پیغمبر اسلام حضور علیہ السلام کو ہندستان کے لوگوں سے خصوصاً زُط یعنی جاٹ

قوم سے کس درجہ واقفیت تھی اس کے لیے اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری کی روایت سب سے زیادہ مستند و وثیقہ ہے حضور علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰؑ سے جب عالم مثال میں ملاقات فرمائی تو ان کی قد آور شخصیت اور گورے چٹے انسان ہونے کو رجالِ زُط سے تشبیہ دی واما موسیٰ فادم جسیم سبطاً کانہ من رجال الزط (بخاری شریف ص۴۸۹ جلد دو)

یعنی موسیٰؑ وہ ایک گندم گوں بھاری جسم والے گھونگریالے بال والے تھے گویا کہ وہ جاٹوں میں کے ایک فرد ہیں۔

اس لیے جس طرح اہل عرب ہندستانیوں کے لیے کوئی اجنبی مخلوق نہیں تھی اسی طرح عرب لوگ اہل ہند سے بے گانہ نہ تھے۔

ہندستان میں اسلام کا داخلہ

ہندستان جنت نشان پر اسلام کی شعاعیں کس صدی میں پڑیں؟ اور اسلام کا مبارک قدم اس سرزمین پر کب پڑ سکا؟

انڈو یوروپین مؤرخین عرب مسلمانوں کی ہندستان میں آمد کے سلسلے میں محمد ابن قاسم کے تاریخی ۹۳ھ حملہ کو مسلمانوں کے اولین داخلہ قرار دینے میں متفق ہیں لیکن جہاں تک عرب و ہند کے تاریخی اشارے ہماری رہنمائی کرتے ہیں وہ اس اتفاق سے اختلاف کرتے ہیں

عربوں اور ہندستانیوں کے باہمی ربط و ضبط تجارتی رسم و راہ اور تعارفی رشتہ حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے صدیوں پہلے سے چلا آرہا ہے۔ متمدن دنیا بین الاقوامی تجارتی تاریخ کے اوراق اس پر گواہ ہیں کہ سکندر اعظم کے ہندستان پر حملہ سے پیشتر عربوں کے تجارتی قافلے مغربی ساحلوں پر آنے جانے لگے تھے اور ہندستانی پیداوار خصوصاً بخورات یعنی خوشبودار اشیا اور یہاں کے مزیدار مسالے جنوبی عرب کی بندرگاہوں پر پہنچنے لگے تھے جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا

شاہراہِ عظیم

یہ قافلے خلیج فارس کو عبور کر کے یہاں آتے اور یہاں کے سامانوں کو لاد کر پہنچاتے اور حجاز و یمن کی عظیم شاہراہ سے

(جس کو قرآن عظیم میں امام مبین سے یاد کیا گیا ہے) ہو کر مصر و شام تک سامان تجارت لے جاتے اور یورپ کے لوگ مصر و اسکندریہ کی بندرگاہوں سے ان ہندستانی اشیا کو خرید کر مغرب کے بازاروں کی زینت بناتے گویا عرب و مصر اس دور قدیم میں ہندستان و روم و ایران کے تجارتی تعلقات کی درمیانی کڑی بنتے رہے قدرت نے اسلام کی عالمگیر دعوت کی مرکزیت کے لیے عرب کو جو منتخب فرمایا ہے کیا عجب ہے کہ اس کے اندر اس جغرافیائی جائے وقوع اور تجارتی شاہراہ عظیم سے قریب ہونے کا بھی دخل ہو چونکہ عرب بیرونی دنیا کے تمام ملکوں کی درمیانی کڑی بننے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے تھے اور قدیم زمانے سے اس سلسلہ کی کڑی بنے رہے تھے حجاز و یمن کی وہ عظیم شاہراہ جیسے قرآن نے "امام مبین" کہا ہے۔ سامی قبیلوں کی وہ قدیم شاہراہ ہے جس پر عرب بائدہ یعنی اصلی عرب کے باشندوں کے قدیمی قبائل عاد و ثمود و طسم و جدیس اور عمالقہ و مدین کے قافلے تاریخی دور سے پہلے گذرتے رہے اور آخری میں وہ [illegible] کاروان قابل ذکر ہے جس نے حضرت یوسف کو ایک غلام کے روپ میں کنعان سے لے جاکر مصر کے بازار میں فروخت کیا تھا جس کا ذکر بائبل میں بھی ہے

(ارض القرآن)۔

بہرحال عربوں کے یہ تجارتی قافلے نامعلوم زمانے سے یورپ و ایشیا کے جوڑنے کا فرض انجام دیتے چلے آرہے تھے اور ہمارے ملک سے ان علاقوں کے باشندوں کا تجارتی سلسلہ براہ راست قرنوں سے قائم ہے۔

عرب اور ہند کے مابین قدیمی تجارت

پچھلے دور میں عرب اور ہند کے درمیان جس قدر ایک دوسرے سے بُعد و دوری کے لیے سمندروں کو حائل بنا کر پیش کیا گیا تھا اور سات سمندر پار قوم کے مورخوں نے جس قدر ان دونوں قوموں نے باہمی اجنبیت اور بیگانگت کو ثابت کرنا چاہا تھا عرب و ہند کے ماقبل اسلام اور بعد اسلام کے تجارتی شواہد اس کی نفی کرتے ہیں چونکہ تجارتی روابط تاریخ کے قدیم دور سے ان کے درمیان قائم و استوار تھے۔ اسلامی فتوحات سے دینی و ملی تعلق نے تجارتی سلسلہ میں استحکام و پائداری کے اندر خوشگوار تبدیلی پیدا کی۔ اور دین و دیانت نے عقیدت و محبت کی رنگ آمیزی پیدا کی چنانچہ خلافت راشدہ میں ہندستانی اشیا کا عرب میں استعمال عام تھا یزید ابن قیس کلابی نے جو عہد فاروقی کا ایک شاعر ہے کہا ہے ؎

اذا التاجر الهندی جاء بفارة
من المسك حمت فی سوالفه تجری

جب ہندی تاجر مشک کا نافہ لے کر ہمارے یہاں وارد ہوتا ہے تو اس کی گردن سے مشک بہنے لگتی ہے۔

یہ ہندی تاجر ہندستان سے عود، کافور، زنجبیل، تلوار، ساگوان کی لکڑیاں لے جاتے تھے عود کی لکڑی جس نے عربوں کی محفلوں کو اپنی خوشبوؤں سے مہکا رکھا تھا سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے عود کی خوشبو سے مسجد نبوی کو معطر فرمایا ایک مرتبہ غیر معمولی مقدار میں جب عود مدینہ پہنچی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اسے مسجد میں سلگا دو کہ عام مسلمان اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں چنانچہ عود سلگانے کی یہ سنت مسجد نبوی میں صدیوں سے جاری ہے (شفاء الغرام ص۳۴ جلد ۲)

ہم میں سے ہر شخص اس کو جانتا ہے کہ ساگون کی لکڑی صرف ہندستان میں پیدا ہوتی تھی لیکن عرب کا اس کا استعمال عام طور پر پھیلا ہوا تھا۔ ہمارے ملک کی اس لکڑی کو خصوصی فخر حاصل ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا وہ تخت جس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے اور سانحۂ وصال جس پر پیش آیا وہ تخت ہندی ساگون کا تھا جیسے کہ علامہ بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت اسد ابن زرارہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک تخت پیش کیا جس کے پائے اور ستون ساگون کے تھے اسی تخت پر آپ سوتے رہے اور اسی پر آپ کا وصال ہوا اور اسی پر نماز پڑھی گئی (انساب الاشراف ص۵۲۵ جلد ۱)

علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ترکہ میں جب اس کو بیچا گیا تو چار ہزار درہم میں بکا (المعارف ص۹۳)

حضرت عثمانؓ نے جب ۲۹ھ میں مسجد نبوی کا توسیعی پروگرام بنایا تو اس میں سب سے پہلے ساگون استعمال کیا خود حضرت عثمانؓ کا مکان اور حضرت طلحہؓ کا کوفہ کے محل میں

بھی ساگون استعمال کیا گیا تھا (شفاء الغرام ص۳۲ ج ۱)

حضور علیہ السلام نے حضرات صحابہ کرام کو ان ہندستانی چیزوں کے استعمال کا حکم دیا جو عرب میں پائی جاتی تھیں خصوصیت سے دواؤں میں مشک، عود ہندی قسط ہندی، کافور، زنجبیل وغیرہ اور مشک کے استعمال کے بارے میں احادیث بکثرت ہیں المسک اطیب الطیب ایسے ہی عود ہندی کے لیے حدیث میں ہے بحا سرھم العلوۃ اسی طرح عرب میں ہندستانی تلواریں عموماً استعمال ہوتی تھیں بنی قینقاع کے غزوہ میں حضور علیہ السلام کو تین تلواریں ہاتھ لگی تھیں ان میں (۱) سیف قلعی (۲) دوسری تلوار کا نام بتار تھا (۳) تیسری تلوار حتف نامی تھی بہر حال قلعی تلوار ہندی تلوار تھی۔ قلعی دراصل جیسا کہ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ دراصل قلعہ کی طرف منسوب ہے اس عظیم قلعہ کے اندر رانگ کی ایک بڑی کان تھی قلعی تلواریں یہیں ڈھالی جاتی تھیں جو کہ جنوبی ساحل پر کلہ ایک مشہور شہر ہے (معجم البلدان ص۱۵ ج۴)

اس ہندی تلوار کی آب و تاب، چمک دمک اور برش و لمعانی کی بنا پر مشہور مداح رسول حضرت کعب ابن زہیر نے جو مشہور قصیدہ حضور علیہ الصلاۃ و سلام کی مدح میں لکھا ہے اس کے اندر اس ہندی تلوار کو مشبہ بہ بنایا گیا ہے قصیدہ بانت سعاد کا وہ مشہور شعر یہ ہے ؎

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُسْتَضَاءُ بِہٖ
مُہَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

بیشک رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سراپا نور ہیں جن کے نور سے وہ ہندی تلواریں
جو بے نیام اللہ کی تلواریں ہیں کسب ضیا کرتی ہیں

غرض عربی لٹریچر میں ان ہندی تلواروں کا اس کثرت سے ذکر ہے کہ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں یہ عربوں کی وہ محبوب تلواریں تھیں جو ان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھیں کیا عجب ہے کہ ہندہ جو عرب میں محبوبہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی تعلق کی وجہ سے عربی ادب میں چھا گیا ہو (واللہ اعلم)

اسلام کی عالمگیر دعوت

آفتاب اسلام جب عرب کے اُفق سے طلوع ہوا تو حیات انسانی کا قافلہ چھٹی صدی عیسوی کی منزل سے گذر رہا تھا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء اور سانحۂ وصال ۶۳۲ء کو پیش آیا

جب اسلام کا سورج فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا تو اس کی سنہری کرنوں نے اولاً مکہ و مدینہ کے اُفق کو تاباں کیا پھر سارا عرب ان تیز شعاعوں سے روشن ہو گیا۔ نبوت کا یہ آفتاب عالمتاب ابھی غروب نہ ہونے پایا تھا کہ اس کی نرم نرم اور ہلکی ہلکی کرنیں ہمالیہ کی پیشانی کو چومنے لگیں اور بحیرۂ عرب کی طرح بحر ہند کی سطح اس کی تابانیوں سے جگمگانے لگی

یہ امر ملحوظ رہے کہ چھٹی صدی عیسوی دنیا کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ صدی ہے جس کے اندر مہذب دنیا سے الگ تھلگ اور روبہ ترقی عصری تمدن سے کوسوں دور خالص ریگستان کے ایک غیر معروف گوشہ میں سوئی ہوئی قوم قدرت کی ایک ٹھوکر سے ایکدم بیدار ہو کر انگڑائی لیتی ہوئی دکھائی دیتی اور ایک نبی اُمی فداہ ابی و اُمی کی بابرکت دعوت کا علم لے کر کھڑی ہوتی ہے اور اس وقت کی مہذب و متمدن اقوام کو یہ پسماندہ قوم چند دنوں کے اندر دعوت حیات وارتقا دیتی نظر آتی ہے۔ نصف صدی نہیں گذرنے پاتی کہ مشرق سے مغرب تک یہ قوم چھا جاتی اور ایک نئی تہذیب نئے تمدن کی داغ بیل ڈال دیتی ہے۔

اس وقت انسانیت کا نظام اجتماعی یا نظام حکومتی جہاں چھوٹی چھوٹی [illegible] (ریاستوں) میں بکھرا ہوا تھا وہاں دو بڑی شہنشاہیتوں روم و فارس نے آدھی دنیا کو اپنے پنجۂ اقتدار میں مضبوطی سے دبا رکھا تھا

ایرانی شہنشاہیت یعنی (پرشین امپائر) جو چین و ہندستان تک اپنے دائرۂ نفوذ کو وسیع کرنے کا منصوبہ رکھتی تھی وہیں رومی شہنشاہیت شام و مصر کے ممالک سے لے کر یورپ کے برفستان تک پھیلی ہوئی تھی اس کا مشرقی دارالسلطنت ایلیا (بیت المقدس) یا حمص تھا تو مغربی راجدھانی قسطنطنیہ تھی اس وقت کی آدھی دنیا ان دونوں زبردست اور قہرمان حکومتوں کے شکنجے میں کسی ہوئی کراہ رہی تھی۔ ایک طرف عیش و عشرت اور رفاہیت و راحت کی جگمگاتی ہوئی زندگی کے اونچے بالاخانے پر خواص اور حکومت کے

ارکان لطف و مسرت سے ہمکنار رہتے تھے تو دوسری طرف فقر و محتاجی، غربت و بدحالی کی غلیظ اور تنگ و تاریک، ذلت و خواری کی پستیوں میں عوام اپنی حیات کے منحوس اوقات گذار رہے تھے خواص یعنی مقربین بادشاہ کا معیار زندگی علاحدہ تھا اور فلاکت زدہ عوام و علما کا معیار الگ۔ ان دونوں معیاروں میں زمین و آسمان کا فرق تھا ایک مالکوں، حاکموں، آقاؤں کا گروہ تھا اور ایک مملوکوں، محکوموں اور غلاموں کی جماعت تھی۔ اول الذکر گروہ کا سربراہ بادشاہ یا شہنشاہ گویا دیوتا یا خود ساختہ خدا بنا ہوا تھا اور عام رعایا اس کے زرخرید غلاموں کی حیثیت رکھتی تھی۔

ان شہنشاہوں، حکمرانوں اور مہاراجوں نے اپنے اقتدار اعلا کو عوام کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لیے ایک شیطانی فلسفہ ایجاد کر رکھا تھا کہ وہ سب آسمانی دیوتاؤں (چاند سورج اور سیاروں) کے مظہر اور اس زمین میں ان کی طرف سے مقرر ہیں۔ ان کی اطاعت و فرمانبرداری آسمانی دیوتاؤں کی خوشنودی کا باعث اور سب کے لیے خوش حالی کا پیغام ہے اور ان بادشاہوں کی بغاوت و نافرمانی ان دیوتاؤں کی غضب و ناراضگی کا سبب اور ان کے لیے تباہی و بربادی کی نشانی ہے۔

پیغمبر عالم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ۶۱۰ء میلادی عرب کے مرکزی شہر مکہ معظمہ میں ہوئی جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیاض حیات کا چالیسواں ورق الٹ رہے تھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خلعت نبوت سے آراستہ ہو کر عالمگیر دعوت اور ہمہ گیر ہدایت کا اعلان کوہ صفا کی بلندی سے فرمایا جس کے اندر انسانوں کے خود ساختہ مصنوعی دیوتاؤں اور جھوٹے معبودوں کی نفی کر کے خدائے وحدہٗ کی طرف سب کو بلایا جس نے پورے ملک میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ یہ آوازۂ حق جو آغاز میں مکہ کی وادی سے اٹھا تھا آگے چل کر طائف کی پہاڑیوں سے یہ آواز ٹکرائی اور پھر مدینہ کی فضاؤں میں گونجی کچھ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ اس کی گونج سارے عرب میں سنائی دینے لگی اور شدہ شدہ اس کی صدائے بازگشت ہمارے ملک کے ساحلی علاقوں تک عرب تاجروں کے ذریعہ جا پہنچی

چونکہ اب عرب سے آنے والے قافلے سابقہ تجارتی سامان ہی لیکر نہیں آتے تھے بلکہ اپنے ساتھ ایک عظیم دعوت، عالمگیر ہدایت کا پیغام بھی لانے لگے ابھی تک

ان عربوں کی آمد ہندستان کی آبدار تلوار، قیمتی کپڑوں اور خوشبودار مسالوں کے لیے ہوتی تھی لیکن دولت اسلام سے مشرف ہونے کے بعد اب کائنات حیات کا قیمتی سرمایہ اور حیات انسانی کے لیے ایمان و عرفان کی بے بہا بارش رحمت کو عام کرنے کے لیے ان کا نزول ہونے لگا۔

پہلے ہندستان سے مادی منافع کا حصول ان کا مقصد سفر تھا لیکن اب روحانی دولت کے خزانوں کا لٹانا مقصود سیاحت بنا یعنی پہلے عرب اس ملک سے کچھ لینے کے لیے آتے تھے اب یہاں کے باشندوں کو اپنے پیغمبر اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی داد و دہش کا مظاہرہ کرنے یعنی دینے کے لیے آنے لگے پہلے ان تاجروں کے وارد ہونے کا مقصود دنیاوی فوائد سے بہرہ اندوز ہونا تھا اب ان کی تشریف آوری ایک بلند روحانی و عرفانی نصب العین سے روشناس کرنے کے لیے ہونے لگی۔

تمام انسانوں کا خدا یا پالن ہار ایک ہے آکاش سے پاتال تک ایک ہی قانون کی زنجیر میں سارا سنسار بندھا ہوا ہے سارے انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اس لیے انسان انسان برابر ہیں ذات پات نہیں چھوت چھات نہیں بھید بھاؤ نہیں غرض کوئی فرقہ پرستی نہیں

ہمارے ملک کے ان پچھڑے طبقوں کے لیے جو چار ورن کی غیر فطری زنجیروں میں جکڑ بند ہونے کی بنا پر مظلومی و مجبوری، ذلت و خواری پسماندگی و پستی کی زندگی گذار رہے تھے ان کے لیے اسلام کا یہ عملی پیغام رحمت کا پیغام ثابت ہوا۔ اسلام کے ابتدائی مبلغوں اور ابتدائی داعیوں کی عملی زندگی اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ ان کی امانت دارانہ روش، فیاضانہ طرز عمل نے دلوں کے پٹ کھول دیے۔

اس لیے ارض ہند کا وہ مقدس خطہ جو اسلام کی روشنیوں سے پہلے پہل جگمگا اٹھا وہ شمالی ہند نہیں بلکہ ہند کا جنوبی ساحلی علاقہ ہے جہاں کسی غزنوی و غوری کے قدم کبھی بھی نہ پہنچ سکے

چنانچہ خطۂ سندھ میں مسلمانوں کی فاتحانہ پیش قدمی سے بہت پہلے جنوبی ہند، مالابار کوکن، کالی کٹ، کولم (مدراس) میں اسلامی تعلیمات نہایت خاموشی کے ساتھ یہاں کے باشندوں کے دلوں میں گھر کرنے لگیں اور یہ دائرۂ نورانی چپکے چپکے وسیع

سے وسیع تر ہوتا گیا اب یہاں کے لوگ اس سمندر پار قوم کی تجارتی اشیا کے ساتھ ساتھ توحید ربانی، مساوات نوع انسانی کی اس حیرت انگیز مگر دلکش و دلآویز سوغات کو قبولیت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے اس لیے جنوبی ہند کا یہ علاقہ اسلام کا اوّلین گہوارہ بنا اور یہیں سب سے پہلے کیرل میں عبادت اسلامی کا مرکز یعنی قدیمی مسجد تعمیر ہوئی عربوں کے صدیوں سے تجارتی رسم و راہ نے ہمارے ملک کے رہنے والوں کے لیے ان کو جاننے پہچاننے کا زریں موقع دیا۔ یہاں کے باشندوں کی رواداری اور مہمان نوازی نے رشتۂ اُنس و محبت پیدا کیا اور اس رشتۂ اُنس و محبت نے دونوں قوموں کو ایک سلسلۂ زریں سے باندھ دیا

یہ اُنس و محبت اس ملک کے رہنے والوں کا صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھا بلکہ شام و فلسطین کے علاقے کے باشندوں تک قدیمی زمانے سے جاری رہا یعنی جب بھی اس دور جاہلیت میں مذہبی خانہ جنگیوں نے کسی بھی فرقے کو ملک بدر کیا تو ان ترک وطن کرنے والوں نے ہندستان کو پناہ گاہ بنایا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت محبت کو جب یہودیوں نے ٹھکرایا اور وہ عیسائیت کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے اور اپنے زعم باطل کے مطابق حضرت مسیحؑ کو نعوذ باللہ سولی پر بھی چڑھا کر چھوڑا تو عیسائیوں کو یہود کی سازش پر بت پرست رومیوں کے ہاتھوں مجبوراً جلاوطن ہونا پڑا تب ان مظلوم عیسائیوں نے ہندستان ہی کو اپنی ہجرت گاہ بنایا۔ اس کے بعد جب روم کے شہنشاہ قسطنطین اعظم نے عیسائیت کو قبول کیا اور عیسائیت کو حکومتی مذہب قرار دیا تو جبر و زبردستی کی تلوار عیسائیت کے مخالفین کے سروں پر چمکنے لگی چنانچہ عیسائیت کی فاتحانہ یلغار نے تیسری چوتھی صدی عیسوی میں ہزارہا یہودیوں کو یا تو بے دریغ تہ تیغ کیا یا ان کو اپنے ملک کے چھوڑنے پر مجبور کیا۔ یہود بے یہود کے پٹے پٹائے قبیلے جنوبی ہند میں آکر ٹھہر گئے۔

پھر جب خود عیسائیت فرقہ بندیوں کا چکر چلا تو ہر طاقتور گروہ اپنے مخالف گروہ کو ملک بدر کرنے لگا اس وقت ہی شامی عیسائی بھی جنوبی ہند میں آکر پناہ گزیں ہوگئے اس لیے جنوبی ہند کا اسلام کے لیے اوّلین گہوارہ بننا قدرتی امر ہے یہاں تک کہ جب اسلام نے عرب اور اس کے ملحقہ علاقوں کو زیرنگیں کر لیا تو پھر مسلمانوں کے

قافلے مستقل طور پر ہندستان میں فروکش ہونے لگے اور جب اسلامی روایات نے اس سرزمین ہند کی بابت ایک نئی آگہی بخشی تو عرب سے آنے والے قافلوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا

مسلمانوں کا آبائی وطن

(ہندستان)

اشاعت اسلام کے بعد عرب و ہند کے قدیمی تعلقات میں مزید استحکام و استواری کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ اسلامی تفسیری روایات نے ہندستان جنت نشان کو عربوں بلکہ کل انسانوں کے آبائی وطن ہونے کی طرف اشارہ دیا

انسانیت کا مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کا اوّلین مہبط ہند کو قرار دیا یعنی حضرت آدم بہشت آسمانی سے سب سے پہلے جس سرزمین پر اتارے گئے وہ ہمارے ملک کی سرزمین ہے

(۱) چنانچہ مشہور مفسر علامہ ابن کثیر نے (جن کی تفسیر قرآنی میں احادیث صحیحہ کا التزام کیا گیا ہے) ترجمان القرآن حضرت ابن عباس سے حضرت آدمؑ کے ہبوط یعنی جنت سے نزول کے لیے ارض ہند کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور امام حسن بصری کے اثر سے اس کو مزید ثابت کیا ہے

(۲) یونہی صاحب خازن علامہ علاء الدین بغدادی نے حضرت آدمؑ کا نزول سراندیپ (لنکا یا سیلون) کے اس پہاڑ پر بتلایا ہے جس کو نودو کہا جاتا ہے

(خازن صـ۴۳)

(۳) اسی طرح علامہ ناصرالدین قاضی بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں حضرت آدمؑ کے مہبط اوّلین (پہلی جائے نزول) کے لیے ہند کا نام لیا ہے۔

(بیضاوی صـ۳)

(۴) مشہور محشی جلالین علامہ شیخ سلیمان جمل نے بھی حضرت آدمؑ کے نزول کو سراندیپ یعنی ہند اور حضرت حوا کے لیے جدہ کو بتلایا ہے (حاشیہ جمل صـ۳۶)

(۵) علامہ ثعلبی نے اپنی کتاب عرائس النفائس میں بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدمؑ کو پروردگار عالم نے جنت سے سرزمین ہند

یعنی سراندیپ میں اتارا اور وہ ہندستان کے جس پہاڑ پر اتارے گئے اسے نود کہا جاتا ہے اور بعض نے اس کا نام واسم بتایا ہے اور یہ بھی بتایا کہ حضرت حوّا علیہا السلام کو جدہ (حجاز) میں اتارا گیا تھا ثعلبی نے اپنی رطب ویابس مگر دلچسپ روایات میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ جنت سے اتارے گئے تو اپنے ساتھ جنت کی خوشبودار چیزیں بھی لائے جن کو ہندستان میں بو دیا گیا اس لیے ہند کی سرزمین خوشبودار مسالوں وغیرہ سے بھر گئی اس لیے خوشبودار اشیا ہندستان سے لائی جاتی ہیں۔

امام ثعلبی نے ایک دوسری روایت حضرت حذیفہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو جنت سے سرزمین ہند میں اتارا گیا تو ان کے [illegible] بہشتی لباس اوراق کی صورت میں تھا جیسے کہ قرآن مجید میں ہے وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ [illegible] مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (اعراب)

(یعنی حضرت آدم اور حوّا جنت کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے)

حاشیہ

حضرت آدمؑ کو جس جنت میں رکھا گیا وہ بہشت آسمانی تھی یا کوئی زمینی باغ تھا جمہور علمائے امت نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے اسی کو امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ترجیح دی ہے دلیل میں قرآن شریف کی آیت شریفہ اهبطوا کے بعد ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین (اعراف) اور حدیث شفاعت کو پیش کیا ہے جس کے اندر حضرت آدم نے اپنے اولاد کی شفاعت کے انکار کی وجہ بھی بتلائی ہے کہ تم میری وجہ سے جنت سے نکالے گئے (بخاری)

یہ امور اس کی واضح دلائل ہیں دوسرا قول معتزلہ کا ہے تعجب ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے کتاب النبوات میں اپنا رجحان اسی طرف واضح کیا ہے

دوسرا مسئلہ حضرت آدم کے جائے نزول کا ہے حضرت عباس کا ایک قول وہی ہے جو گذرا دوسری روایت یہ ہے کہ وہ دحنان ہے جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے اور امام حسن کی روایت وہی ہند کی ہے حضرت ابن عمر کا تفصیلی قول نقل کیا گیا ہے کہ آدم کا مہبط کوہ صفا اور حضرت حوّا کا مروہ تھا۔ حضرت آدم کا مدفن مبارک کے متعلق مشہور قول یہی ہے کہ وہ ہند میں ہے جس جگہ ان

یہی جنت کے وہ ورق یا پتے ہیں جو خشک ہونے کے بعد یہاں کی سرزمین پر بکھر گئے چنانچہ عود وصندل۔ مشک وزعفران اور کافور یہ تمام خوشبودار اشیا انھی جنتی اوراق کے باقی ماندہ آثار ہیں (عرائس النفائس ص۳۲)

کتاب مذکورہ میں مزید تحریر ہے کہ جب حضرت آدمؑ کی توبہ خدا کے یہاں قبول ہوئی تو وحی الٰہی کے ذریعہ حضرت آدم کو حکم دیا گیا کہ وہ ہمارے گھر کی زیارت کریں۔ خداوند قدوس نے ایک فرشتہ رہنمائی کے لیے مقرر کیا اور حضرت آدم اس کی رہنمائی میں ہندستان سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ پروردگار عالم نے اس سفر مبارک کو اس طرح قبول فرمایا کہ جہاں جہاں حضرت آدمؑ کے قدم مبارک پڑے وہ جگہ آگے چل کر آبادی بن گئی باقی ویرانے جنگل بیابان اور چٹیل میدان رہے غرض ادھر ہند سے حضرت آدم اور ادھر جدہ سے حضرت حوّا ایک دوسرے کی تلاش میں نکلے جس جگہ ایک دوسرے سے قرب حاصل ہوا اس کا نام مزدلفہ (مقام قرب) اور جس جگہ دونوں کا ایک دوسرے سے پہچان ہوئی اس کا نام عرفات ہوا اور اس دن کا نام یوم عرفہ تجویز ہوا۔ وہاں سے آگے بڑھ کر دونوں نے خدا کی مغفرت اور رحمت کی آرزو و تمنا کی اس کا نام منیٰ ہوا اور مشہور تابعی حضرت مجاہد نے ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدمؑ نے پاپیادہ چالیس حج کیے اور ان [illegible] قدم تین دن کے راستہ پر پڑتا تھا (عرائس ص۳۲-۳۳)

(۶) علامہ ابو العباس قرمانی نے آثار الدول میں لکھا ہے کہ حضرت آدم سراندیپ کے جبل راہون پر اتارے گئے جو وہاں کا اونچا پہاڑ ہے اور جس کو سمندر کے مسافر دور دور سے دیکھتے ہیں اس پہاڑ پر حضرت آدمؑ کے قدم مبارک اچھلے ہوئے ہیں اور یہ قدم سات گز کے ہیں اس پہاڑ پر شب میں ایک خاص قسم کی بجلی چمکتی ہے اور ہر روز بادل ان کے قدم مبارک کو غسل دیتے ہیں (آثار الدول ص۳)

(۷) اسی طرح علامہ سیوطی نے ابن جلیل، ابن حاتم اور حاکم سے نقل کیا ہے کہ ہندستان

کا نزول ہوا تھا اسی مقام پر کسی پہاڑ کے قریب ان کا مدفن ہے بعض کا خیال ہے کہ جبل ابو قبیس میں مدفون ہیں اور کوئی بیت المقدس بتلاتا ہے (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص۹۲ جلد ۱)

کی اس سرزمین کا نام جس کے اندر حضرت آدمؑ اُترے دجنا ہے

(الدر المنثور ص ۵۵ جلد ۱)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دجنا کیا ہے؟ اور یہ ہندستان کا کون سا خطہ ہے بقول علامہ ندوی اس کو دکھنہ یا دکھن سے معرب مان لیا جائے جو جنوبی ہند کا مشہور نام ہے تو اس کا سلسلہ سراندیپ یا موجودہ سیلون (لنکا) سے مل جاتا ہے چونکہ دکن کا پلیٹیو نیچا اترتا ہوا لنکا کے خشکی کے علاقے سے جا ملتا ہے

(۸) تاریخ ہند کے زبردست مورخ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے اس سلسلہ کی دیگر روایات کو اپنی مشہور کتاب سبحۃ المرجان میں جمع فرمایا ہے جن میں سے کچھ اہم روایات کو بھی نقل کیا گیا

(۹) ہمارے نزدیک ان تفصیلی آثار و روایات کی جغرافیائی تصدیق ہند و لنکا کو ایک دوسرے سے ملانے والے ان خشکی کے ٹیلوں سے ہوتی ہے جو جزیرۂ سیلون کو جزیرہ نما بناتے اور پچھلے زمانوں سے خشکی کی راہ سے لنکا سے آنے والوں کو براہ راست ہندستان پہنچا دیتے تھے

یہ ایک زبردست تاریخی حقیقت ہے کہ خشکی کی ان ٹھیکریوں اور لنکا کو ہند سے ملانے والے خشکی کے ان ٹیلوں کا نام نہ معلوم زمانے سے آدم کے پل کے نام سے مشہور و معروف چلا آرہا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں کہ خشکی کے ان ٹیلوں کو جو دریائی سفر کے بغیر لنکا کے زائرین کو ہندستان خشکی سے پہنچا دیتے ہیں ان کو آدم کا پل کہتے ہوں بلکہ جتنے کوہستانی سلسلے ان ٹیلوں سے وابستہ ہیں وہ کوہ آدم کے نام سے موسوم ہیں اور انھی میں سے ایک اونچی پہاڑ کی چوٹی پر ایک غیر معمولی نقش قدم ثبت ہے جو چار فٹ چوڑا اور نو فٹ لمبا ہے یہ قدم مبارک حضرت آدم کی طرف اسلامی روایات میں ہمیشہ سے منسوب چلا آرہا ہے

(۱۰) جزیرۂ سیلون یا لنکا جو ہندستان کے جنوب میں ایک ٹپکے ہوئے آنسو کی طرح نقشے میں دکھائی دے رہا ہے گویا وہ مادر ہند کی جدائی میں اپنے آنسو بہا رہا ہے یہ جزیرہ اپنے غیر معمولی عجیب غریب پھولوں کی کثرت و رنگا رنگی اور سدا بہار جنگلوں کی سرسبزی و شادابی اور نوع بنوع پرندوں کی نواسنجی اور خوش آوازی کی بنا پر اس دنیا میں

جنت الفردوس کی ایک جھلک دکھاتا اور بہشت آسمانی کا اس زمین پر نمونہ پیش کرتا ہے بقول مشہور سیاح مارکو پولو سیلون دنیا کی جنت ہے اس لیے کیا عجب ہے کہ جب قدرت نے حضرت آدمؑ کو آسمانی جنت سے اُتارنے کا فیصلہ فرمایا تو دنیا کی اس جنت کو ان کے لیے پسند فرمایا اس خیال سے کہ جنتی مخلوق کو جس نے پروردگار عالم کی لازوال و غیر فانی نعمتوں کے درمیان آنکھیں کھولی ہوں اور ایک عرصہ تک بہشت آسمانی کی لذتوں اور مسرتوں اور بے مثال راحتوں سے شادکام ہوئی ہو ایک دم دنیا کی جہنم کو دیکھ کر اس کا دل نہ ٹوٹ جائے شان رحمت نے ایسی جگہ تجویز فرمائی جہاں آسمانی جنت کی فی الجملہ جھلک پائی جاتی ہو افریقہ کے گرم خشک ریگستان اور یورپ کے سرد و خنک برفستان کی گرمی و سردی کی شدت انسانیت کے مورث اعلیٰ (حضرت آدم) کے لیے ناقابل برداشت اور قہر الٰہی کا نمونہ ہونے کی بنا پر سخت جانگسل و حوصلہ فرسا ہوتی اس لیے خدا کی شان رحمانی و رحیمی نے سرسبز و شاداب، گل ریز عنبر بیز اور نگاریں خطہ کو حضرت آدم کا مہبط اولین بنایا

(واللہ اعلم)

بہرحال علامہ آزاد بلگرامی نے حضرت آدمؑ کے اولین جائے نزول ہونے کو بہت سی روایات سے ثابت فرمایا ہے بلکہ یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جب حضرت آدمؑ سب سے پہلے ہندستان اترے اور وحی الٰہی نے ان کے توبہ کے قبولیت کی بشارت دی اور اس سرزمین میں سکونت کے لیے رہنمائی و ہدایت عطا فرمائی تو اس سے ہمارے ملک ہندستان کا سب سے پہلے وحی الٰہی کا مہبط یا جائے نزول ہونا ثابت ہوتا ہے

اور چونکہ نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم حضرت آدمؑ کی مبارک پیشانی سے جھلکتا تھا تو اس نور کا ابتدائی ظہور اسی سرزمین میں ہونا معلوم ہوتا ہے

(سبحۃ المرجان فی آثار ہندستان)

حضرت آدم کے مدفن مبارک کے متعلق مشہور قول یہی ہے کہ وہ ہندستان ہی میں ہے۔ جس جگہ حضرت آدم کا نزول ہوا تھا وہیں کسی پہاڑ کے قریب ان کا مدفن ہے بعض کا خیال ہے کہ جبل ابوقبیس میں مدفون ہیں اور کوئی بیت المقدس کو بتاتا ہے

(البدایہ والنہایہ ص ۹۰)

بہرحال حضرت آدمؑ کا ابتدائی دور اور انتہائی دور کا تعلق ہندستان جنت نشان سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت شیث علیہ السلام کا مزار ہند میں

ان تفصیلی روایات اور تاریخی اشارات کی تائید جو حضرت آدمؑ کے ہندستان کے اولین مہبط اور ابتدائی جائے نزول ہونے کی تائید کرتی ہے وہ تاریخی روایت بھی ہے جس سے حضرت آدمؑ کے خلف الصدق جن کی طرف نور نبوت منتقل ہوا اور جانشین آدم بن کر جنھوں نے خدا کی معرفت وہدایت کا سلسلہ اولاد آدم میں جاری کیا یعنی حضرت شیث علیہ السلام

تفسیری روایات پر نوٹ

۱ انسانی تاریخ کا نقطۂ آغاز جیسا کہ معلوم ہوا کہ اب تک نامعلوم ہے اس کے لیے معلومات حاصل کرنے کے ہمارے پاس جو کچھ ذرائع ہیں وہ عوامی روایات اور قدیمی کتب سماوی اور ارضی کی روایات جن کی حیثیت ہمیشہ سے تاریخ کے خام مواد کی ہوتی ہے اس لیے ان کو ارباب حدیث کے اصول روایت ودرایت پر منطبق کرنا اور ان شرائط کی عدم موجودگی میں ان کی نفی کر دینا ایک طرح کی زیادتی ہے چونکہ تاریخ انسانی کی عمارت ان پچھلی روایات اور پرانی حکایات کی بنیادوں پر قائم ہے اگر محدثین اسلام کے سخت اور کڑے اصولوں کو سامنے رکھ کر ان ماقبل تاریخی حکایات کی تنقیح کی جائے تو تاریخ کی یہ عمارت ڈھ جائے گی اور ذہن انسانی جو ہمیشہ سے اپنے آبا و اجداد کی پچھلی تاریخ جاننے کا آرزومند رہا ہے اس کے لیے سلسلۂ تاریخ کی پچھلی گمشدہ کڑیوں کے جوڑنے کا کیا سامان ملے گا بیشک عقائد ایمانی اور احکام اسلامی کے اثبات کے لیے کڑی شرطوں اور سخت تنقیحات کی ضرورت ہے اس لیے تاریخی قصص وروایت کو اصول روایت پر منطبق کر کے ان کا انکار کر دینا تاریخی نقطۂ نظر سے مناسب نہیں معلوم ہوتا حضرت آدم وشیث کے بارے میں تفصیلی روایات یا عرب وہند کے درمیان عہد رسالت میں آنے جانے جانے والوں کی قصص وروایت کو اس بنا پر منکر قرار دینا کہ وہ اصول ودرایت پر پورے نہیں اترتے اس سے تاریخی معلومات کا دروازہ بند ہو جائے گا آخر لنکا کے وفد کا مدینہ پہنچنا یا ہندستان کے راجاؤں کا دربار رسالت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم میں تحفہ ارسال کرنا اسی قسم کی روایتوں سے ماخوذ ہے۔

ان کا مزار شریف ہندستان کے مشہور مقدس مقام میں واقع ہے جیسا کہ مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنی کتاب مدینۃ الاولیا میں اس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے

حضرت شیث کے بارے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سلسلۂ نسب صرف حضرت شیثؑ سے چلا ہے شیث کے معنی ہبۃ اللہ یعنی عطائے الٰہی کے ہیں کیونکہ ان کی ولادت ہابیل کی شہادت کے بعد عطیہ خداوندی کی شکل میں ہوئی تھی اس لیے ان کا نام شیث رکھا گیا (البدایہ والنہایہ ص۹۴)

حضرت آدمؑ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے حضرت شیثؑ کو کچھ باتوں کی تعلیم دی دن رات کی ساعتوں میں ہر ساعت کی عبادت کی تعلیم عطا فرمائی اور طوفان نوحؑ کی بھی ان کو خبر دی تھی۔ بہرحال ان کا مزار بقول مولوی عبدالکریم اجودھیا ضلع فیض آباد میں ہے یہ مزار مبارک اس ٹیلے کے دکن کی جانب ہے جس کو اہل ہنود منو پربت کہتے ہیں یہاں سالانہ بہت بڑا میلہ ہوتا ہے بعض محققین سنسکرت نے بتایا ہے کہ منو کے معنی آدمؑ کے ہیں (مدینۃ الاولیا)

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ منو کے معنی آدم کے ہیں اسی سے آج کل مُنش یعنی آدمی اور مانوتا بمعنی آدمیت وانسانیت شائع وذائع ہیں اسی لیے منو پربت کا مطلب کوہ آدم کے ہیں کیونکہ حضرت شیثؑ آدم ثانی ہیں اس لیے اس نام سے یہ پہاڑ بھی موسوم ومشہور ہوا۔ اسی نواح میں یہ قبر نوگزے پیر کی قبر کے نام سے معروف ہے۔

(۲) اس سلسلہ کی دوسری شہادت تواریخ انبیا علیہم السلام مطبوعہ ۱۲۹۹ء کی ہے اس کے اندر لکھا ہے کہ حضرت شیثؑ کو اُوریائے اول کہتے ہیں شیث ترجمہ ہے ہبۃ اللہ کا۔ حق تعالیٰ نے حضرت شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے تھے ان کے زمانے میں اکثر لوگ راہ راست پر چلتے رہے کچھ لوگوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی تھی بعض ارباب سیر کے نزدیک حضرت شیث کی ولادت گاہ ملک شام تھی

---

[1] کتاب مدینۃ الاولیا گم گشتہ حالات اجودھیا کے مصنف مولوی عبدالکریم ہیں جو مولوی عبدالغفار خلف مولوی عبدالقادر امام مسجد بابری کے نبیرہ ہوتے ہیں اس کتاب کو موصوف نے سنہ ۱۹۲۶ء میں شائع کرایا تھا۔

اور قبر ان کی شہر اودھ میں مشہور ہے

(۳) علامہ شہاب الدین دولت آبادی نے اپنی کتاب خلاصۃ الوقائع میں حضرت شیث ؑ کی قبر کے اودھ میں ہونے کا تذکرہ کیا ہے

(۴) اسی طرح علامہ ابو الفضل نے اپنی مشہور کتاب آئین اکبری میں لکھا ہے کہ حضرت شیث اور حضرت ایوب علیہم السلام کی قبر اودھ میں ہیں (آئین اکبری)

(۵) پانچویں شہادت مشہور بزرگ و محقق محدث دہلوی کی قلمی کتاب خلاصۃ الاحادیث ؎ میں یہ اثر درج ہے۔

قال ان فی الھند بلدۃ اسمھا اودھ فیھا قبرا النبیین شیث وایوب علیھما السلام فی التل (خلاصۃ الاحادیث)

فرمایا کہ ہندستان میں ایک شہر ہے جس کا نام اودھ ہے اس کے اندر دو ٹیلوں حضرت شیث ؑ اور حضرت ایوب ؑ کی قبریں ہیں (مدینۃ الاولیا)

(۶) ایسی ہی کتاب عجائب القصص ؎ پر درج ہے کہ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ قبر شریف حضرت شیث ؑ شہر اودھ ہند میں ہے یہ عبارت اصل نسخہ فارسی اور اس کے اردو ترجمے دونوں میں موجود ہے

(۷) دہلی کے مشہور مصنف اور مناظر ابو المنصور مولوی سید ناصر الدین صاحب نوید جاوید نے اپنی کتاب سراج الہدایہ میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ موصوف لکھتے ہیں "در ہند شہریست کہ اورا اودھ گویند میان دو بلندی قبر دو نبی یعنی شیث وایوب علیہم السلام اند" (سراج الہدایہ صفحہ ۳۰۹ و صفحہ ۳۱۰)

؎ تواریخ انبیا علیہم السلام منشی سرفراز خاں دہلوی کی مرتبہ ہے جو دہلی کے علما و فضلا کی تقریظ و تصدیق کے ساتھ دہلی میں [illegible] میں چھپی ہوئی تھی

؎ اس کتاب کا قلمی نسخہ مولوی نجف علی سہارنپوری کے کتب خانے میں تھا جو ملک اودھ کے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ عبارت مذکورہ کو مولوی صاحب نے خط کے ذریعہ مولوی عبد الکریم صاحب مدینۃ الاولیا کو لکھ کر بھیجا تھا اس کتاب کے جزو اول ایک سو انتیس تا دو سو چھیتر صفحہ میں دلچسپ حکایات و احوال درج ہیں اس عبارت میں تل کا لفظ بھی عربی میں ہے چنانچہ آج

یعنی ہندستان میں ایک شہر ہے جس کو اودھ کہتے ہیں وہاں دو ٹیلوں کے درمیان دو نبیوں کی قبریں ہیں یعنی حضرت شیث ؑ اور حضرت ایوب علیہم السلام کی

(۸) اسی طرح تاریخ جائس مصنفہ سید عابد حسین ہسرامی ۱۲۹۵ھ مطبوعہ جلالی پریس الہ آباد اور نجم الوجدان مصنفہ مولوی نجم الدین آفندی نے اس واقعہ کو اس طرح تحریر کیا ہے "شہر اودھ کے بانی حضرت شیث ؑ خلف حضرت آدم ؑ ہیں اس کے بعد حام ابن نوح ؑ نے اودھ کو آباد کیا پھر ہندو راجاؤں کا تخت گاہ بنا جس کے بعد مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوا"

(۹) مزید شہادت تواریخ نوادر العصر جغرافیہ ملک اودھ صفحہ ۱۴۹ مطبوعہ نولکشور پریس [illegible] تذکرہ فیض آباد میں یہ عبارت درج ہے

"فیض آباد کے پاس دو بڑی بڑی قبریں ہیں ان کا طول سات آٹھ آٹھ گز سے کم نہ ہوگا عوام ان کو حضرت شیث و ایوب ؑ کی قبروں سے منسوب کرتے ہیں"

(۱۰) نظام الدولہ سفیر کشمیر نے جب [illegible] میں اس نواح کا دورہ کیا تو ایک مراسلہ اودھ اخبار میں ان مقامات کی زیارت پر اپنے تاثرات کو چھپوایا تھا جس کے اندر لکھا ہے

"حضرت شیث کی قبر کسی نے بعلبک میں لکھی ہے اور کسی نے کوہ آدم واقع سراندیپ میں بتلایا ہے حضرت آدم ؑ میں مگر چند سال ہوئے جب مجھے اجودھیا قریب فیض آباد آپکی قبر کا ہونا معلوم ہوا تو بغرض تحقیق حج سے واپس ہو کر وہاں گیا اور قبر موصوف کو دیکھا ہر آدمی سے متفق اللفظ یہی سنا کہ آپ کی قبر ہے سب ہندو مسلمان، خواص و عام پشت در پشت سے یہی سنتے چلے آرہے ہیں اور

بھی تلنگی کا نار مشہور و معروف ہے جس پر پل بنا ہوا ہے جو مزار مبارک کے قریب بہتا ہے

؎ یہ کتاب عجائب القصص مولانا عبد الواحد خلف عبد الغنی صاحب کی تصنیف ہے جس کے اندر بارہ انبیا علیہم السلام کے احوال فارسی میں لکھے گئے ہیں اس کا ترجمہ حکیم احسن اللہ خاں کی فرمائش پر مولوی فخر الدین دہلوی نے کیا اور اس کے ترجمہ کا نام بھی وہی عجائب القصص رکھا گیا ہے ۱۲

تین ناموں سے پکارتے ہیں (۱) شیث (۲) شیث دیوتا (۳) شیث پیغمبر فیض آباد جس کا قدیم نام بنگلہ ہے اور اجودھیا جس کا نام اودھ مشہور ہے تین کوس پر واقع دریائے سرجو کے کنارے یہی بستی ہے اہل ہنود کے لیے مقدس مقام ہے کہ شری رام چندر اوتار کی ولادت گاہ اور تخت گاہ ہے سگریو کا قلعہ اور ہنومان گڑھی وغیرہ اس عہد کے نشانات ہیں غرض ہزاروں سال سے یہاں اہل ہنود آباد ہیں۔ قبر شیثؑ بستی سے ایک میل باہر ہے وہاں باغات وغیرہ ہیں طول اس قبر کا پونے سات گز اور عرض ڈیڑھ گز اور اس کے گرد اگرد پختہ احاطہ قبلہ رُو ہے اس سے یہ ثابت ہوتا کہ مسلمانوں نے اپنے عہد اقتدار میں یہ قبر قبلہ رُخ بنا دی ہے اس لیے کہ قبلہ کے بانی اوّل حضرت آدمؑ ہیں اور حضور علیہ السلام کی نبوت سے پہلے قریش مکہ کی قبریں قبلہ رخ ہوتی تھیں مگر یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ یہ قبر مسلمانوں کے ہی عہد میں بنی ہے کیونکہ یہ قبر علاحدہ بنائی گئی ہے اور غور سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل قبر سرہانے بقدر چار گز ایک ٹیکرے کی طرح موجود ہے اور باانداز ٹیکرہ بقدر پانچ گز کے بلند ہے ان دونوں تودوں کے درمیان کا تخمینہ باہم ایک سو پندرہ گز قطعی ہے ان دونوں تودوں کے درمیان خواہ انقلاب زمانہ سے یا برساتوں سے وسط کا قطعہ نیچے ہوگیا ہے یا احاطہ بناتے وقت اس کو نیچا کر دیا ہے۔ سرہانے کے بڑے ٹیکرے کا نام فی زمانہ منو پربت یا روڑ جھاڑ اور جھوا جھاڑ ہے۔ منو پربت پرانا نام ہے تو منو آدم کو کہتے ہیں اور حضرت شیث آدم ثانی اور ہند میں جانشیں آدم کے تھے اس لیے اس نام سے موسوم ہوئے اور اودیا سربانی میں شیثؑ کا نام ہے کیونکہ اودیا صاحب علم کو کہتے ہیں غالباً یہ نام اس لقب سے مشہور ہے اور جھاڑ وغیرہ سے مراد چراغاں ہے کہ مزار کے بائیں پر ہوتا ہے اور یہی ایک دلیل اثبات قبر شیثؑ کی ہے (اودھ اخبار ۱۸۷۶ء)

(۱) ایسے ہی مولانا عنایت علی جو ایران کے زبردست مجتہد تھے جو مزار پر انوار کی زیارت کو ۱۸۹۸ء میں تشریف لائے تھے انھوں نے بھی حضرت شیثؑ کے موجود مزار کے مقام اودھ میں ہونے کی تصدیق کی

(۲) ان عوام و خواص کی شہادتوں کے بعد اب ہم ایک صاحب دل اور صاحب نسبت بزرگ شاہ تراب علی قلندر کاکوروی کے نبیرۂ شاہ انور علی کی کتاب

"استفسار عن ذکر اہل الصلاح" کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شہر اودھ بنا کردہ آدم علیہ السلام ہے اور اس شہر میں قبر حضرت شیثؑ کی ہے اسی طرح شیخ الاسلام عبدالرحمٰن جانباز قلندر نے اپنی بعض تصانیف میں اس کا ذکر کیا ہے

علاوہ ازیں جامع التواریخ، ناسخ التواریخ، تاریخ کاشفی، بہار الانوار ملا باقر مجلسی، گلزار ابرار غوثی حسن، سیر المتاخرین غلام حسن اور مہر نیمروز مؤلفہ مرزا غالب میں بھی ان قبروں کا تذکرہ ہے ان تاریخی شواہد کے ساتھ اہل کشف کے مکاشفات بھی ہیں چنانچہ اہل باطن کو قبر شریف کی زیارت سے جو برکت و اثر بزرگوں کے مزارات پر محسوس ہوتا ہے وہ اس قبر سے بھی معلوم ہوتا ہے واقعۃً وہاں ایک عجیب و غریب کیفیت اُنس کی محسوس کی گئی ہے باوجود بے سروسامانی و ویرانی ایک شان جمالی پیدا ہے۔ عہد سابق سے دو گاؤں صرفے کے واسطے معافی میں ہیں چار رجب کو عرس ہوتا ہے بہت سے لوگ جمع ہوتے اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں اسی کے ساتھ حضرت ایوبؑ کا مزار حضرت شیثؑ کے متصل احاطے میں پورب کی جانب ہے جو قبر حضرت ایوبؑ کے نام سے مشہور ہے واللہ اعلم

یہاں پہنچ کر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت شیثؑ خواہ ملک شام میں رہے ہوں یا ملک حجاز وہ عرب سے نقل مکانی کر کے ہندستان کیوں تشریف لائے اور یہاں کیونکر وفات پائی؟ اس سوال کا پہلا جواب تو وہی ہے جس کا ذکر ہوتا چلا آرہا ہے یعنی سابقہ روایات کی روشنی میں حضرت آدمؑ کا جنت عدن سے ہندستان آنا اور شروع میں یہاں اقامت اختیار کرنا پھر ہندستان سے زیارت کعبہ اور تلاش حوا علیہ السلام میں جدہ جانا معلوم ہو چکا ہے جس سے انسانیت کا اوّلیں مستقر یا حضرت آدمؑ کی ابتدائی منزل ہند ہونا ثابت ہے اس لیے آدم ثانی حضرت شیث کا یہاں تشریف لا کر سکونت فرمانا اور پھر یہیں وفات پانا اور یہیں ابدی قرارگاہ کا ہونا کیا بعید ہے اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ بقول صاحب مدینۃ الاولیا مولانا عبدالحئی لکھنوی کے کتب خانے میں ایک عربی کتاب ہے جس کے اندر لکھا ہوا ہے کہ شہر قنوج حضرت شیثؑ کا آباد کیا ہوا ہے اس سے بھی ان کے تشریف آوری کا ثبوت ملتا ہے دوسرا جواب راقم السطور کے نزدیک یہ ہے کہ اصول عمرانی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو

ہمارا ہندستان ہزارہا سال سے انسانی آبادی کا موجیں مارتا ہوا سمندر معلوم ہوتا ہے۔ پروردگار عالم نے حضرت آدم کو زمین میں اوّلیں قرارگاہ یا پہلی منزل ہندستان جنت نشان کو اس لیے بنایا کہ وہ یورپ کے برفستانی خطوں اور افریقہ کے ریگستانوں کے گرم علاقوں کے مقابلے میں اپنے موسمی تبدیلیوں کے لحاظ سے ایک معتدل و خوشگوار آب و ہوا رکھنے والا خطہ اور انسان کی جسمانی تقاضوں کی ضروریات غذا اور خورد و نوش کی اشیا کے خزانوں سے مالا مال ملک ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک جس طرح دنیا کے پانچوں برّاعظم یورپ افریقہ آسٹریلیا امریکہ اور ایشیا میں برّاعظم ایشیا تہذیب انسانی کا اوّلیں گہوارہ عالم کے مذاہب عالم کا سرچشمہ ہے اسی طرح اس برّاعظم میں ہمارا ہندستان بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ملک ہے اس برصغیر میں تہذیب و تمدن کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو قافلۂ انسانیت جن تمدنی مراحل سے گذرا ہے دورِ حجری (پتھر) کے زمانے سے لیکر موجودہ جوہری عہد (ایٹمک ایج) تک ہر دور کے تہذیبی نقوش کشورِ ہند میں بکھرے ہوئے ہیں بلکہ اس وقت تک ہر دور کے نشانات شہروں دیہاتوں کے رہنے والے باشندوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

ہندستان جنت نشان ایک وسیع و عریض اور طویل نہایت خوش سواد و خوش منظر ملک ہے جو رنگارنگ موسمی تغیرات اور گوناگوں بوقلموں خصوصیات کے لحاظ سے خود چھوٹا موٹا برّاعظم ہے۔ یہ بھارت ورش موسمی احوال اور جغرافیائی کوائف کے لحاظ سے سارے ملکوں کا آئینہ جہاں نما ہے۔ کوہ ہمالہ کی آسمان سے باتیں کرتی ہوئی برف پوش چوٹیوں سے لیکر نیچے کی طرف اُترتی ہوئی گھاٹیوں اور میدانوں سے سری لنکا تک نظر ڈالیے تو ہمارے ملک کے اندر جملہ برّاعظموں کے نمونے نظر آئیں گے۔

یورپ کے برفستان کے سرد سیر موسم اور شاداب مناظر کشمیر، نینی تال، دارجلنگ وغیرہ میں دکھائی دیتے ہیں۔

افریقہ کے خشک اور ریگستانی صحارا کو دیکھنا ہو تو راجپوتانے اور سندھ کے پھیلے ہوئے ریگزاروں پر نظر ڈال لیجیے

جزائر شرق الہند کے سرسبز و مرطوب جنگلاتی علاقے ہمارے صوبہ مدھیہ پردیش کے وسیع و عریض جنگلات میں موجود ہیں۔

نئی دنیا امریکہ کے دریائی و میدانی علاقے دوآبہ گنگ و جمن، یوپی سے بہار و بنگال تک دیکھے جا سکتے ہیں اسی طرح دنیا کے دلدلی خطوں کی سیر کرنا ہو تو بنگال و آسام کی وادیوں اور ترائیوں میں چلے جائیے اسی کے درمیان آسٹریلیا کے چوڑے چکلے میدانی خطے نظروں کے سامنے سے گذر جائیں گے۔ کوہ ہمالیہ کی بلندیوں سے نیچے اترتے چلے آئیے تو موسموں کی رنگارنگیوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ پہاڑوں پر تیز تند ہوائیں سیاحوں کو زمین پر پاؤں جما کر رکھنے کی دعوت دے رہی ہیں تو میدانوں میں اُنھیں ہواؤں کے معتدل و خوشبودار جھونکے انسانوں کا استقبال کرتے نظر آرہے ہیں نیچے اترتے اترتے گرم ہواؤں کے تھپیڑوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔

بہرحال کہیں خنکی و سردی نے پڑاؤ ڈال رکھا ہے تو کہیں گرم ہواؤں کی لپٹیں چہروں کو جھلستی اور فطرت کی سختیوں سے مقابلہ کا سبق دے رہی ہیں لیکن مجموعی اعتبار سے موسمی اعتدال ہے

پانچوں برّاعظموں کی آب و ہوا اور ان کی پیداوار اور ہر رنگ موسم کا گہوارہ ہمارا وطن ہے گویا وہ جنت عدن کا ٹوٹا ہوا ایک حسین و جمیل ٹکڑا ہے اس لیے جنت الفردوس کی شاخ سے جب ایک پھول کو توڑ کر پھینکنے کا باغبان قدرت نے ارادہ کیا تو اس کو گلستان ہند میں لاکر ڈال دیا ہے

مزار کا جائے وقوع

اس مزار کا جائے وقوع اس طرح ہے کہ اجودھیا سے فیض آباد جاتے ہوئے ریلوے

لطیفہ:۔ مغل شہنشاہیت کے عظیم و عدل خداترس بادشاہ شاہ جہاں کے زمانے میں شاہ ایران نے ایک خط بادشاہ کے نام لکھا جس کے اندر اس سوال کو اٹھایا کہ ہندستان دوسرے ملکوں کی طرح ایک ملک ہے پھر وہاں کے حکمراں خود کو شاہ جہاں یا جہانگیر کا لقب کیوں اختیار کرتے ہیں بادشاہ نے اپنے وزیر اعظم علامی سعد اللہ کو جواب کے لیے پابند کیا علامی سعد اللہ نے اس زمانے کے مذاق کے مطابق جواب میں تحریر کیا کہ ہند اور جہاں کے اعداد ایک ہیں اس لیے یہ لقب درست ہے لیکن راقم سطور کے نزدیک یہ جواب دفع الوقتی کا ہے اصل جواب وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

کراسنگ سے ایک کچی سڑک دکن کی جانب سے پورب جاتی ہے اس پر ایک فرلانگ چلنے کے بعد مزار شیث ؑ کا قبرستان ملتا ہے نالہ تلخی پر جو پل بنا ہوا ہے اُس سے اُدھر دکن کی سمت چل کر بائیں جانب درگاہ حضرت شیث ؑ پڑتی ہے جب درگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں تو پورب اور پچھم بڑے بڑے ٹیلے نظر آتے ہیں چنانچہ یہ قبر دو ٹیلوں کے درمیان واقع ہے قبر شیث بستی سے ایک میل باہر ہے وہاں باغات وغیرہ ہیں اس قبر کا طول پونے سات گز اور عرض ڈیڑھ گز ہے اور گرد ایک پختہ احاطہ ہے اور قبلہ رُو ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مزار مبارک جس احاطہ میں واقع ہے یہ احاطہ کب عالم وجود میں آیا؟

صاحب مدینۃ الاولیا نے لکھا ہے کہ معتبر بزرگوں سے سُنا ہے کہ جس زمانے میں سکندر شاہ لودھی اودھ میں قیام پذیر تھا اور اودھ کو اپنا پایۂ تخت بنایا جس کی یادگار قلعہ آج تک موجود ہے اس وقت اس کے مرشد حضرت جلال الدین ہمشیر زادہ حضرت بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ ساتھ میں تشریف لائے تھے وہ ہمراہ موجود تھے موصوف نے کتب تواریخ میں حضرت شیث ؑ کی قبر کا حال شہر اودھ میں دو ٹیلوں کے درمیان میں ہونے اور شمالی جانب میں دریا ہونے کو ملاحظہ فرمایا تھا لہٰذا آنجناب نے بادشاہ سے فرمایا کہ یہ احاطہ مع قبر کو پختہ کرا دیا جائے بادشاہ نے اس کے حکم کی تعمیل کی درگاہ مذکور اور قبر کو پختہ کرا کر معافی مصارف کے لیے عطا فرمائی چنانچہ درگاہ کے خدام عُرس کا اہتمام چار رجب کو ہمیشہ سے کرتے چلے آ رہے ہیں ختم قرآن مجید میں ہزار ہا آدمی ہوتے ہیں اور شاندار مجمع ہوتا ہے

مزار کی تاریخی حیثیت

اب تک ہم نے جن تاریخی کتابوں اور پچھلے مصنفین کی تصنیفوں سے اس مزار کی قدامت و اولیت پر روشنی ڈالی ہے اب ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ایک مفید تبصرہ پیش کریں۔

پچھلے تاریخی حوالوں سے واضح ہو چکا ہے کہ مسلم حکومت کے ابتدائی عہد میں اس قبر شریف کے وجود کا عوام و خواص میں علم تھا جس کی بنا پر علامہ شہاب الدین دولت آبادی نے اپنی کتاب خلاصۃ الوقائع میں تذکرہ کیا۔ ملک العلما علامہ دولت آبادی

ثم جونپوری عہد افغانی کے مشاہیر علماء اور شاہان شرقی (جونپور) کی حکومت مسند نشین صدارت تھے وہ پہلے ہندستانی عالم ہیں جنھوں نے اپنی تفسیر بحر مواج میں قرآن کے اعجاز کو بلاغت کی روشنی میں ثابت کیا ہے اُن سے پہلے علامہ مخدوم علی مہائمی (بمبئی) اس سے پہلے اپنی تفسیر تبصیر الرحمٰن کو عارفانہ اور صوفیانہ اسلوب میں لکھ کر عالم اسلام میں اپنا مقام پیدا کر چکے تھے ملک العلما علامہ دولت آبادی کے بعد عہد سکندری میں اس قبر شریف کو باقاعدہ قبر کی شکل دے کر محکم و پختہ بنانے اور اس کے لیے معافی اور جاگیر عطا کرنے کا ثبوت ملتا ہے پھر دورِ مغلیہ میں علامی ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس قبر کا ذکر کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کی اس کے بعد عہد عالمگیری کے مشہور ہندو مورخ سجان رائے نے اپنی کتاب خلاصۃ التواریخ کے اندر حضرت شیث ؑ کی قبر اودھ میں ہونے کی مزید تصدیق کی پھر ہر عہد کے مورخ نے ان قبروں کا مسلسل تذکرہ کر کے حضرت شیث ؑ کے مزار مذکور کے اجودھیا (ہند) ہونے کا ذکر کیا جس سے اس واقعہ کا درجہ شہرت تک پہنچنا محقق ہوتا ہے چنانچہ اس واقعہ کی حقیقت ہونے کی مزید توثیق بزرگان دین و ارباب یقین کے مراقبہ و زیارت کا مزار مذکور کے مرجع بننے سے ہوتی ہے مزید یہ کہ وہ بیرونی سیاح جو تاریخی مقامات کی زیارت سے دلچسپی رکھتے ہیں انھوں نے بھی اس کے لیے رخت سفر باندھا جیسے کہ ایران کے مجتہد مولانا عنایت علی اور نظام الدولہ سفیر کشمیر نے اس کی تصدیق کی۔ اکثر بزرگان دین نے احاطۂ درگاہ میں چلہ کشی کی اور اپنے کشف روحانی کی بنا پر قبر کے موجودہ مقام پر ہونے کی صحت کو بتایا غرض ہندستان کے دو عظیم فرقے (ہندو اور مسلمان) اس خطہ کو مبارک مانتے چلے آ رہے ہیں اور اہل ہنود اس منو پربت (کوہ آدم) کے پاس حسب رسم ہندستان زبردست میلہ لگا کر یاد مناتے اور اہل اسلام بصورت عُرس چار رجب کو قرآن خوانی ہمیشہ سے کرتے چلے آ رہے ہیں اس طرح یہ قدیمی زیارت گاہ جو بنی نوع انسان کی ابتدائی یادگار کی حیثیت سے ہمارے ملک میں قائم ہے ان دو عظیم قوموں (ہندو و مسلمان) کا سنگم بن گیا ہے۔

عہد رسالت کا ہندستان

عرب اور ہند کا وہ باہمی تجارتی رشتہ جو صدیوں سے دونوں قوموں کو ایک

دوسرے سے باندھے ہوئے تھا طلوعِ اسلام کے بعد ان مذہبی روایات اور تاریخی اشارات نے اس رشتہ میں مزید گرہ لگا دی

ان مذہبی روایات کے آئینہ میں اس ملک کی جو جھلکیاں نگاہِ عقیدت کو نظر آنے لگیں وہ ان دونوں قوموں کے تعلق کو ماضی بعید کی طرف لے جا کر اُنس و محبت کی ایک نئی دعوت دینے لگیں اور مسلمانوں کے قافلے اب تجارت کے ساتھ زیارت کے لیے بھی ان دیار کا قصد کرنے لگے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کے ہندستان کا حکومتی و معاشرتی خاکہ کیا تھا اس کو پیش کیا جائے اور یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعثت کے وقت ہمارے ملک کا ماحول کیا تھا اس پر کچھ روشنی ڈالی جائے اور تاکہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ اسلامی دعوت نے اس اجنبی سر زمین میں اپنے لیے کس طرح جگہ پیدا کی اور یہاں کے ماحول میں اس نے کیونکر گھر کیا۔

اسلام جب مطلعِ عرب سے نمودار ہوا تو حیاتِ انسانی کا قافلہ ساتویں صدی عیسوی کی منزل سے گذر رہا تھا ہمارا ملک یوں تو حکومتی نقشے کے اعتبار سے بہت سی ٹکڑیوں میں بٹا ہوا تھا لیکن اسلام کی آمد سے پہلے ہمیشہ سے یہ ملک دو حصوں میں منقسم چلا آ رہا تھا جن دو علاقوں میں نہ صرف عقائد و خیالات کے اعتبار سے دو الگ قومیں بستی تھیں بلکہ تہذیب و تمدن، معاشرت و معیشت کے لحاظ سے دونوں جگہ کے رہنے والے ایک دوسرے سے بہت کافی مختلف تھے شمالی ہند کی تہذیب یا یہاں کا کلچر جنوبی ہند کے باشندوں سے میل نہیں کھاتا تھا اور جنوبی ہند کے رسم و رواج، ان کا رہن سہن بلکہ مذہبی خیالات تک اس خطۂ ملک سے بہت کچھ علاحدہ تھے جنوب ہند راجا اشوک کا مذہبی رشتہ (بدھ مت) کے دعوت کے سلسلہ کو چھوڑ کر شمالی ہند کے کسی راجا کے زیرِ نگیں ہوا نہ اس علاقے (شمالی ہند) کے کسی مہاراجہ کا وہاں اقتدارِ اعلیٰ زیادہ عرصہ تک قائم رہ سکا۔

بڑے بڑے اولوالعزم راجہ مہاراجوں نے جب بھی ملک گیری کا قصد کیا تو دکن کے پُر خطر جنگلوں، پُر شور دریاؤں نے ان کے قدم پکڑ لیے اور وہ ملک کو ایک جھنڈے تلے متحد کرنے کا خواب نہ دیکھ سکے ہر فاتح و کشور کشا راجہ مہاراجہ اپنے علاقے میں حکومت و اقتدار کا ڈنکا بجاتا رہا اس لیے ضرورت ہے کہ ملک کے ان دونوں حصوں میں اس وقت جو سیاسی ماحول تھا اس کی مختصر تفصیل پیش کر دی جائے

حضور انور علیہ السلام کی جب بعثت شریفہ ہوئی تو اس وقت شمالی ہند پر راجہ ہرش وردھن کی حکومت تھی اس نے تھانیسر کی راج گدی ۶۰۶ء میں سنبھالی تھی اس کو ملک گیری کا بڑا شوق چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے فوج کشی کر کے آسام سے سندھ تک اور ہمالیہ سے نربدا تک تمام علاقے کو فتح کر کے اپنے زیرِ نگیں کر لیا یہ وہ زمانہ تھا کہ ہمارے ملک کا قدیم انقلابی مذہب بُدھ مت اپنی تمام خصوصیات کھو کر برہمنی مت میں ختم ہو چکا تھا اور اس ملک کی روایتی رواداری نے گوتم بدھ کو من جملۂ اوتار تسلیم کر لیا تھا اسی وقت سے ترکِ گوشت خوری اور ترکِ جانور کشی کو ہندو مت کا مذہبی جزو بنا دیا گیا۔

راجہ ہرش

مہاراجہ اشوک کے برعکس راجہ ہرش اس مخلوط مذہب کا علمبردار بن کر سیاست کے آسمان پر چمکا وہ سورج اور شیو کے ساتھ بدھ کی بھی پوجا کرتا تھا مہاراجا کنشک یا شہنشاہ اکبر کی طرح اس نے اپنے دربار میں اُس وقت کے مذاہب کے علماء کو ساتھ بٹھایا اور ان کی عزت کرنے اور کسی ایک مذہب کے ماننے کے بجائے مختلف مذاہب کے رسم و رواج کی پیروی کرنے کو اپنا شعار بنایا اس طرح وہ شمالی ہند کے قدیم راجاؤں میں مہاراجہ بن کر صفحۂ تاریخ میں نمایاں ہوا۔ راجہ ہرش نے آخر عمر میں ترکِ دنیا (سنیاس) اختیار کیا اور ۶۴۷ء میں لاولد لاوارث ہو کر مر گیا اس نے اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا لہٰذا اُس کی آنکھیں بند ہوتے ہی ہندستان میں پھر افراتفری کا دور دورہ ہو گیا اور ہمارا ملک پھر پہلی حالت کی طرح متعدد خود مختار ٹکڑیوں میں تقسیم ہو گیا جن کے راجے مہاراجے آپس میں لڑتے رہتے اور رعایا و پرجا باہمی خانہ جنگیوں میں پھنسی رہتی ذات پات کے عظیم فتنوں اور اونچ نیچ (بھید بھاؤ) کے تباہ کن جھگڑوں نے یہاں کے معاشرے (سماج) پر جو تقسیم کا عمل جاری کر رکھا تھا اس کا سب سے بڑا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ جو طبقہ جس نقطۂ زوال تک پہنچ گیا وہاں جم کر رہ گیا

تھا وہ اس پر پوری طرح مطمئن تھا جس فرقے کے اندر جو خرابی پیدا ہو چکی تھی اس کی اصلاح کرنے کے بجائے اسی پر بیٹے رہنے کو کردار کی پختگی سمجھتا تھا اجتماعی زندگی یا مل جل کر رہنے کی صلاحیت یہاں کے باشندوں میں مفقود ہو چکی تھی۔ اختلاف و انتشار کا ایک چکر تھا جو پورے ملک کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔ مہاراجہ ہرش ہی کے دور میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہو چکی تھی ظاہر ہے کہ اس ہمہ گیر بگاڑ کا علاج عالمگیر ربانی پیغام ہی سے ہو سکتا تھا (آئینہ تاریخ صفحہ [illegible])

جنوبی ہند کی حالت

اسی طرح جنوبی ہند کے مذہبی و سیاسی اور معاشرتی احوال بھی انتشار و پراگندگی میں شمالی ہند سے زیادہ مختلف نہ تھے جنوبی ہند کا خطہ بھی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹا ہوا تھا مالابار، بیجا نگر، کورنگور، کرناٹک وغیرہ چھوٹی ریاستوں کی حیثیت سے الگ الگ اپنے اپنے اقتدار کا جھنڈا لہرا رہی تھیں۔ چیر خاندان کے مہاراجگان ان ریاستوں کو وحدت و وفاق کے شکل میں جوڑنے کی جو کوشش کی تھی اس کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور اس کے اثرات پورے سماج میں پھیل رہے تھے اور جین مت جن دو مذہبوں نے اپنے آغاز میں ہندوستان کے برہمنی نظام کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا اور یہاں کی ذات پات کی قدیمی چار درنوں کی تقسیم کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا وہ جینی اور بدھ مت لوگ ہندو مت کے ماننے والوں کے ہاتھوں روحانی طاقت کو کھو چکے اور انقلابی خصوصیات سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اگرچہ جنوبی ہند کو مہاراجہ ہرش جیسا مخلوط تہذیب کا بانی یا علمبردار کلچر کا داعی میسر نہیں آیا تھا لیکن ہندو مت کا جارحانہ عمل عدم تشدد کے ان نام لیواؤں کو دبانے میں کامیاب ہو چکا تھا چونکہ چیر خاندان جو اس علاقے کے تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایک کچے دھاگے میں باندھے ہوئے تھا اس کا اقتدار بھی ختم ہو رہا تھا اس لیے معاشرتی ماحول مضبوط و مستحکم نہ رہ سکا تھا ہر طرف ذہنی انتشار کی ہوا میں چل رہی تھیں اور عقیدہ و خیال کی پراگندگی معاشرتی و معیشت کی فساد پروری ایک صحیح عقیدہ و عمل کی دعوت کی قبولیت کے لیے فضا کو سازگار اور زمین کو ہموار کر رہی تھی۔ اسلام ایک سادہ و صاف، سچا اور اجلا عقیدۂ توحید کو لیکر آیا اور معاشرتی مساوات کا عملی نظام اپنے ساتھ لایا۔ اسلامی تعلیمات کی سادگی اور اس کے مضبوط و مستحکم عقائد و اعمال کی پختگی اور جمہوری (شورویٰ) زندگی کے عملی نقشہ کی پختگی نے ہر دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور چونکہ اسلام ابھی اپنے اصلی سرچشمے سے نکل کر صاف و شفاف پانی کی شکل میں بہہ رہا تھا اس لیے اس کے آئینہ میں اپنی شکل و صورت کے داغ دھبے، میل کچیل کو دیکھ کر ہر ایک شخص کے اندر اپنی صفائی و ستھرائی کا تقاضا قدرتی طور پر دلوں میں پیدا ہوا اس طرح اسلام نے جنوبی ہند کے باشندوں کے جسموں کو فتح کر لینے سے پہلے ان کے دلوں پر اپنا سکہ جما یا

اسلام پہلی صدی ہجری سے ہند میں

اس مقام پر پہنچ کر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس فراموش کردہ تاریخی حقیقت کی مزید یاد دہانی کر دی جائے کہ عرب اور ہند کے یہ قدیمی تعلقات اہل عرب ہی کی طرف سے یکطرفہ نہیں تھے بلکہ ہندوستان کے رہنے والوں کی آمد و رفت بھی تجارت و سیاست دونوں سلسلوں سے دیار عرب میں وقتی رہتی تھی چنانچہ ایک طرف یہاں کی تاجر قوم (اہل سندھ وغیرہ) اپنا تجارتی مال لے کر ساحل ہند دیبل (موجودہ کراچی) سے چل کر کبھی خلیج فارس کی بندرگاہوں ہرمز اور ابادان اور کبھی بحری سواحل حدیثۃ الشحر، قطیف وغیرہ تک پہنچ کر تجارتی منافع سے مالا مال ہوتے اور وہاں کی اقتصادیات پر تجارتی کوٹھیاں قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف یہاں کی بہادر و دلیر مہم جو افراد جن کا زیادہ تر تعلق جاٹ قوم سے تھا وہ شاہ ایران کی معاون فوج بن کر ان علاقوں پر قسمت آزمائی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ وہ ہندوستانی تھے جو شاہ ایران کے مقبوضہ علاقوں سیستان یا افغانستان اور سندھ کے ملحقہ مقامات پر جا کر مستقل آباد ہو گئے تھے یہی لوگ اساورہ و اسامرہ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے اس طرح ان ہندوستانیوں کا اندرون ملک گذر ہوتا رہتا اور عربوں سے تعلق قائم ہوتا۔ عرب لوگ ان کی صورتوں، ناک نقشوں سے بخوبی ان کو پہچانتے تھے اور خود پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے جانے پہچانے ہوئے ہونے کو احادیث شریفہ میں ظاہر فرمایا۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت خالد سیف اللہ جب نجران سے بنو حارث کا وفد لے کر شعبہ میں دربار نبوی میں حاضر ہوئے جن کے اندر قیس ابن الحصین ذی الغصہ۔ یزید ابن عبد المدان۔ یزید ابن محجل عبد اللہ ابن قراد۔ شداد ابن عبد اللہ القنانی۔ عمر ابن عبد اللہ الضبابی تھے تو آنحضرت نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو ہندوستان کے لگتے ہیں۔ حضرت خالد نے عرض کیا یہ بنو حارث کے افراد ہیں۔ تاریخ طبری و طبقات ابن سعد میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ یہی واقعہ اصابہ میں ابن الکلبی کے حوالے سے نقل ہے کہ جب بنو حارث کی جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آنحضرت نے ان کو دیکھ کر فرمایا یہ کون لوگ ہیں جیسے کہ ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح جاٹ قوم سے تعارف کا ثبوت حدیث لیلۃ الجن سے ہوتا ہے حضور علیہ السلام کے خاص صحابی صاحب الطہر والسفر وصاحب السواک والنعل حضرت عبد اللہ ابن مسعود جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنوں کی تبلیغ کے لیے گئے تو ان کو ہمراہ لے گئے وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے ایک حصار میں محفوظ فرما دیا۔ ان کے سامنے جنات

جن لوگوں کی صورت میں گذرے ان کی تشبیہ ابن مسعودؓ نے کانھم النبط سے دی ہے یعنی وہ لوگ جاٹوں کی طرح لمبے بالوں والے اور خوفناک چہروں والے تھے۔ (ترمذی کتاب الامثال)

ان روایات مذکورہ سے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کا اہل ہند سے متعارف ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے ملک میں دعوت اسلام پہنچانے کا کس قدر شوق تھا۔ اس کے لیے امام ابو عبدالرحمٰن نسائی کی وہ حدیث جس کو امام طبرانی نے بھی اپنی مشہور کتاب معجم طبرانی میں مضبوط سند کے ساتھ حضرت ثوبانؓ مولائے رسول اللہ صلعم سے روایت کیا ہے۔ اس پر روشنی ڈالتی ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالےٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ فرمایا ہے ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا دوسرا وہ گروہ جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ رہے گا۔

حضرت امام نسائی نے اپنی سنن میں مستقل باب غزوۃ الہند قائم فرمایا جس سے ہمارے ملک سے تعلق اور اس کی عظمت کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت صحابہ کرام اپنے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم بشارت کو سنکر دل وجان ہندوستان کے جہاد کی راہ میں تن من دھن قربان کرنے کے کس قدر آرزو مند تھے اس کا ثبوت سنن نسائی اور مسند احمد کی روایت سے ملتا ہے۔ اسلام کے مشہور عام راوی حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ہندوستان میں غزوہ کا وعدہ فرمایا اگر اس غزوہ کے اندر میں شریک ہوا تو اپنا جان ومال خرچ کردونگا۔ اگر مارا گیا تو شہید اور اگر زندہ واپس ہوا تو جہنم سے آزاد ابوہریرہ ہونگا۔ اسی طرح امام ابن عساکر و امام ابن کثیر نے اپنی مشہور کتاب البدایہ والنہایہ میں غزوۂ ہند کی روایات کا ذکر کیا ہے۔

اب ہم کو یہاں کی پھیلی ہوئی روایات اور تاریخی حکایات کی روشنی میں اس پر بھی نظر ڈالنا ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ عظام کا ہندوستان سے یہ تعلق اور لگاؤ بھی کیا یکطرفہ تھا یا خود ہندوستان کے لوگ عرب اور اس کے سینہ سے اٹھنے والی اس دعوت سے دلچسپی رکھتے تھے؟

اس کے جواب کے لیے ہم کو مشہور اسلامی سیاح بزرگ ابن شہریار کے سفر نامہ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جو ہند کے عہد قدیم کے احوال و حکایات کا مستند ذخیرہ ہے۔

بزرگ ابن شہریار المتوفی [illegible] نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ جب سراندیپ

(لنکا یا سیلون) میں عرب کے تاجروں کی زبانی حضور علیہ السلام بعثت کی خبر پہنچی اور وہاں کے باشندوں نے آنحضرت کی دعوت دینی کا حال سنا تو اپنے یہاں کے ایک ممتاز آدمی کو رسول اللہ کی دعوت اور اس کے کوائف معلوم کرنے کے لیے عرب بھیجا کہ وہ وہاں پہنچ کر جو کچھ دیکھیں اور معلوم کریں اس کو اہل سیلون تک پہنچا دیں ان کا یہ نمائندہ ایک خادم کے ساتھ غالباً خشکی کی راہ سے چل کر مدینہ پہنچا جب وہاں پہنچا تو آنحضرت پردہ فرما چکے تھے۔ وہ حضرت عمر فاروق کی خدمت میں ۲۳ھ میں حاضر ہوا اور حضور علیہ السلام کی دعوت مبارکہ اور احوال شریفہ کی پوری واقفیت حاصل کی اور اپنے مقصد سفر کے متعلق کافی معلومات حاصل کرکے اپنے وطن لنکا روانہ ہوا مگر قضائے الٰہی کے ہاتھوں لنکا پہنچنے سے پہلے مکران میں اس کا انتقال ہوگیا۔ ان کے ساتھ جو خادم گیا تھا اب وہ تنہا لنکا پہنچا اور لنکا کے باشندوں کو تمام حالات سے آگاہ کیا جو کچھ سنا تھا وہ ان سے بیان کیا حضرت عمر کے متعلق بتایا کہ "وہ بہت نیک بہادر آدمی ہیں پیوند لگے کپڑے پہنتے اور مسجد میں رہتے ہیں"

(عجائب الہند صـ ۵۵ تا صـ [illegible])

اس واقعہ سے عہد رسالت میں اسلام کی دعوت کے لیے اہل ہند کی پوری دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے۔

اس سلسلہ کی دوسری مستند روایت امام ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں ذکر کی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہندوستان کے ایک راجہ نے مٹی کے ایک گھڑے میں زنجبیل کا تحفہ بھیجا جسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ٹکڑے ٹکڑے کرکے خود بھی کھایا اور صحابہ کو بھی کھلایا۔ حاکم نے حسب عادت اس روایت سے حضور علیہ السلام کا زنجبیل تناول فرمانا ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کو میں نے [illegible] کی سند سے بیان کیا ہے اس روایت کے علاوہ مستدرک میں ان سے کوئی اور روایت نہیں ہے۔

چونکہ عربوں کو زنجبیل (تازہ ادرک۔ خشک سونٹھ) کی خوشبو پسند رہی ہے اس لیے راجہ مذکور کا اس خصوصی تحفہ کو بھیجنے سے عربوں کے ذوق سے واقفیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے رہا یہ کہ وہ کونسا راجہ تھا جس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدیہ بھیجا تھا بقول قاضی اطہر صاحب اس زمانے میں بنگال کے راجگان رہمی اپنے اردگرد کے راجوں مہاراجوں اور بادشاہوں کو جو تحفے بھیجا کرتے تھے ان میں زنجبیل خاص طور سے ہوا کرتا تھا جیسا کہ قاضی رشید ابن زبیر

نے اپنی کتاب الذخائر والتحف میں ان تحائف کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اسی خاندان کے کسی راجہ نے بارگاہ نبوت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہو

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ عقیدت میں اس تحفۂ محبت کو بھیجنے سے ہمارے ملک کا عہد رسالت سے نہ صرف تعلق ثابت ہوتا ہے بلکہ حسن عقیدت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

ملابار میں اسلام

ان دونوں واقعات سے بڑھکر جنوبی ہند کے راجہ سامری کا معجزۂ شق القمر کی بنا پر مسلمان ہونے کا اہم و دلچسپ واقعہ ہے جس کو علامہ زین الدین نے اپنی کتاب تحفۃ المجاہدین مصنفہ ۹۸۵ھ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے صاحب تحفہ نے مالابار میں اسلامی دعوت کی ابتدائی عہد میں قبولیت کی وجہ راجہ سامری کے شق القمر دیکھکر مسلمان ہونا بتائی ہے۔

ملا قاسم فرشتہ نے اپنی مشہور تاریخ کے گیارہویں مقالے میں مالابار کے راجاؤں کا حال صاحب تحفہ کے حوالے سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب اسلام کا آفتاب جہاں تاب مطلع عالم پر طلوع ہوا اور صحیفۂ نبوی نے اپنا ورق الٹا تو کچھ مسلمان جن کے اندر عرب کے لوگ بھی تھے اور عجم کے بھی۔ درویشوں کے لباس میں ملبوس بادبانی کشتیوں میں سوار حضرت آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کی زیارت کے لیے سراندیپ (لنکا) کی طرف جارہے تھے۔ تقاضائے الٰہی سے ان کی کشتی باد مخالف کے ہاتھوں مالابار کے شہر کدن کلور پہنچ گئی۔ وہاں کے حاکم سامری نے جو (نہایت دانشمند اور خلیق اور حق پسند تھا) ان درویشوں کی صحبت کو غنیمت جان کر ان کے مذہب و ملت کی تحقیق کرنا چاہی انھوں نے اپنے مسلمان اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کار ہونے کو بتایا۔ سامری نے ان سے کہا کہ میں نے اسلام کی بابت اسلام کے مخالف لوگوں یہودیوں اور نصرانیوں سے ضرور سنا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ مذہب عرب سے نکل کر ایران اور ترکستان تک پہنچ گیا ہے لیکن اب تک مسلمانوں کی صحبت کا مجھ کو اتفاق نہیں ہوا تھا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال و معجزات آپ لوگوں کی زبانی سنوں چنانچہ ایک درویش جو علم و قابلیت میں امتیاز اور نطق و گویائی میں کمال رکھتا تھا اس نے آغاز سخن کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال اور معجزات کو کو ایسے دلنشیں انداز میں

بیان کیا کہ سامری کے دل میں جناب رسالت مآب کی محبت جاگزیں ہوگئی اور جب اس نے شق القمر کے معجزہ کا حال اس درویش کی زبانی سنا تو سامری نے اپنے درباریوں سے کہا کہ بھائیو یہ معجزہ تو بہت زبردست و عظیم ہے اگر واقعتہً یہ معجزہ ان کے پیغمبر سے صادر ہوا ہے تو قریب و دور کے ملکوں کے باشندوں نے اس کو ضرور دیکھا ہوگا۔ اور ہماری حکومت میں یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب کبھی کوئی عظیم واقعہ رونما ہوتا ہے تو ہمارے یہاں کے روزنامچہ میں لوگ اس کو درج کرلیتے ہیں۔ ہمارے باپ دادا کے روزنامچہ ہمارے پاس محفوظ ہیں اس لیے میں ان کو ابھی تلاش کراتا ہوں اور اس کی سچائی کو معلوم کرلیتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت اہل دفتر کو طلب کرکے حکم دیا کہ حضور علیہ السلام کے زمانے کا دفتر نکالا جائے جب وہ دفتر نکالا گیا تو اس کے اندر صاف طور سے یہ واقعہ لکھا ہوا پایا گیا کہ فلاں تاریخ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے اور پھر کچھ دیر بعد آپس میں مل گئے۔ جب اس سامری پر اس واقعہ کی حقانیت ثابت ہوئی تو وہ کلمۂ شہادت پڑھکر سچے دل سے مسلمان ہوگیا لیکن چونکہ اپنی قوم کے سرداروں اور عام لوگوں کی طرف سے اس کو خطرہ تھا اس لیے اس نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور ان مسلمانوں کو بھی اس کے ظاہر کرنے سے روک دیا ان درویشوں کی حسب خاطر تواضع کرکے اس بات کی درخواست کی کہ حضرت آدم کے قدم مبارک کی زیارت کرنے کے بعد پھر ادھر مراجعت فرمائیں چنانچہ سامری سے مسلمانوں کا یہ قافلہ رخصت ہوکر سراندیپ پہنچا اور کچھ عرصہ کے بعد زیارت سے فارغ ہوکر شہر کدن کلور کی طرف پلٹا۔ ان درویشوں کی آمد سے سامری بہت زیادہ مسرور و شاداں ہوا اور ان کی تعظیم و اکرام کے بجالانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور خود مکہ و مدینہ کے سفر کا ارادہ اس نے ظاہر کیا۔ اس سلسلہ میں خفیہ تدبیر اختیار کی اور بحری سفر کی تیاری مکمل کرلی۔ ایک دن اس نے اپنے ارکان دولت، اعیان سلطنت اور ہر قوم کے چودھریوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اس کا اظہار کیا کہ اب مجھ پر عبادت الٰہی (گیان دھیان) کا خیال غالب آگیا ہے اس لیے میں چاہتا ہوں راج پاٹ کے جھگڑوں اور دنیا کے جھمیلوں سے الگ ہوکر خلوت گزینی اختیار کروں اور بقیہ زندگی یاد الٰہی میں گذاروں۔ چونکہ اس خلوت کی حالت میں مجھ سے ملاقات کرنا مشکل ہوگا اس لیے چاہتا ہوں کہ اپنے ہاتھ سے ایک دستور العمل لکھ کر تم کو دیدوں تاکہ تمام حکومتی کام اس کی روشنی میں انجام پائیں اور عرض و معروض کی ضرورت

پیش آئے۔

چنانچہ تمام لوگوں سے ہر طرح کا عہد و پیمان اور ہر طرح کا قول و قرار لیا گیا کہ وہ سب اس لائحۂ عمل سے ذرہ برابر انحراف نہ کریں گے اور اس پر عمل پیرا رہیں گے۔

سامری نے ملباری رسم الخط میں یہ دستور العمل لکھوا کر تمام ملک محروسہ میں امرا و حکام تک پہنچا دیا اور پھر سب کو بلا کر نصیحت کی کہ حکومت کا یہ طریقہ نسلاً بعد نسل جاری رہے گا۔ کوئی حکمراں دوسرے کے ملک قبضہ و تصرف میں لانے کا قصد نہ کرے گا۔ اور اگر باہمی خصومت و عداوت پیدا ہو جائے تو کوئی انتقامی جذبے میں ایک دوسرے کے ملک پر حملہ آور ہو کر تباہ و برباد نہ کریں اور لشکر کشی نہ کریں اور گشت و خون سے قطعی پرہیز کریں اگر اتفاقاً حکمراں یعنی راجہ مارا جائے تو سب ملک غنیم کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اس کو پسپا کر دیں لیکن کسی کی سلطنت کو تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس تحریر کے زمانے سے لے کر اب تک تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ تک ملباری لوگ اپنے راجہ کو مار ڈالنے سے ڈرتے اور بیرونی غنیم کو اپنے ملک میں در آنے کا موقع نہیں دیتے ہیں اس وقت سے اس ملک کا یہ قاعدہ آج تک برابر چلا آ رہا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سامری نے جب پورا ملک مختلف امرا اور حکام کے درمیان تقسیم کر دیا تو ایک امیر ڈرتا کانپتا حاضر ہوا۔ سامری نے اس کو اپنی تلوار دی اور کہا کہ اس تلوار کی طاقت سے جتنا حصہ ملبار کا تیرے قبضہ میں آ جائے وہ تیرا اور تیری اولاد کا ہوگا۔ اور تیرے بعد تیری اولاد کے نام پر رہے گا۔ بس اس پر اکتفا کیا جائے۔

سامری نے اپنی تمام وصیتوں سے فارغ ہو کر درباریوں اور تمام لوگوں سے کہا کہ میں فلاں مقام پر جا کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاؤں گا۔ ایک ہفتہ تک تم میں سے شخص میرے پاس نہ پہنچے۔ پھر سامری تمام مسلمانوں کے ساتھ جن کا سالار قافلہ مالک ابن حبیب تھا ان کشتی پر بیٹھ کر مکہ معظمہ روانہ ہو گیا۔ اس کی رعایا کے لوگ ایک ہفتہ کے بعد جب اس کے بتائے ہوئے مقام پر پہنچے اور سامری کو وہاں نہ پایا تو سب نے اس پر اتفاق کیا کہ سامری آسمان کی طرف عروج کر گیا ہے۔ اور پھر نزول کرے گا۔ اسی بنا پر آج تک ۱۰۱۵ھ ملبار کے لوگ سامری جس رات کو ان کے یہاں سے غائب ہوا ہے اسی جگہ پر جشن مناتے اور وہاں اس کے جوتے اور پانی رکھ دیتے ہیں کہ اگر آسمان سے سامری اترے تو جوتے اور پانی

موجود ہوں۔ ادھر سامری عرب کے ان درویشوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر بندرگاہ قندلاریہ پہنچا اور ایک رات وہاں قیام کیا اور پھر وہاں سے چل کر جب ان کی کشتی بندرگاہ شحر پر پہنچی تو وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا اور میر قافلہ مالک ابن حبیب اور تمام رفقائے سفر کو بلا کر کہا کہ۔

میری قلبی خواہش اور دلی تمنا ہے کہ آپ لوگ ملبار پہنچ کر دین محمدی کو پھیلائیں اور میری رفاقت اور محبت کا تقاضا ہے کہ اسلامی حمیت کے پیش نظر دریائی سفر کی مشقتوں اور صعوبتوں کو برداشت کر کے وہاں پہنچیں اور وہاں کے لوگوں سے انس و محبت پیدا کر کے سکونت اختیار کریں اور آہستگی کے ساتھ وہاں کے باشندوں کو دین محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف رغبت دلا کر ان کو حلقۂ اسلام میں داخل کریں۔ ان درویشوں اور اسلام کے داعیوں نے سامری کو اس حسن نیت اور پاکیزہ ارادہ کے لیے دعا دی اور جواب میں کہا کہ جب آپ اس ملک میں نہ ہوں گے تو ہمارے لیے وہاں سہولتوں کا ہونا کیونکر ممکن ہے۔ اس لیے کہ خود وہاں کے باشندے اور پھر یہودی و عیسائی تاجر ہم سے مخالفت و معاندت رکھتے ہیں۔ وہ اس بات کو کیونکر پسند کریں گے کہ وہاں اسلام کے قدم جم سکیں چہ جائیکہ ہم وہاں مستقل سکونت کر کے اس ملک کو وطن بنائیں۔ سامری نے تھوڑی دیر سوچ کر اپنے امرا و اقربا اور رعایا کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ خط سامری کی جانب سے ہے۔

خدائے دو جہاں اور معبود زمین و آسمان کے حکم سے ہم نے تم سے جدائی اختیار کر لی ہے لیکن مستقبل قریب میں ہم تم سے ملاقات کریں گے۔ مجھ کو تم ہمیشہ حاضر و موجود جان کر میرے لکھے ہوئے دستور العمل پر قائم رہو اور اس کی خلاف ورزی نہ کرو اس وقت حق پرستوں کی ایک جماعت جس کے سربراہ مالک ابن حبیب ہیں جن سے کسی قسم کی بد نفسی یا شرارت کا اندیشہ نہیں ہے یہ لوگ تجارتی سلسلہ میں اس نواح کا قصد کر رہے ہیں۔ ان کی طرف سے اطمینان کلی حاصل کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ یہ سفارشی خط لکھا جائے اس نیک اور پاک باز گروہ (جماعت) کی آمد کو عظیم نعمت شمار کر کے بیش از بیش تعظیم و تکریم بجا لائی جائے اور ہر طرح اصول حکمرانی کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر قسم کی امداد و اعانت کی جائے جو تمہارے لیے دین و دنیا کی سعادت و فلاح کا سرمایہ ہے۔ اسی طرح اور جو لوگ بھی تمہارے یہاں وارد ہوں ان کو غنیمت جان کر انتہائی عزت و اکرام کا معاملہ کیا جائے جس طرح میرے زمانۂ حکومت میں

برتاؤ کیا جاتا تھا ان لوگوں کے ساتھ وہی حسن سلوک اختیار کیا جائے۔ اگر ان لوگوں کو ان دیار (ملک) میں مستقل سکونت کی خواہش پیدا ہو تو فیاضی کا معاملہ اختیار کیا جائے کیونکہ تمہارے یہاں زمینیں، باغات اور مکانات بہت ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے پردیسی ہونے کی وجہ سے ان سے کسی طرح کی مزاحمت کی جائے۔

سامری نے یہ خریطہ ان درویشوں کو سپرد کر کے مزید کہا کہ اپنی ہمراہی میں میرے اس سفر کرنے اور اس مقام پر پہنچ کر میرے مرنے کی خبر کو بھی مخفی رکھا جائے اور میرے اس فرمان کو کدنگلور کے حاکم کو پہنچا دیا جائے وہ یقیناً تمہارے ساتھ بہتر سلوک کرے گا۔ پھر سامری تمام اسباب اور سامان کو مسلمانوں کے سپرد کر کے واصل بحق ہوا اور اس کو بندرگاہ شجر میں دفن کر دیا گیا۔

اس کے بعد ملا محمد قاسم فرشتے نے معجزہ شق القمر کے بارے میں ایک دوسری روایت کو بیان کیا ہے اور اس کی بابت کہا ہے کہ صحیح روایت یہ ہے کہ خود سامری نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے محل سے شق القمر کا معجزہ اپنی آنکھوں سے خود دیکھا اور اس کی تحقیق کے لیے قابل اعتماد افراد کو اطراف میں بھیجا۔ اس کے بعد جب اسے معلوم ہوا کہ عرب میں ایک نئے پیغمبر کا ظہور ہوا ہے اور اس پیغمبر نے شق القمر کا معجزہ منکروں کے کہنے پر دکھلایا ہے تو سامری پر دینی شوق اس قدر غالب ہوا کہ وہ چند ہمراہیوں کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر حجاز پہنچا اور خانۂ کعبہ کی زیارت کی اور پھر جب ایمان لانے کے بعد سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے وطن کی واپسی کی اجازت چاہی تو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بندرگاہ شہر ظفار میں پہنچا اور مرض الموت میں گرفتار ہو کر وفات پائی۔ وہاں اس کی قبر موجود ہے۔ لوگ زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ بہرصورت مسلمانوں کی وہ جماعت جو اس کے ہمراہ تھی اس کے اندر اشرف ابن مالک اور مالک ابن دینار اور اس کے بھتیجے مالک ابن حبیب وغیرہ سامری کی وصیت کے مطابق وہاں سے روانہ ہو کر ملبار پہنچے اور سامری کا خط کدنگلور کے راجا کو پہنچایا راجا نے اس خط کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ واقعۃً یہ سامری ہی کا خط ہے اور ان سب تاجروں، درویشوں کا خیر مقدم کیا۔ اور پوچھا کہ سامری کہاں ہے اور تم لوگوں کے ساتھ کس لیے گیا تھا تو انھوں نے حسب ہدایت جواب دیا کہ سامری نے نہ تو ہمارے ساتھ سفر کیا ہے اور نہ ہم کو اس کا کچھ پتہ ہے۔ جس وقت بندرگاہ شجر کے

کنارے ہم کشتی پر سوار ہو رہے تھے تو ہم نے اسکو وہاں دیکھا تھا اور جب ہم نے ترک وطن کا سبب پوچھا تو ہماری طرف کوئی توجہ نہ کی پھر جب اس کو معلوم ہوا کہ ہم لوگ ملبار جا رہے ہیں تو یہ تحریر لکھکر دے دی کہ اس کو کدنگلور کے راجا کو پہنچا دیا جائے ہم وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ اس سے زیادہ ہم کو کسی بات کی خبر نہیں۔

چونکہ اہل ملبار کا عقیدہ تھا کہ سامری زندہ آسمان پر عروج کر گیا ہے۔ انھوں نے یقین کیا کہ وہ کسی اہم کام کے لیے بندرگاہ شجر پر اُترا اور اس کاغذ کو لکھ کر ان لوگوں کے ہاتھ ہمارے پاس بھیج دیا ہے اور پھر آسمان پر چلا گیا۔ اس وقت تمام راجا اور پرجا ملبار کے تمام مقامات میں اس فرمان کے پہنچنے پر مسرت و خوشی کا سامان کیا اور کدنگلور کے مہاراجا نے ان مہمانوں کو باعزت طریقہ سے اتارا اور جیسا کہ اس علاقہ کی رسم ہے مہمانی اور میزبانی اور ان کے اکرام و اعزاز میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔

(تاریخ فرشتہ)

صاحب تحفۃ المجاہدین نے جس کے حوالے سے تاریخ فرشتے نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اس پر نقد کیا کہ راجہ سامری کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک محقق نہیں ہے غالب گمان ہے کہ راجا مذکور دوسری صدی میں ہوگا اور اس دوسری روایت کو کہ وہ راجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں معجزہ شق القمر دیکھ کر مسلمان ہوا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر وہاں سے واپسی میں مقام بندرگاہ شجر میں انتقال کیا اس کی بابت بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ صحت کو نہیں پہونچی۔ راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ ہمارے ملک میں عہد رسالت یا مابعد عہد رسالت کی کوئی تاریخ اہل ہند یا اہل عرب نے ترتیب دی ہے۔ جس کے اندر یہ واقعہ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ اس وقت تک اس انداز کے تاریخی تعلقات اس نئے رشتہ (اسلام) سے استوار و مضبوط نہیں ہوئے تھے بلکہ دونوں قوموں کا یہ نیا رشتہ ابھی نقطۂ آغاز میں تھا اس لیے اس وقت اسلام اور ہند تاریخ کا موضوع نہیں بن سکے تھے۔ اس بنا پر جب ہم کو قبل تاریخ کے واقعات کی تدوین کرنا ہوگا تو ان عوامی حکایات اور لوگوں کے درمیان پھیلی ہوئی روایات کو خام مواد کی حیثیت سے اختیار کر کے اس کو چھانٹنا اور کھنگالنا پڑے گا۔ جو عوامی روایت اصول درایت کے خلاف ہو اس کو جانچ ٹھیک کر رد کرنے یا قبول کرنے کا حاصل ہوگا۔

سامری کا اسلام اور اس کی تاریخی شہادت

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب عربوں کی آمد و رفت کا سلسلہ عہد قدیم سے مستقل چلا آ رہا ہے اور اہل ہند کا بھی دریائی سفر کرنا ثابت ہے مزید یہ کہ عہد رسالت تک اس کا تسلسل نہیں ٹوٹا تو عربوں کے ان بحری قافلوں کی آمد پر سامری کا معجزہ شق القمر کی تحقیق کے لیے لوگوں کو بھیجنا اور اس معجزہ کے ظہور کا ثبوت مل جانے پر حلقہ بگوش ہو جانا عقل و دانش کے خلاف نہیں ٹھہرتا۔ خواہ دوسری روایت کے مطابق اس نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یا اس سے پہلے کسی راجہ نے اس معجزہ کو دیکھ کر اپنے یہاں کی پوتھیوں میں اس کو درج کر دیا ہو بہرحال اس واقعہ سے انکار کی کوئی عقلی وجہ نہیں معلوم ہوتی خصوصاً ایسی حالت میں کہ زمانۂ حال کے مشہور و معروف مذہبی آریہ سماجی رہنما لالہ ہنس راج نے اس کی تصدیق کی ہے جو اس واقعہ کی تازہ اور مضبوط شہادت ہے۔ لالہ ہنس راج جو ایک نامور ہندو محقق اور آریہ سماجی لیڈر تھے۔ وہ جب موپلوں کی شورش جو ۱۹۲۱ء میں ملبار میں برپا ہوئی۔ اس کی تحقیق کے لیے وہاں گئے تھے جب جنوبی ہند کے شہر ملبار پہنچے تو ان قدیم النسل عربوں مسلمانوں کو دیکھ کر انھیں خیال آیا کہ اس ساحل پر اسلام کیسے آیا اور کس طرح یہ مذہب اندرون ملک پھیل گیا مختلف توجیہوں اور نظریوں کے سامنے آنے کے بعد انھیں ایک ہندو مندر میں ملبار کے ایک پرانے راجا کی لکھی ہوئی ایک تاریخ ملی جو سنسکرت زبان میں تھی لالہ صاحب نے اس کو بغور پڑھا اس کے اندر راجا کے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح لکھا تھا۔

راجا نے اس تاریخ میں اس طرح لکھا تھا کہ۔

"میں نے ایک شب چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تو مجھ پر ایک ہیبت طاری ہو گئی میں نے اپنے یہاں کے پنڈتوں اور نجومیوں کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے۔ ان لوگوں نے کہا عرب میں کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے اس کا دین دنیا و دین کی نجات دلائے گا۔ چونکہ عرب لوگ ساحل ملبار آتے جاتے اور نادر اشیا کی تجارت کرتے تھے۔ اس لیے راجہ نے عربوں کو بلا کر پیغمبر عرب کے شمائل و خصائل، کمالات و امتیازات دریافت کیے بالآخر اس نے ایک دربار کیا اور اپنے سرداروں اور رعایا کے نمائندوں سے کہا کہ میں ایک وفد عرب بھیج رہا ہوں۔ اگر یہ لوگ وہاں سے پیغمبر کی تصدیق و توثیق کر کے آئیں گے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا اور تم لوگ بھی وعدہ کرو کہ اس وقت مسلمان ہو جاؤ گے۔" لالہ جی مذکور کی یہ رپورٹ اس وقت کے پرچہ البلیغ ۱۹۲۶ء آگرہ میں طبع ہوئی تھی۔ (شہادت الاقوام ص ۱۳۳)

دوسری جگہ لالہ ہنس راج کے اس دورہ کی تفصیل دوسرے اخبار میں اس طرح آئی۔

"جب موپلوں کے واقعات کی تحقیق کے لیے مہاتما لالہ ہنس راج بی اے نے ساحل ملبار کی سیر کی تو ایک روز ان کو ساحل ملبار پر اسلام کے پھیلنے کا راز معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا اتفاقیہ انھیں ملبار کے کسی مندر میں جس کے پرانے قلمی تبرکات بیرونی سیاحوں کے لیے دلکشی کا باعث بنتے تھے۔ وہاں ان کو یہ شوق تحقیق لے گیا سنسکرت کی ایک پرانی تاریخ میں ان کو وہ واقعہ ملا۔ جس کو لالہ ہنس راج اسلام کے پھیلنے کا سبب ٹھہراتے ہیں اور اس کو وہ اپنی رپورٹ میں لکھ چکے ہیں کہ ساحل ملبار کے راجہ نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ رات کے وقت ایسے واقعہ کے پیش آنے سے جو گھبراہٹ ہوئی اس کے باعث راجہ نے اپنے خاص الخاص مصاحبوں کو جس میں ایک مرتاض اور باخدا پنڈت بھی تھا اس نے اپنے عقیدہ کے موافق بعض پیشگوئیاں اوتاروں کی بعثت اور آخری اوتار کی آمد یعنی بعثت انبیا اور سرخیل انبیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بیان کیں راجہ نے دوسرے دن دربار کیا اعیان حکومت اور ارکان سلطنت کو بلایا اور یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد سات آدمیوں کو مکہ معظمہ تصدیق رسالت کے لیے روانہ کیا وہ لوگ یہاں سے چلے گئے۔ جب واپس ہوئے تو راجا مسلمان ہوا اور اس کے ساتھ اور بہت سے لوگ بھی مسلمان ہوئے اس سے ظاہر ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ یہ واقعہ پیش آیا تھا اور اس کی خبر بعض پرانے حوالہ جات میں ملتی ہیں۔

(اخبار اہل سنت والجماعت امرتسر یکم جون ۱۹۲۶ء بحوالہ شہادت الاقوام ص ۲۹ تا ص ۳۶)

(۳) اس واقعہ کی صداقت کی دوسری اہم شہادت اس ریاست کے حکمرانوں کی تخت نشینی کی روایت سے مزید ملتی ہے۔

جنوبی ہند کی اس دیسی ریاست کدن کلور میں مذہب اسلام نے اپنے ابتدائی سنہری دور میں سرزمین حبشہ کی طرف قدم رکھا اور یہاں کے راجہ سامری نے نجاشی شاہ حبشہ

کی طرح مسلمان درویشوں اور عرب تاجروں کی خلوص دل سے پذیرائی کی بلکہ خود مذہب حق کو قبول کیا اس لیے ہر دور میں اہل اسلام اور شاہان اسلام نے اس ریاست کی حمایت کی اور ہر زمانے میں احسان شناسی کا ثبوت دیا۔

جنوبی ہند کی دوسری ریاستوں میں فاتحان اسلام کی ترک تازیوں سے مسلسل تبدیلیاں ہوتی رہیں لیکن ریاست کدنگلور جس نے بعد کے زمانے میں ریاست ٹراونکور نام سے شہرت پائی اسی نام سے برقرار ملا قاسم فرشتہ نے اپنے دور تصنیف ۱۰۰۵ھ تک اس ریاست کی تخت نشینی کا جو حال لکھا ہے وہ نہ صرف ان کے زمانے تک قائم رہا بلکہ ہندوستان کے انگریزی سامراج کی غلامی سے آزاد ہونے اور ریاستوں کے انڈین یونین کے اندر ختم ہو جانے ۱۹۴۷ء تک اس کی سابقہ حیثیت برقرار رہی ہمیشہ سے مسند نشینی کا یہی دستور رہا کہ راج گدی ہمیشہ خالی رہتی اور جو راجا تخت نشین ہوتا وہ سامری کے نائب کی حیثیت سے حلف وفاداری اٹھاتا اور اس علاقے کے معزز مسلمان کے ہاتھوں جو اغلباً ان ہی قدیم عربوں کی اولاد میں سے ہوتا راج سنگھاسن پر بٹھایا جاتا اور وہ عرب مسلمان راجا سے یہ عہد لیتا کہ میں سامری کے نائب کی حیثیت سے راج سنگھاسن پر براجمان ہو رہا ہوں جب تک لوٹ کر وہ نہ آئے اس کے قائم مقام ہو کر امور سلطنت کو انجام دوں گا اور جب اصلی راجا (سامری) آسمان سے اتر آئے گا تو اس کے لیے میں تخت کو خالی کر دوں گا تمام رعایا کو ایک آنکھ سے دیکھوں گا۔ سب کے ساتھ برابر انصاف کروں گا۔

چنانچہ اس عہد وفاداری کے بعد وہی معزز مسلمان جو بیلا کہلاتا تھا اس کی کمر میں شمشیر حمائل کرتا اور پھر سارے درباری مہاراجا کے حضور اپنے اپنے نذرانے پیش کرتے تھے۔ صدیوں سے اس ریاست کی تخت نشینی کا اسی طرح یہ سلسلہ قائم رہا۔ جس سے سامری کے عروج آسمانی کے عقیدہ کی جو اس کے ہم مذہب لوگوں کے دلوں میں تھی تصدیق ہوتی ہے اور سامری کا مسلمان ہونا اور دائرہ اسلام میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

راجہ سامری کون تھا؟

راجہ سامری جس کو انگریز مؤرخین زمورن کے نام سے یاد کرتے ہیں بقول

محمد قاسم فرشتہ مالوہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا لیکن یہ کہ اس راجا کا اصل نام کیا تھا کیونکہ سامری یا زمورن تو اس ریاست کے راجہ کا لقب رہا۔ مورخین کے درمیان اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا نام چکرورتی تھا اور بعض اہل تاریخ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ چیرامین پیرومل تھا یہ بات محقق ہے کہ وہ شق القمر کے معجزے سے ضرور واقف تھا جس کی وجہ سے اس نے نووارد مسلمان تاجروں سے اس معجزے کی تحقیق کی کیونکہ بقول فرشتہ یہ عجیب و غریب واقعہ ان کے دفتر یا پوتھیوں میں درج تھا۔

ہماری تاریخوں میں ملبار کے اس ہندو راجا زمورن کا تذکرہ مشکل ہی سے ملتا ہے کیونکہ اس نے ہندوستانی مذہبی روایات کی خلاف ورزی کی تھی جس کے مطابق سمندر پار کا سفر ممنوع تھا۔ یہی وہ راجہ ہے جس نے ہندوستان کی بحری تجارت کو فروغ دینے کے لیے اپنے وزیر اعظم کو کئی درباریوں کے ساتھ اسلامی ممالک پہنچایا تھا تاکہ وہ ہندوستانی سامان لے کر بحری جہازوں کے ذریعہ سمندر پار کے ممالک کو جایا کرے۔

(تاریخ ہند احسن مرزا)

یہ واقعہ ساتویں صدی عیسوی اور پہلی صدی ہجری کا ہے جبکہ چیر خاندان کا آفتاب اقبال غروب ہو رہا تھا اور اسلام کے سورج کی ہلکی ہلکی شعاعیں اس خطہ پر پڑ رہی تھیں پھر آٹھویں صدی کے خاتمہ اور نویں صدی کے آغاز یا دوسری صدی ہجری میں ملبار کے آخری راجا چیرومل کا مشرف باسلام ہونا تحقیقی طور پر ثابت ہے جس کی وجہ سے اس کی راجدھانی کدنگلور میں مسلمانوں کی اہمیت بڑھ گئی تھی اور اہل اسلام بیلا کے لقب سے یاد کیے جانے لگے جس کے معنے نوشہ یا دولھا یا طفل عظیم کے ہیں اور یہ بیرونی مہمان (مسلمان) نمبودری برہمن کے ساتھ ہر جگہ بیٹھ سکتے تھے۔ (عہد وسطی کا ہند ص ۲۱)

جب کہ شمالی ہند میں عرصۂ دراز تک مسلمانوں کو ملیچھ یا اجنبی سمجھا جاتا رہا۔ راجہ مذکور نے عرب تاجروں کی خوب خوب عزت افزائی اور سرپرستی کی اور اسلام کے یہ تازہ دم داعی و مبلغ اس کے حدود سلطنت کے اندر بڑی تعداد میں آباد ہو گئے اور اسلامی تہذیب کی یہ تازہ بستیاں عرب کے ان نووار دان اسلام سے معمور ہونے لگیں۔ انھوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے تجارتی کاروبار میں صداقت و امانت سے نہ صرف دولت و ثروت حاصل

کی بلکہ زیمورن کے جنگی مہموں میں حصہ لے کر بعد میں شریک سلطنت بن گئے۔ اسی زمانے میں عرب تاجروں نے اس علاقہ میں تجارتی منڈی قائم کی جو آگے چلکر کالی کٹ کی خوشحال بندرہ بن گئی۔ مذہبی تاجر یہاں کے قاضی مقرر ہوئے جن کو ہنرمند کہا جاتا تھا۔ گویا مہاراجہ نے شریعت اسلامی پر پوری طرح عمل کرنے کے اختیارات مسلمانوں کو دیدیئے اور اس زمانہ میں پوری پوری مذہبی آزادی دے کر زبردست روشن خیالی کا ثبوت دیا۔ مسلمانوں کو شرعی حقوق دیئے جانے کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کرنے کا مکمل اختیار دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ عربی النسل مسلمان تاجر زیمورن کی حمایت میں تاملناڈ کے راجاؤں کے خلاف برابر لڑتے رہے جس کے بعد زیمورن کا اقتدار جنوبی ملبار میں مکمل طور پر ہو گیا۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ راجا چیرامین پرومل نے ایک عرب مورث اعلیٰ کو اپنے یہاں کو [illegible] راجا بنا دیا تھا۔ زیمورن مسلمانوں کا بڑا خیال رکھتا تھا اور اسلام کی اشاعت میں حوصلہ افزائی کا رویہ اختیار کرتا تھا۔ نو مسلم جہازوں میں بھرتی ہوتے اور یہ جنگی جہاز زیمورن کی جنگی مہموں میں [illegible] آتے تھے۔ (عہد وسطیٰ ص۲۶۳)

باذان ہندی کا اسلام (عہد رسالت میں)

اس موضوع کی ایک دلچسپ بحث یہ ہے کہ جب ہندوستان کے ایک راجہ نے جناب رسالت مآب کی خدمت میں زنجبیل کا تحفہ بھیجکر اپنی محبت کی گرم جوشی کا ثبوت دیا تو آیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت مبارکہ کو براہ راست قبول کرنے کا شرف کسی ہندوستانی کو حاصل ہوا۔

اگر یہ شرف ثابت ہو جاتا تو اسلامی تاریخ کے کلاہ افتخار کا ایک لعل تابدار ہوتا۔ اس سلسلہ میں ہندوستانی تواریخ میں تلاش کرنا اس لیے بے سود ہے کہ اس دور کی کسی ہندی تاریخ کا سراغ نہیں ملتا۔

ہاں اسلامی روایات کی تلاش و تجسس سے گوہر مقصود ہاتھ لگ سکتا ہے۔ جب ہم اس نقطہ نظر سے تاریخ اسلامی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو چند ہندی حضرات کے نام ملتے ہیں کہ وہ عہد رسالت میں مشرف باسلام تو ہوئے لیکن فیض صحبت سے محروم رہے۔ اگر ان کو آفتاب رسالت کی شعاعوں سے براہ راست کسب نور کا موقع ملتا تو وہ بھی آسمان

تاریخ پر ستارہ بن کر چمکتے۔ چنانچہ ہندوستان کے لوگوں میں اساورہ کے نام سے عرب میں جو جانے پہچانے جاتے تھے ان میں حضرت باذان کا نام آتا ہے۔ ان کا ذکر ملک الہند اور کبھی ملک الیمن کے لقب سے کتب حدیث میں ملتا ہے۔ یہ باذان شہنشاہ ایران خسرو پرویز کی جانب سے یمن کے گورنر تھے۔ ان ساتھ شہسواروں کی ایک جمعیت تھی جن کے اندر ایران و ہند کے فوجی سوار شامل تھے ان کو اساورہ اسی لیے کہا جاتا تھا کہ یہ سواروں کی ایک جماعت تھی گویا باذان ان فوجی سواروں کا سپہ سالار کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضور علیہ السلام جب قریش مکہ کی طرف سے مطمئن ہوئے تو مدینہ منورہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی عالمگیر دعوت کے لیے شاہان عالم کے نام خطوط لکھے۔ ان کے اندر خسروئے ایران شہنشاہ پرویز کے نام بھی خط تھا جو حضرت حاطب ابن بلتعہ کے ہاتھوں بھیجا گیا تھا۔ ایرانی شہنشاہ نے خط کے اندر سرنامہ پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو لکھا ہوا دیکھا تو غصہ سے آگ بگولا ہو گیا اور نامہ مبارک کو چاک کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو قتل کیا۔

چونکہ یہ مکتوب گرامی شاہ یمن باذان کے واسطے سے اس زمانے کے حکومتی آداب کے مطابق شہنشاہ کے نام روانہ کیا گیا تھا اس لیے شہنشاہ خسرو پرویز نے باذان کو لکھا کہ [illegible] ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے جس کا خط ہم کو ملا تھا اس لیے تم اس کو پکڑ کر ہمارے دربار میں حاضر کردو اور دو ایرانی پہلوان حضور علیہ السلام کی خدمت میں باذان نے روانہ [illegible] یہ دونوں حضور کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنا مقصد آمد ظاہر کیا تو حضور نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا کہ پہلے تم اپنے بادشاہ کی خبر لو۔ وہ فلاں تاریخ کو قتل کر دیا گیا چنانچہ ایسا ہی ہوا باذان اور اس کے ساتھی حضور علیہ السلام کے اس معجزے کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے اور اس کی اطلاع بھی بارگاہ نبوت میں کرا دی۔

حافظ الدنیا علامہ ابن حجر نے کسریٰ کے قتل کی شب دوشنبہ دس جمادی الآخر سنہ ۷ھ لکھی ہے جس کے بعد باذان کے مسلمان ہونے کے لیے میں حافظ ذہبی کے ملک الہند کے بجائے باذان کے لیے ملک الیمن لکھنے کو بتایا ہے۔

(فتح الباری)

امام حافظ ذہبی نے تجرید الصحابہ میں حضرت باذان کے نام کے ساتھ باذان الفارسی ملک الہند اور باذان ملک الیمن لکھا ہے۔ پھر درمیان کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔

ابن عقر جزری نے بیان کیا کہ کسریٰ بادشاہ کے قتل ہونے کے بعد باذان ملک الہند نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کے مسلمان ہونے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجدی۔

امام ذہبی نے جیسے کہ تجرید میں باذان الفارسی باذان ملک الہند باذان ملک الیمن تین نسبتوں کے ساتھ ذکر کیا ہے اور پھر باذان ملک الہند کا حال لکھا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبی اصل حقیقت تک پہنچ چکے تھے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ باذان ہندوستان کے ان بہادر و دلاور لوگوں میں سے تھے جنھوں نے خسرو ایران کے دور سے ملک میں جاکر سکونت اختیار کی تھی پھر اپنے بہادرانہ کارناموں کی بنا پر سپہ سالار شہسوار یعنی رئیس الاساورہ کا لقب پایا۔ شہنشاہ ایران نے ان کی بہادری و جاں نثاری کو دیکھ کر اپنی سلطنت کے دور دراز خطے یمن کا گورنر بنادیا تاکہ وہاں ایرانی دائرۂ اقتدار کو وسیع کرسکیں یمن کا ساحل چونکہ ساحل ہند کے مقابل ہے اس لیے وہ ہندوستان کے لوگوں کی جمعیت سے اس علاقہ میں پاؤں جمانے اور طاقت بڑھانے میں کامیاب ہو سکتے تھے جس کی تائید اس تفصیل سے ہوتی ہے جس کو علامہ ابن اثیر جزری نے بیان کیا ہے کہ باذان جو ابنائے فارس میں سے تھے۔ جن کو نوشیرواں نے سیف ابن ذی یزن کے ساتھ حبشہ کی لڑائی کے لیے بھیجا کیوں کہ انھوں نے یمن میں اقامت اختیار کرلی تھی اور مقام صنعا میں مقیم تھے۔ اس لیے باذان یمن کے ساتھ مشہور ہوئے۔ یہی باذان حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے: پھر اسود عنسی کے قتل میں ان کا زبردست ہاتھ رہا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل تاریخ کامل میں ہے۔

(اُسد الغابہ ص ۱۶۳ ۔ ج ۱)

دوسرے وہ ہندوستانی جو حضور علیہ السلام کے زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے بیزرتن ہندی یمنی ہیں۔ حافظ الذہبی نے ان کو مدرکین میں شمار کیا ہے یعنی انھوں نے دور جاہلیت کے ساتھ اسلام کے عہد سعادت عہد کو پایا۔ اصابہ میں ان کا حال ہے کہ "بیزرتن ہندی شاہان ایران کے زمانے میں تھے جو بھنگ سے علاج کرتے تھے سب سے پہلے انھوں نے بھنگ کا رواج ان علاقوں میں عام کیا اس وجہ سے ان کی شہرت یمن میں ہوئی۔ یمن میں ایرانی حکومت کے زمانے میں مستقل سکونت اختیار کی اور جڑی بوٹیوں کے ذریعہ ہندوستانی علاج کرتے تھے۔ جب باذان گورنر یمن [illegible] میں اپنے ایرانی رفقا اساورہ کے ساتھ مسلمان ہوئے تو یہ بھی داخل اسلام ہوگئے: بہرحال سندھ کے تاجر لوگوں یا اندرون ہند کی مشہور بہادر قوم جاٹ ان کا قیام و سکونت عہد رسالت و خلافت میں عرب میں چلا آرہا تھا چنانچہ امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں صحابہ کے زمانے کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بیمار ہوئیں تو ان کے بھتیجوں نے ایک جاٹ طبیب کو ان کے علاج کے لیے بھیجا۔

(الادب المفرد باب بیع الخادم ص ۳۵ مطبوعہ مصر)

اسی طرح امام احمد بن حنبل کی کتاب الورع کا قلمی نسخہ الجیریا میں سنہ ۱۳۴۰ھ میں چھپا ہے جس کے اندر ایک باب (لبس النعال السندیہ) قائم کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے جوتے اس قدر خوشنما اور بھڑکیلے ہوتے تھے کہ ثقہ سنجیدہ لوگ اس کو پہننا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ جوتے شہزادوں کے پہننے کے قابل سمجھے جاتے تھے۔

(ضمیمہ عرب و ہند ص ۳ اودھ)

بیزرتن ہندی کی صحابیت کا قصہ چونکہ مشتبہ اور مشکوک ہے۔ ایک طرف صاحب قاموس علامہ جمال الدین فیروزآبادی ان کی صحابیت کے امکان کے قائل اور ان کی روایات کو صحیح بتاتے ہیں تو دوسری طرف مشہور امام ذہبی ان کے وجود کو ہی فرضی قرار دیتے ہیں اس لیے ہم نے ان کے تذکرہ کو نظرانداز کردیا ہے۔

ہمارے اس دلچسپ موضوع کی بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب اسلام کی عالمگیر دعوت نے دونوں قوموں کو ایک دوسرے کے سمجھنے اور قربت ہونے کا تعلق پیدا کیا۔ اہل سیلون (لنکا والوں) نے حق طلبی کے جذبے سے عہد نبوت میں اپنے نمائندے کو حضور علیہ السلام کی خدمت فیض درجت میں بھیجا اور ہند کے راجہ نے تحفۂ محبت کو آپ کے حضور میں ارسال کیا اور ملبار کے مہاراجہ سامری نے پیش قدمی کرکے دیار عرب میں سفر کرنے کا قصد کیا اور خود پیغمبر اسلام نے

ہندوستان کے قصد کرنے والے یعنی غازیوں کو جنتی ہونے کی عظیم بشارت دی تو کیا کسی صحابیٔ رسول اللہ کا سرزمین ہند میں آنا ثابت ہے۔

علامہ ندوی نے اس کا جواب اثبات میں دیا ہے۔

(مکاتیب سلیمانی ص۱۸۰)

لیکن وہ کونسے صحابی ہیں اس پر علامہ موصوف نے کوئی روشنی نہیں ڈالی اس لیے یہ سوال پھر تشنہ رہ جاتا ہے۔

صحابہ کا ہند میں ورود مسعود

صحابہ کے مقدس قافلے کا سرزمین ہند میں ورود مسعود جب کہ فتوحات [illegible] کر روم و ایران عہدِ خلافت میں رہا کیوں کر ہوا؟

اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اسلام روز اول سے ایک عالمگیر دعوتی مذہب ہے اس لیے شروع ہی سے اپنے فطری پیغام کو مقامیت کے دائرے سے نکال کر آفاقیت کے اصول پر قائم کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت کا ابتدائی مرحلہ مکہ کی وادی میں شروع فرمایا۔ لیکن جب قبولیت کے لیے وہاں فضا سازگار نظر نہیں آئی تو طائف کا پر مشقت سفر اختیار کیا اور ان صحابہ کرام کو جو ناقابل برداشت مظالم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دے کر عرب کی سرزمین سے باہر حبشہ (افریقہ) میں دعوت اسلام کے پودے کو نصب کرنے کی اجازت دی پھر اس تیرہ سالہ مکی زندگی میں جس کے اندر پیغمبر اسلام اور ان کے صحابہ کرام پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے گئے تھے جن کو سن کر پہاڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے اسی سخت حوصلہ فرسا و جانگسل دور میں اسلام حجاز سے نکل کر یمن کے علاقے تک جا پہنچا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تیرہ سالہ مکی زندگی حضور علیہ السلام کے فدا کار و جاں نثار صحابہ کرام کے لیے ایسی عظیم تربیتی مدت (ٹریننگ کورس) تھی جس کے اندر عرب قوم کی جاہلی عصبیت، قومی حمیت و غیرت اور خاندانی غرور و نخوت کے باطل خیالات سے دلوں کو پاک صاف کر دیا جو ان کے رگ رگ میں رچی اور بسی ہوئی تھی۔ ذاتی مفادات، خاندانی برتری و تفوق کے خیالات خود غرضانہ قبائلی مقاصد کے لیے عرب نے بلکہ دنیا جہان نے جنگیں کی جاتی تھیں اور حرب و پیکار کے

شعلے بھڑکائے جاتے تھے۔ مکی زندگی کی امتحانی زندگی نے ان کے دلوں کو اغراض و مفادات کے میل کچیل سے صاف کر کے خلوص و للہیت کی روشنی سے مجلّا و مصفا کر دیا۔ اس مدت میں یہ نفوس قدسیہ مظالم و مصائب کی بھٹی میں تپ تپا کر کندن بن گئے پھر ہجرت کے بعد گو اسلام کے فروغ و اشاعت کے دور کا آغاز ہوا لیکن یہ دس سالہ زمانہ مہاجرین اور انصار کے لیے مسلسل جنگوں، متواتر رزم آرائیوں اور لگاتار لڑائیوں کی بنا پر پچھلے دور سے کم آزمائشی دور ثابت نہ ہوا پھر ان قربانیوں جانبازیوں، سرفروشیوں اور خدا و رسول کی اطاعت گزاریوں اور فرماں برداریوں میں حضور علیہ السلام کے سچے ساتھیوں نے یہ زمانہ گزارا اور خداوندی امتحانات میں وہ پورے اترے آزمائشوں کی کسوٹی پر کھرے ثابت ہوئے اس امتحان و آزمائش کی عظیم کامیابی نے صحابہ کرام کو زر کامل عیار بلکہ صداقت کا معیار بنا دیا ان کے اندر صبر و شجاعت نظم و ضبط، ایثار و مروت اور مخلوق خدا کے ساتھ سچی ہمدردی اور شفقت کے ایمانی جوہر چمک اٹھے۔

پیغمبر اسلام کے فیض صحبت نے ان کو اخلاق فاضلہ اور تہذیب و شائستگی کے اس بلند مقام پر پہنچا دیا کہ وہ اہل عالم کے لیے نمونۂ عمل بن گئے ان کی بزرگ ہستیاں انسانوں کے لیے قابل تقلید اور ان کی ذوات بابرکات بن گئیں اور وہ ہر قسم کی فتوحات کے لیے پیش رو بن گئے۔ خود پیغمبر اسلام نے فرمایا [illegible] ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ غزوات میں فتوحات کے لیے یہ معلوم کریں گے کہ تم میں وہ لوگ ہیں جو حضور علیہ السلام کی بابرکت صحبت سے مشرف ہوئے ہوں اور جب وہ نہ رہیں گے تو لوگ تلاش کریں گے کہ تم میں وہ لوگ ہیں جنھوں نے پیغمبر کے صحابہ کو دیکھا ہو کر ان کے وجود سے برکت حاصل کریں چنانچہ ان متبرک ہستیوں کی دعاؤں سے خداوند قدوس فتوحات کے دروازے کھول دے گا یہی وجہ ہے کہ جب اسلامی غزوات نے ایشیا و افریقہ کے علاقوں تک وسعت اختیار کی اور عرب و عجم کی فتوحات کے بعد جب دور دراز علاقوں میں عساکر اسلامی پہنچنے لگے تو صحابہ کرام کو ان غزوات میں ہمیشہ پیش رکھا جاتا تھا بنا بریں جب خلافت راشدہ و خلافت امویہ کے دور میں ہندوستان کی طرف اہل عرب نے رخ کیا تو صحابہ کرام نے اس ملک میں قدم رنجہ فرمایا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے صحابہ تھے جن کی تشریف آوری سے یہ ملک مشرف ہوا۔

صاحب العقد الثمین نے اس اہم اور اچھوتے موضوع پر عمدہ تحقیقاتی روشنی ڈالی ہے انھوں نے تاریخ اسلامی ہند کے اس تاریک گوشہ کو روشن و درخشاں کر کے عرب و ہند کی تاریخ میں ایک نئے باب کا

فرزانِ بنو ثقیف کی اوّلیت

صداقتِ اسلامی کا عجیب و غریب معجزہ ہے کہ طائف کی وہ سرزمین جو حجاز کا گرمائی مستقر ہے جیسے ہندوستان کے لیے شملہ اور جہاں قریش کے اربابِ دولت امراء کے باغات اور محلات تھے جو بنو ثقیف عرب کے مشہور قبیلے کا مسکن و وطن تھا وہ بنو ثقیف جو اپنی شجاعت و سخاوت میں عرب بھر میں مشہور تھے جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر طائف کا قصد کیا تو یہاں کے اربابِ نخوت نے رسولِ مقبول سے بات کرنا گوارا نہیں کیا اور اپنے غلاموں اوباشوں کو آنحضرت کے پیچھے لگا کر پتھروں کی بارش کر کے خدا کے لاڈلے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو لہولہان کر دیا لیکن اس رحمتِ مجسم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور آسمانی فرشتے نے جب ان ظالموں کو ہلاک کرنے کی استدعا کی تو فرمایا مجھے امید ہے کہ ان کی نسلوں میں اسلام کے نام لیوا پیدا ہوں حضور علیہ السلام کی اس دل کی پکار کو ان کے خدا نے سنا اور فتح مکہ کے کچھ عرصہ کے بعد سرزمین طائف نے اپنے آغوش کو اسلام کے لیے کھول دیا خداوندی قدرت کا پھر یہ حیرتناک کرشمہ ظہور میں آیا کہ ہندوستان جنت نشان کی سرزمین جن صحابہ کے نقوشِ قدم سے سب سے پہلے منور ہوئی انھیں طائف کے اسی قبیلہ بنو ثقیف کے تین بھائیوں کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور جس سرِ مبارک پر سب سے پہلے ہندوستان کی تشریف آوری کا سہرا باندھا جا سکتا ہے وہ حضرت عثمان ابن ابی العاص ثقفی ہیں۔ حضرت عثمان ابن ابی العاص ثقفی صحابہ کرام میں وہ پہلے قافلہ سالار ہیں جنھوں نے تین بار اس ملک کا بغرضِ جہاد قصد فرمایا وہ اپنے دونوں بھائیوں حضرت حکم اور مغیرہؓ سے افضل و برتر اور خیارِ صحابہ میں سے ہیں حضرت عثمان کی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضری قبیلۂ بنو ثقیف کے وفد کے ہمراہ ہوئی چونکہ آپ سب سے کم عمر تھے جس کی وجہ سے قافلہ والوں نے پڑاؤ پر چھوڑ دیا جب وفد واپس ہوا اور لوگ سو گئے تو حضرت عثمان نے چپکے سے خدمتِ نبوی میں پہنچ کر اسلام قبول کیا اور اس کو مخفی رکھا حضور علیہ السلام سے قرآن سیکھتے اور دین کی باتیں پوچھتے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام میں پاتے تو حضرت ابوبکر کے پاس پہنچ کر دینی معلومات اور قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ایسے ہی حضرت ابی ابن کعب سے قرآن سیکھنا ثابت ہے چنانچہ اس زمانے میں بہت سی سورتیں حضور علیہ السلام سے

براہِ راست سیکھیں آنحضرت نے ان کے دینی و علمی ذوق کو دیکھ کر عقل مند کے خطاب سے یاد کیا پھر ان کا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور احکام دینی لکھ کر عنایت کرنے کا حکم صادر فرمایا حضرت عثمان کو اس تفقہ اسلامی اور تعلیم قرآنی کی بنا پر امیر مقرر کیا حضرت صدیق اکبر نے حضور سے فرمایا میں نے اس لڑکے کو اسلامی تفقہ اور قرآنی تعلیم میں سب سے زیادہ حریص پایا حضور علیہ السلام کے زمانے سے لے کر عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی دو سال تک طائف کے گورنر رہے آپ کی ہی وجہ سے قبیلۂ بنو ثقیف فتنۂ ارتداد سے محفوظ رہا۔ عرب میں اس آگ کے بھڑکنے پر اپنے قبیلے والوں کو جمع کر کے فرمایا اے بنو ثقیف تم اسلام لانے میں سب سے پیچھے رہے ہو خدانخواستہ اس فتنہ کے مبتلا ہونے میں آگے نہ ہو جانا اس وقت حضرت ابوبکر نے ان کو لکھا کہ ایک دستہ نواحِ طائف کے لیے قابل اعتماد آدمی کی امارت میں روانہ کر دو تاکہ یہ فتنہ مزید پھیلنے نہ پائے دورِ فاروقی میں بحرین عمان کی امارت آپ کے سپرد اس شرط کے ساتھ کی گئی کہ آپ اپنے پسندیدہ آدمی کو طائف کا امیر بنا دیں چنانچہ انھوں نے اپنے بھائی حکم ابن ابی العاص ہی کو ۱۵ھ میں امیر بنایا پھر دونوں بھائی فارس کی فتوحات میں مصروف رہے مشہور شہر توّج (ایران) کو فتح کر کے ازسرِ نو آباد کیا دورِ عثمانی ۲۹ھ میں بصرہ میں مقیم ہو گئے۔ امام نووی نے اُن کی مرفوع روایات کو بیان کیا ہے جس میں سے تین صحیح مسلم اور بقیہ صحاح میں ہیں اُن کے راویوں میں سب سے بڑے [illegible] امام حسن بصری اُن کے بھائی حکم سعید ابن مسیّب، محمد ابن سیرین، نافع ابن جبیر وغیرہ ہیں۔

امام احمد نے امام حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ میں نے عثمان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا ہم ان کے گھر جا کر حدیثیں روایت کرتے تھے حضرت امیر معاویہ کے زمانہ ۵۱ھ تا ۵۵ھ میں انتقال کیا۔ بہر حال حضرت عثمان فاتح ہند وہ بزرگ صحابی ہیں جو تین بار ہندوستان بغرضِ جہاد آئے۔

(اسد الغابہ ص ۳۷۳ ج ۳ فتوح البلدان ۹۶
طبقات ابن سعد ص ۵۰۸ اور ۵۰۹ ج ۵ و تجرید ص ۳۷۳)

(۲) حضرت حکم ابن ابی العاص ثقفی جو فاتح تھانہ (بمبئی) بھڑوچ (گجرات) حضرت عثمان کے بھائی اور خود بھی صحابی ہیں ابن سعد، ابن اثیر اور ابن حجر نے ان کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے یہ بھی بنو ثقیف کے ساتھ ۹ھ میں مسلمان ہوئے حضرت حکم حوصلہ مند، معاملہ فہم اور دور اندیش صحابی تھے حضرت عمر نے ۱۵ھ میں ان کو طائف کا امیر حضرت عثمان کی

صوابدید سے بنایا انھوں نے اپنے بھائی کی امارت میں ایران و عراق میں شاندار فتوحات حاصل کر کے ۲۳ھ میں مجاہدانہ خدمات انجام دیں حضرت عثمان نے ان کو بحرین کے حالات درست ہونے کے بعد فارس اور توج کی مہمات پر روانہ کیا اس سلسلہ میں انھوں نے تھانہ، بروچ اور مکران میں فتوحات حاصل کیں حضرت حکم صرف اچھے امیر و مجاہد اور مدبر ہی نہیں تھے بلکہ احادیث نبوی اور علوم دینی میں بہرہ وافر رکھتے تھے اور بصرہ کے محدثین میں ان کا شمار تھا ان سے مرفوع احادیث مروی ہیں مگر بعض محدثین ان کی حدیث کو مرسل مانتے ہیں حضرت عثمان کے حکم سے ۲۹ھ میں معزول ہو کر اپنے بھائی عثمان کے ساتھ شط عثمان کے اندر عمان نامی جگہ پر مکان بنایا اور ۴۵ھ میں انتقال کیا۔

ان کی اور ان کے بھائی کی اولاد عرصہ تک بصرہ کی اعیان و اشراف میں شمار ہوتی تھی۔

البدایہ ص۳۱ ج ، فتوح البلدان ص۴۳ تجرید ص۱۲۵ ج۱

اسد الغابہ ص۳۵ ج ۲ تاریخ کبیر ص۳۲۹ ج ۲

(۳) حضرت مغیرہ ابن ابی العاص فاتح دیبل (حال کراچی) جب حضرت عثمان ایرانی مہمات میں مصروف تھے تو انھوں نے اپنے بھائی مغیرہ کو بحرین و عمان میں اپنا نائب بنایا اس دور میں حضرت عثمان نے مغیرہ کو دیبل کی طرف روانہ کیا جہاں دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی اور صاحب چچ نامہ کی روایت کے مطابق حضرت مغیرہ نے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت مغیرہ کی صحابیت اور روایت کی صراحت رجال کی کتابوں میں تو نہیں ملتی لیکن علامہ ابن حجر کے قول کے مطابق **حجۃ الوداع تک قوم** قریش اور بنو ثقیف میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں رہ گیا تھا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو دوسرے اس دور کے غزوات میں صحابہ کے سوا کسی کو امیر نہیں بنایا جاتا تھا ان وجوہ سے حضرت مغیرہ کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے خصوصیت کے ساتھ جب اس امر کا بھی خیال رکھا جائے کہ انھوں نے ملکی و سیاسی اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں اپنے بھائیوں کے ساتھ بڑھ کر عجم کی فتوحات میں حصہ لیا تھا۔ پھر ہندوستان کے فاتح اول نوجوان جرنیل محمد ابن قاسم بھی اسی قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔

(۴) حضرت حکم ابن عمرو تغلبی غفاری جن کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں جلوہ فرما رہے وہ مستقل طور پر خدمت مبارک میں رہے یہ وہ جلیل القدر صحابی اور صف اول کے اسلام کے فاتحوں میں ہیں جنھوں نے سب سے پہلے علاقہ ماوراء النہر میں سب

سے پہلے نماز ادا کی حضرت عمر نے ان کو ہی نوائے مکران (مکران کے لیے پرچم اسلام) دے کر ہندوستان بھیجا تھا ایک موقع پر حضرت بریدہ اور حضرت حکم ابن غفاری کو حضرت عمر نے مخاطب ہو کر فرمایا انتما عینان لاہل المشرق یعنی تم دونوں اہل مشرق کے لیے آنکھیں ہو چنانچہ یہ دونوں حضرات مشرق یعنی مرو و خراسان میں مجاہد و فاتح بن کر تشریف لائے حضرت حکم ابن عمرو نے ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں انتقال فرمایا حضرت حکم راوی حدیث بھی ہیں ان سے امام حسن بصری، محمد ابن سیرین اور عبد اللہ ابن صامت وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۵) حضرت خریت ابن راشد ناجی سامی صحابی رسول ہیں جنھوں نے سامہ ابن لوئی کے وفد کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان حضور علیہ السلام سے شرف ملاقات حاصل کیا آپ نے ارشاد فرمایا یہ لوگ تمھاری قوم قریش میں سے ہیں خلافت صدیقی میں فتنۂ ارتداد کے وقت اپنے قبیلے بنو ناجیہ کے امیر بن کر مرتدوں سے جہاد میں نمایاں حصہ لیا۔ حضرت عثمان نے ایران کے ایک علاقے کا ان کو حاکم بنا دیا تھا حضرت علی کے زمانے میں فتنۂ خوارج کے بعد یہ عراق چلے آئے۔

(۶) حضرت ربیع ابن زیاد حارثی مذحجی نہایت نیک متواضع اور بزرگ صحابی ہیں ایک دفعہ حضرت عمر نے کہا لوگو! مجھے ایسے انسان کا پتہ دو جو امیر ہو کر اس طرح گھل مل کر رہے جیسے امیر نہیں ہے اور جب امیر نہ ہو تو ان میں یوں رہے جیسے امیر ہے سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہمارے علم میں ربیع ابن زیاد حارثی کے سوا ایسا کوئی اور شخص نہیں ہے حضرت فاروق اعظم نے اس کی تصدیق کی ۲۲ھ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ان کو ایران کی ایک مہم کا امیر بن کر روانہ کیا جس میں یہ فتحیاب ہوئے۔ پھر ۲۹ھ میں عبد اللہ ابن عامر والئ عراق نے خراسان کی فوج کشی کے موقع پر حضرت ربیع کو سیستان کی مہم پر امیر بنا کر روانہ کیا انھوں نے فہرج، زرنگ، السند، حق، زابق، وشت، ستارود کو فتح کیا دو سال تک ان فتوحات میں سرگرم رہے اس وقت آپ کے میر منشی امام حسن بصری تھے پھر دوبارہ ۴۶ھ میں ان کو سرکش راجاؤں کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا اور ۴۷ھ میں راجہ رگھبیر کو شکست دی پھر داور کو فتح کیا تیسری بار حضرت ربیع ۵۱ھ میں خراسان کے امیر بن کر آئے حضرت مغیرہ کی دیبل پر فوج کشی کے بعد حضرت ربیع کو کلان اور کرمان کے لشکر سواروں کے دستہ کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا جس نے حدود مکران اور داور میں بھی جہاد فرمایا۔

(۷) حضرت سنان ابن سلمہ ہذلی فتوح مکران کے

میں غزوۂ حنین کے موقع پر پیدا ہوئے تو ان کے والد سلمہ ابن محبق نے فرمایا لسنان أطعن به في سبيل الله احبّ اليّ منه یعنی جس نیزے سے میں اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہوں وہ نیزہ مجھے اس بچے سے محبوب ہے اس حوصلہ مند جملہ کو سنکر حضور علیہ السلام نے سنان نام تجویز کیا اور اپنے لعاب دہن سے ان کو شیریں دہاں بنایا۔ حضرت سنان کئی بار ہندوستان تشریف لائے اولاً ۲۳ھ میں غزوۂ ہند کے امیر اور پھر ۴۸ھ میں یہاں کے امیر بن کر آئے ان کے صاحبزادے موسیٰ ابن سنان ملتان کی فتح میں محمد ابن قاسم کے ساتھ تھے ان کی وفات حسب تحقیق ابن کثیر حجاج کے زمانے ۹۵ھ میں ہوئی

(۸) حضرت سہیل ابن عدی خزرجی الغفاری جلیل القدر صحابی ہیں جو غزوۂ بدر میں احد میں آنحضرت کے ساتھ شریک تھے حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو خصوصیت سے لکھا کہ وہ سہل ابن عدی کو امیر بنائیں ایران کے سات حملوں میں کرمان کا جھنڈا حضرت سہیل کو ہی دیا گیا تھا چنانچہ انھوں نے کرمان فتح کرنے کے بعد مکران کی جنگ میں حضرت حکم ابن عمر تغلبی کی مدد کی اور اسی سال بلوچستان کو فتح کیا۔

(اسد الغابہ ص ۳۶۸ ج ۲)

(۹) حضرت صحار ابن عباس عبدی یہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں وفد عبد القیس کے ساتھ حاضر ہوئے تھے اور انھوں نے ہی شراب کے برتنوں کے متعلق حضور سے سوال کیا تھا یہ بڑے نیک عابد عالم فاضل خطیب اور حاضر جواب اور علم الانساب کے ماہر تھے وہ ۲۳ھ میں فتح مکران میں شریک تھے اور حضرت حکم ابن عمر تغلبی نے انہی کے ذریعہ فتح کی بشارت بھیجی تھی۔ حضرت عمر نے جب یہاں کے سوال دریافت فرمائے تو انھوں نے فصیح و بلیغ اور پر از معلومات انداز میں جواب دیا تھا ماءها وشل وتمرها دقل ولصها بطل۔ انھوں نے حضور علیہ السلام سے براہ راست دو تین روایتیں نقل کی ہیں ان کا شمار علمائے بصرہ میں سے ہے۔

اسد الغابہ ص ۹ ج ۳ البدایہ ص ۱۲۷ ج ۔

(۱۰) حضرت عاصم ابن عمرو تمیمی مشہور صحابی حضرت ابن عمرو کے بھائی ہیں ان دونوں بھائیوں نے جنگ قادسیہ میں عظیم الشان کارنامے انجام دیے اور عراقی فتوحات کے سلسلے میں بہت سے اشعار کہے ۱۷ھ میں حضرت سہل ابن عدی کے ساتھ ان کو سیستان کا پرچم جہاد

دیا گیا ۲۳ھ میں حضرت عاصم نے سیستان میں فتوحات حاصل کیں اور اسی کے ضمن میں سندھ سے ملحق علاقوں کو بھی فتح کیا

(اصابہ ص ۲۳۷ ج ۲)

(۱۱) حضرت عبد اللہ ابن عبد اللہ ابن عتبان انصاری بڑے رعب داب اور اپنے قبیلے کے معزز و محترم اور بہادر سپاہی تھے ان کی قابلیت کی بنا پر حضرت عمر نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ ان کو مقام نصیبین کا امیر بنادو حضرت سعد کے کوفہ کی امارت سے علاحدگی پر انہی کو امیر کوفہ بنایا گیا تھا ۲۳ھ ہی میں حضرت عبد اللہ فتح مکران کے موقع پر حضرت حکم ابن عمرو تغلبی کی امداد کے لیے اپنی امدادی فوج لے کر آئے تھے انھوں نے حضور علیہ السلام سے روایات کی ہیں۔

(اسد الغابہ ص ۱۹۹ ج ۳ تجرید ص ۳۳۱ ج ۱)

(۱۲) حضرت عبد اللہ ابن عمیر اشجعی ان صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے اپنے قبیلے کو چھوڑ کر مدینہ منورہ میں قیام کر لیا تھا ۲۳ھ ہی میں فوجی مہمات میں عبد اللہ ابن عمیر نے شاندار خدمات انجام دیں غزوۂ سیستان میں عاصم ابن عمرو تمیمی کے ساتھ تھے اس سلسلہ میں سندھ کے علاقوں میں فتوحات حاصل کیں ان کا شمار علمائے مدینہ میں ہے حضور علیہ السلام سے باب فتن میں روایت ہے۔

(اصابہ ص ۳۲۹ ج ۲ تجرید ص ۳۲۷ ج ۱ البدایہ ص ۱۳۳ ج ۷)

(۱۳) حضرت عبد الرحمن ابن سمرہ قرشی فتح مکہ کے وقت اسلام لائے۔ جاہلیت میں ان کا نام عبد کلال تھا آنحضرت نے عبد الرحمن رکھا فتح مکہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت و صحبت میں رہے رسول کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے پوری زندگی غزوات میں گزری۔ عہد عثمانی میں خراسان و کابل اور سیستان میں شاندار فتوحات حاصل کیں ۳۳ھ میں دوبارہ عبد اللہ ابن عامر نے ان کو سیستان روانہ کیا اس وقت ان کے ساتھ امام حسن بصری اور دیگر مشہور افراد تھے اس سلسلہ میں ہندوستان کے علاقوں کو بھی فتح کیا آخری دور میں بصرہ میں آباد ہو گئے تھے اور سکہ ابن سمرہ ان ہی کے نام سے مشہور ہوا۔ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں انتقال کیا انھوں نے حضور علیہ السلام اور معاذ ابن جبل سے روایات کی ہیں ان کی احادیث صحاح میں ہیں۔ حضرت ابن عباس، الحسن بصری، ابن سیرین، عبد الرحمن ابن ابی لیلی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

(اسد الغابہ ص ۲۹۷ ج ۳ فتوح البلدان ص ۳۸۸)

(۱۴) حضرت عبید اللہ ابن معمر قرشی تیمی اصاغر صحابہ میں مشہور شہسوار تھے ایرانی فتوحات

میں شاندار کارنامے انجام دیے حضرت عثمان نے ۳۲ھ میں بعمر چالیس سال جام شہادت نوش کیا اس فوج کے ہراول دستہ کے امیر عثمان ابن ابی العاص نے اصطخر کے دلکشا باغ میں ان کو دفن کیا ان کے صاحبزادے عمر ابن عبداللہ جنھوں نے سندھ کے شہر ارمائیل کو فتح کیا نامی گرامی شہسوار تھے علمائے مدینہ میں ان کا شمار ہے۔ ان سے عروہ ابن زبیر اور محمد ابن سیرین نے حدیث کی روایت کی ہے۔

(اسد الغابہ ص۳۳۵ ج ۳ فتوح البلدان ص۳۸۲ اصابہ ص۴۴۲ ج ۲)

(۵) حضرت عمیر ابن عثمان ابن سعد یہ بزرگ صحابی قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے حضرت عمر نے ان کو یکتائے زمانہ کا لقب دیا اور فرمایا اے کاش میرے پاس عمیر ابن سعد جیسے لوگ ہوتے اور میں ان کو امیر بناتا حضرت عمر نے ان شہر حمص کا امیر بنایا عہد عثمانی میں حمص و کرمان کے امیر تھے انھوں نے حضور علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

(اصابہ ص۳۳ ج ۵ تجرید ص۴۳۳ ج ۱)

(۶) حضرت مجاشع ابن مسعود سلمی مشہور صحابی ہیں اپنے بھائی مجالد کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام اور جہاد پر بیعت کی انھوں نے ہجرت پر بیعت کرنے کا جب شوق ظاہر کیا تو حضور نے فرمایا ہجرت کا دور گزر چکا۔ دور فاروقی و عثمانی کی فتوحات میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ اسلامی فوج نے ایران کے مرکزی شہر توج کا محاصرہ آپ ہی کی امارت میں کیا تھا حضرت مجاشع نے کابل اور ہندوستان کے علاقے بلوچستان اور کرمان وغیرہ کو فتح کیا حضرت مجاشع کی فتوحات کے بعد ہی دور عثمانی میں مسلمان بلوچستان میں مستقل طور سے آباد ہوئے اور یہاں ان کی پہلی نوآبادی قائم ہوئی جنگ جمل ۳۶ھ میں جب کہ آخری ایام میں بصرہ میں مقیم تھے حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے حضرت مجاشع کی روایات صحیحین میں ہیں ابو عثمان ہندی، عبدالملک ابن عمیر یحیٰ ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(اسد الغابہ ص۳۰۰ ج ۴ اصابہ ص۴۲۲ ج ۳ تہذیب التہذیب ص۳۸ ج ۱۰)

(۷) حضرت منذر ابن جارود عبدی۔ اپنی قوم بنو عبدالقیس کے سردار اور مشہور صحابی تھے حضرت علی نے ان کو اصطخر کا امیر بنایا تھا بعہد یزید عبیداللہ ابن زیاد حاکم عراق سندھ کے شہر قندابیل کا ۶۱ھ میں امیر مقرر کیا انھوں نے پورے علاقے کو زیر اقتدار لا کر بگڑے ہوئے علاقہ درست کیے اصاغر صحابہ میں سے ہیں ان کے والد جارود بھی صحابی ہیں طوقان اور قیقان اور قندابیل

کو فتح کیا اور وہیں انتقال فرمایا۔

(اصابہ ص۴۵۸ ج ۳ فتوح البلدان ص۴۲۳ و ص۴۹۱)

یہ تو ان صحابہ کرام کی فہرست ہے جن کو آنحضرت صلی اللہ کا باقاعدہ شرف صحابیت حاصل ہے لیکن ان کے علاوہ ایسے حضرات بھی ہیں جنھوں نے حضور علیہ السلام کا عہد سعادت مہد پایا اور شرف زیارت حاصل نہ ہو سکا۔ ان کو اصطلاح محدثین میں مدرک کہا جاتا ہے یعنی وہ حضرات جنھوں نے حضور کا زمانہ پایا ان میں (۱) حکیم ابن جبلہ عبدی ہیں جو ہندوستان کے پہلے سیاح ہیں اور یہاں کے حالات کے واقف کار جن کو حضرت فاروق اعظم نے ہندوستان کی تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا (۲) شہاب ابن مخارق ابن شہاب تمیمی یا مازنی ہیں جو فتح مکران میں شریک تھے (۳) عبداللہ ابن سوید تمیمی سعدی جنھوں نے حضور کا زمانہ پایا اور سندھ کے غزوات میں شریک ہوئے۔ (۴) مہلب ابن ابی صفرہ ازدی و عتیکی جنھوں نے بنوں، لاہور اور قندابیل کو فتح کیا (۵) یاسر ابن سوار عبدی جو غزوہ قیقان میں شریک ہوئے۔ (۶) عبداللہ ابن سوار ابن ہمام عبدی جو ہندوستان میں شہید ہوئے۔ (۷) ابو وائل کلیب صحابی یا تابعی ہیں جو ہندوستان تشریف لائے اور یہاں ایک گلاب دیکھا جس کے پھول میں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ نقش تھا۔

جنوبی ہند میں ایک صحابی کی قبر کے متعلق بعض صوفیائے سوانح نگار (شاہ انور علی قلندر) نے نشاندہی کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ

شہر مدراس سے متصل سمندر میں ایک جزیرہ ہے اور اس میں ایک مزار مرجع خلائق ہے وہاں کی قدیم روایت ہے کہ وہ حضرت تمیم انصاری صحابی کا مزار ہے۔ سارے علاقہ مدراس

ہ حضرت جبلہ مدرک تھے یعنی حضور کا زمانہ پایا لیکن رویت و روایت ثابت نہیں اپنی قوم کے محترم و معزز اور صالح و متدین انسان تھے شعر و شاعری سے بھی تعلق تھا حضرت عثمان نے ان کو سندھ بھیجا تا کہ وہاں کی صحیح رپورٹ پیش کریں انھوں نے اپنے دو پیش رووں کی طرح ماحول کی ناسازگاری کو بتایا حضرت عثمان نے ان کو سندھ کا پہلا قاضی نامزد کر کے بھیجا۔ زندگی کے آخری ایام میں بصرہ چلے گئے تھے اور وہاں حضرت علی کے طرفداروں میں شامل ہو گئے۔ بصرہ کے قریب مقام زابوقا میں جنگ جمل کے موقع پر غیر معمولی بہادری کا ثبوت دیا۔ ایک پیر کے کٹ جانے پر اس کو ہاتھ میں لے کر برابر مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

کا نسلاً بعد نسل یہی عقیدہ ہے اور یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں کہ کوئی صحابی تجارت کے سلسلہ میں اس طرف آنکلے ہوں اور یہاں وقت موعود آپہنچا ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی عربی سیاح عرب گیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سے فیض یاب ہو کر مشرف باسلام ہوگیا ہو اور مراجعت فرمائے وطن ہو کر واصل بحق ہوا ہو

(اذکار الابرار ص ۲۳)

اس سلسلہ میں توجہ طلب یہ امر ہے کہ جب یہ مزار مبارک حضرت تمیم انصاری صحابی رسول اللہ کی حیثیت سے ان دیار میں معروف و مشہور ہے اور صاحب مزار کے تمیم انصاری نام ہونے پر بھی سب کا اتفاق ہے تو مصنف مذکور کی آخری قیاس آرائی کہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی عربی سیاح عرب گیا اور حضور علیہ السلام کی صحبت مبارکہ سے مشرف ہو کر مسلمان ہوا اور یہاں آکر انتقال کر گیا ہو۔ تاریخی حیثیت سے یہ بات درست نہیں ہو سکتی اس لیے کہ صاحب مزار کا تمیم نام ہونا اور اس کے ساتھ انصاری کی نسبت لگا ہوا ہونا کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ حضرت موصوف کا تعلق قبیلہ انصار سے ہے اور وہ عربی النسل ہیں جب حضرت ممدوح صحابی اور انصاری صحابی ہیں تو آں جناب کی مبارک ہستی خمول یا گمنامی کی تاریکی میں نہیں رہ سکتی بلکہ تاریخ کی کھلی روشنی میں آپ کی بابرکت ذات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ پیغمبر اسلام کا وجود مقدس جس طرح آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور درخشاں ہے اسی طرح ان کے رفقاء جن کو صحابہ کرام کا معزز لقب دیا گیا ہے (آسمان تاریخ پر روشن ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔

حضور انور علیہ السلام کا یہ کھلا معجزہ ہے کہ جو ذرہ بھی اس خورشید تاباں سے جلوہ تاب و فیضیاب ہوا وہ خود بھی آفتاب بن گیا۔ فن اسماء الرجال جو فن تاریخ کا ایک نیا شعبہ ہے یہ مذہب اسلام کی خصوصی دین ہے جس کی بدولت آفتاب عالمتاب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے لگے ہوئے تمام ستاروں کے احوال کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ محدثین اسلام کی زبردست تحقیق و تلاش اور راویان حدیث کے احوال کے تجسس و تفحص کے سلسلہ میں یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جس کی بنا پر ہم ہر ایک حدیث کے راوی کے حالات سے واقف ہو سکتے ہیں۔

تمیم انصاری صحابی کا مزار مدراس میں

آج تاریخ ۵ ربیع الآخر ۹۵ھ مطابق ۵ مارچ کو بحمدہ تعالیٰ روضۂ تمیم انصاری کی زیارت کا شرف جب اس فقیر کو حاصل ہوا تو یہاں کے قدیم و واقف کار علماء سے اس سلسلہ روایت کا ایک نیا گوشہ سامنے آیا کہ حضرت تمیم انصاری مدراس خود تشریف فرما نہیں ہوئے بلکہ ایک صندوق میں ان کی نعش مبارک ساحل مدراس پہنچی جس کے اندر ایک کاغذ تھا اس کاغذ میں آنجناب کا اسم گرامی تمیم انصاری صحابی رسول درج تھا اہل مدراس نے اس نعش کو صندوق میں سے نکالا اور نعش مبارک کو غسل دینے کے لیے کنواں کھودا جس کے اندر سے میٹھا پانی نکلا جو آج بھی موجود ہے اس میٹھے پانی سے نعش مبارک کو غسل دے کر اسی جگہ دفن کر دیا گیا۔ روایت کا یہ حصہ بھی مشہور ہے کہ آنجناب کا انتقال عرب کے کسی علاقہ میں ہوا تھا اور آنجناب نے وصیت فرمائی تھی کہ میری نعش کو صندوق میں رکھ کر چھوڑ دیا جائے جہاں پہنچ کر یہ صندوق ٹھہرے گا اسی جگہ میرا مدفن ہوگا چنانچہ یہ صندوق مبارک بہتے بہتے اس جزیرے میں آکر ٹھہرا جس کو کولم کہتے ہیں اور وہاں آپ کی نعش مبارک کو دفن کر دیا گیا اس وقت سے یہ مقام کولم شریف کے نام سے آج تک مشہور چلا آرہا ہے۔

جنوبی ہند کا یہ ساحلی علاقہ جو مدراس اور مالابار سے ملا ہوا ہے۔ بیرونی سیاحوں خصوصاً یورپ و عرب سے آنے والے مسافروں کے لیے اس کا دروازہ ہمیشہ سے کھلا ہوا چلا آرہا ہے چنانچہ عیسائیوں میں سینٹ تھامس تیسری صدی عیسوی میں شام کے علاقہ سے چل کر اس ساحل پر اترے اور عیسائیت کے مشن کو پھیلانے کی کوشش کی لیکن مقامی لوگوں کی مخالفت کے باعث اپنی دعوت یا اپنے مشن کو نہ پھیلا سکے بالآخر اسی راستہ میں شہید کر دیے گئے جن کے نام کا پہاڑ آج بھی نواح مدراس میں موجود ہے۔

ان کی شہادت بعد میں رنگ لائی اور اس علاقہ میں عیسائیت نے ان کے بعد قدم جمائے اور آج بھی یہاں کے ہر شہر اور قصبے میں عیسائی موجود ہیں جدید تحقیقات اہل یورپ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہندوستان میں آئے ہیں جو مدراس میں مدفون ہیں اس لیے ہو سکتا ہے کہ صحابی رسول اللہ حضرت تمیم انصاری نے جب اشاعت اسلام کا ان دیار میں قصد کیا تو اسی بحری راستہ کو اختیار کیا اور جب راستہ میں پیام اجل آپہنچا تو انھوں نے حسب وصیت ان دیار میں دفن ہونے کی وصیت فرمائی۔ مدراس سے تھوڑے فاصلہ پر کولم ضلع جنگل پیٹ ایک مقام ہے جہاں چولا خاندان حکمران تھا اس کا دار السلطنت مہابلی پورم تھا ان کی کھدائیوں سے آثار قدیمہ برآمد ہوئے ہیں اس لیے مذہب حق کے داعیوں کے لیے یہی مقام باعث کشش تھا اور دعوت و تبلیغ کے قافلے یہاں فروکش ہوئے۔

فن اسماء الرجال کی کتابوں کی ورق گردانی سے حضرت تمیم انصاری کے سلسلہ میں تحقیق کی جائے تو حضرت تمیم کے نام سے جن صحابہ کی روایت حضور علیہ السلام سے ثابت ہے ان کی تعداد حسب تفصیل علامہ ابن اثیر جزری اکیس تک پہنچی جن میں سے بعض کا تعلق تو خزاعہ سے اور بعض کا بنو ثقیف سے ہے اور کچھ کا تعلق خود قریش سے ہے۔

(اُسد الغابہ ص۲۱۳ تا ص۲۱۹)

اور جن صحابہ و غیر صحابہ نے تمیم کے نام سے حضور علیہ السلام سے روایت کی ہے اس کی فہرست اس سے بھی زیادہ طویل ہے جس کی تعداد پچیس تیس تک پہنچ جاتی ہے۔

(تقریب التہذیب ص۴۳ اور تہذیب التہذیب ص۵۱۱)

بہرحال ان راویوں میں سے وہ راوی جن کا نام تمیم ہے اور ان کا تعلق قبیلہ انصار سے ہے وہ حسب ذیل ہیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کو غزوۂ احد غزوۂ بدر اور بعض کو صرف غزوۂ احد میں بھی شرکت کا موقع ملا۔

(۱) تمیم ابن بشر حرمی بدری (۲) تمیم ابن حمام انصاری شہید بدر جن کے بارے میں آیت ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات نازل ہوئی (۳) تمیم مولا خراش ابن الصمۃ انصاری جو اپنے مولا شریک کے ساتھ غزوۂ احد و بدر میں شریک ہوئے (۴) تمیم ابن زید انصاری جو عبداللہ ابن زید انصاری کے بھائی ہیں (۵) تمیم غنمی مولا ابن غنم ابن اسلم انصاری بدری (۶) تمیم ابن معبد انصاری اوسی حارثی شریک غزوۂ احد (۷) تمیم ابن یعار ابن قیس انصاری خزرجی شریک غزوۂ احد۔

(تجرید الصحابہ للذہبی ص۵۸ تا ص۶۰)

اس لیے ان مذکور الصدر انصاری صحابہ میں سے کسی بھی ایک صحابی کا اگر ہندوستان تشریف لانا ثابت ہوتا ہے تو پھر انکار کی کوئی وجہ نہیں رہتی

یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت تمیم انصاری کی شخصیت حضرت تمیم داری کے علاوہ ہے جن کا ذکر اسماء الرجال میں مفصل ہے۔

ہندوستان میں تابعین کی آمد

خداوند قدوس نے جن نفوس قدسیہ کو اپنے آخری پیغمبر کے فیض صحبت سے شرف فرما کر اُن کے دل ضمیر، روح کو نظر کیمیا اثر سے پاک و صاف ہو کر شفاف آئینے بن گئے اور مشکوٰۃ نبوت سے

براہ راست روشنی حاصل کر کے ان کے سینے انوار رسالت سے جگمگا اٹھے صحابہ کرام کی حیات طیبہ نبوت اور رسالت کی شعاعوں سے روشن و تاباں ہو گئی حضور علیہ السلام کے ارشادات مبارکہ کے مطابق انھوں نے اپنی زندگیوں کو انہی سانچوں میں ڈھال لیا جو حضور علیہ السلام نے بنائے تھے اتباع سنت اور پیروی شریعت کی وجہ سے ان کے اعمال و افعال اُمت کے لیے قابل تقلید ہو گئے حضور علیہ السلام کی سیرت مبارکہ کی طرح آثار صحابہ بھی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں پھر نبوت کی یہ روشنیاں صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں کے آئینوں میں سے منعکس ہو کر تابعین عظام کے سینوں پر پڑیں صحابہ کرام کے کمالات کو بعد کے جن لوگوں نے اخذ کیا وہ بھی خیر القرون کے سلسلۂ زریں سے وابستہ ہو کر تابعین کہلائے اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے عہد سعادت مہد اور دور صحابہ و تابعین کو بہترین زمانے یاد فرمایا

قال علیہ السلام خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔

حضور علیہ السلام کا فیض صحبت جن انسانوں نے اٹھایا ان کی تعداد پچھلے نبیوں کی طرح کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئی چونکہ سترہ ہزار صحابہ غزوۂ تبوک میں اور چالیس ہزار حجۃ الوداع میں تقریباً موجود تھے سب سے آخری صحابی حضرت ابو الطفیل عامر ابن واثلہ ہیں جن کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا اور ایک قول کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عمر ہیں۔ ان سے پہلے حضرت انس بن مالک نے بصرہ میں اور جابر بن عبداللہ نے مدینہ میں عبداللہ ابن ابی اوفیٰ نے کوفہ میں اور عبداللہ ابن بسر نے شام اور عبداللہ بن حارث نے مصر میں اور بادیہ (دیہات) میں سلمہ ابن اکوع نے وفات پائی ہے ان کے بعد تابعین کے دور کا آغاز ہوتا ہے سب سے آخری تابعی خلف ابن خلیفہ ہیں جن کا انتقال ۱۸۱ھ میں ہوا اس کے بعد دنیا تابعین سے خالی ہو گئی

(اصابہ ص۳۳ ج۱)

ابن حبان نے لکھا ہے کہ حضرت اسید ابن اسید مشہور تابعی ہیں جن کا انتقال ابو جعفر منصور کی خلافت میں ہوا حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ جن اتباع تابعین کے اقوال و اخبار قبول کیے جاتے تھے ان میں سے بعض ۲۲۰ھ تک دنیا میں رہے۔

(فتح الباری ص۳ ج۷)

پھر جیسا کہ امام ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ غزوات و فتوحات اور قضا امارت کے سلسلہ میں اطراف عالم میں پھیل گئے ان میں سے ہر ایک نے حضور علیہ السلام کی احادیث کی یعنی احکام الٰہی کو جاری کیا اور قرآن و سنت کی روشنی میں مسائل حل کیے ان کے بعد حضرات تابعین کا زمانہ آیا جن کو خداوند قدوس نے شریعت کے حدود و فرائض، دین کے اوامر و نواہی اور احکام و سنن

کی تعلیم و تبلیغ کی توفیق عطا فرمائی انھوں نے صحابۂ کرام سے کتاب و سنت کے علوم حاصل کرکے ان کو دنیا میں عام کیا۔

(التقدمۃ الجرح التعدیل ص ۶ تا ص ۹)

صحابۂ کرام کے فیوض و برکات سے خصوصی طور پر جو افراد بہرہ یاب ہوئے ان میں سے بہت سوں کا تعلق ان موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے جو عجمی فتوحات میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے۔

اسلامی تعلیمات کا یہ عجیب و غریب معجزہ قابل ذکر ہے کہ روم و ایران اور ہندوستان کے وہ افراد جو طوق غلامی پہن کر سرزمین عرب میں پہنچے تھے تھوڑے ہی عرصہ میں اسلامی تعلیمات کی بدولت غلامی سے آزاد ہو کر اور صحابۂ کرام کے علمی و عملی کمالات سے آراستہ ہو کر امت اسلامیہ کے سرتاج و سردار بن گئے اور نصف صدی نہ گزرنے پائی تھی کہ علوم نبوت کی مقدس مسندوں پر متمکن ہو کر ائمہ اسلام بن گئے چنانچہ علمائے تابعین کے ممتاز طبقہ کے بے شمار نفوس کا تعلق انہی افراد سے ہے خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے جب اپنے زمانے کے اہل علم اور ارباب حدیث و فقہ کی بابت معلومات حاصل کرنا چاہی تو اس غرور خاندانی کے علم کو توڑنے والی یہ حقیقت سامنے آئی کہ امام شعبی کو چھوڑ کر سب کا تعلق اسی طبقۂ غلاماں سے تھا۔

سید التابعین امام حسن بصری کا قیام ہند میں

تابعین کے اس مقدس گروہ میں امامت کا تاج کس کے سر پر رکھا گیا۔ ارباب علم کی اس سلسلہ میں مختلف رائیں ہیں نسبی عظمت، عبادت و سخاوت کی فضیلت کی بنا پر امام زین العابدین اس کے مستحق ہیں اور زہد و تقویٰ روایت و حدیث اور راہ حق میں جرأت و عزیمت کی بنا پر حضرت سعید ابن المسیب کا پایہ نہایت بلند ہے لیکن کمال جامعیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس عہد زریں کی بابرکت شخصیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو امام حسن بصری کا مقام بہت بلند و بالا نظر آتا ہے وہ ایک طرف حضرت ام سلمہ کے پروردہ ہونے کی وجہ سے کاشانۂ نبوت سے وابستہ ہیں اس لیے کہ ان کی والدہ حضرت ام سلمہ کی باندی تھیں تو دوسری طرف باب مدینۃ العلم امام علی مرتضیٰ علمی و روحانی سے فیضیاب تیسری طرف لاتعداد صحابہ کے علوم کے محافظ چوتھی طرف میدان جہاد و شجاعت کے شہسوار تھے۔ مشہور ہے کہ بعض اوقات جب ان کی والدہ حالت شیر خوارگی میں نہ ہوتیں تو حضرت ام سلمہ ان کو چھاتی سے لگا لیتیں۔ اور دودھ اتر آتا آپ پی لیتے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ان کے کلام کی فصاحت اسی کی برکت ہے غرض ان کی عظیم شخصیت ایک شش جہت آئینہ ہے جس سے علم و عمل کی ہر جہت نمایاں

عالم اسلام میں پھیلیں۔ امام حسن بصری علوم ظاہری قرآن و سنت میں جہاں مرجع کل ہیں وہاں فیوض باطنی کے سلاسل طیبہ بھی ان سے جڑے ہوئے ہیں۔ مولائے علی مرتضیٰ کی صحبت و روایت ثابت ہے اگرچہ بنو امیہ کے ظالم حکام کے رویہ کی وجہ سے حضرت علی کی طرف مصلحتاً انتساب نہ فرماتے تھے امام حسن بیک وقت داعی اسلام، حافظ دین، مفسر جلیل، محدث عظیم، فقیہ امت اور بے مثال ادیب تھے اس کے ساتھ معرکۂ جہاد کے میدان میں اعلیٰ درجہ کے شہسوار بلکہ قائد عسکر تھے کیونکہ خیر القرون میں تیغ و قلم لسان و سنان میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا اس لیے وہ رزم و بزم کے ہر شعبہ کے امام تھے۔

اس سے بڑھ کر ہمارے ملک کی خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ سید التابعین حضرت حسن بصری نہ صرف ہندوستان تشریف لائے بلکہ تقریباً دو ڈھائی سال تک اس ملک کے مختلف علاقوں میں طرح اقامت ڈالی۔

امام حسن بصری ۲۱ھ بعہد فاروقی مدینہ میں پیدا ہوئے وادی القریٰ میں پرورش پائی ان کی والدہ ان کو لے کر مدینہ آئیں اور حضرت ام سلمہ کی خدمت میں رہیں جب ہوش و شعور کی آنکھیں کھولیں تو مرکز اسلام مکہ و مدینہ صحابۂ کرام کی روشنیوں سے درخشاں تھا اپنے وقت کے کامل افراد سے رشتہ تلمذ قائم کیا اور ظاہری و باطنی فضائل سے مالا مال ہوئے بقول بزرگوں کے آپ کے کلام میں کلام نبوت کی جھلک ملتی ہے پھر عہد بنو امیہ میں کم از کم تین بار خراسان و سیستان اور کابل کے غزوات و فتوحات میں داد شجاعت دی حضرت ربیع ابن زیاد کی سرکردگی میں ۴۳ھ میں میر منشی کی حیثیت سے سب [illegible] ان کے قلم سے جاری ہوئے دو سال مقام زرنگ میں رہے ان فتوحات میں فوج کی فتح میں شامل [illegible] سندھ کے مشہور شہر [illegible] ہندوستان ان کا آنا محقق ہے۔

(طبقات ابن سعد ص ۷ فتوح البلدان ص ۳۹۶)

اس کے بعد عبد الرحمن ابن سمرہ ۳۳ھ میں دیگر عرب کے معززین کے ساتھ امام حسن بصری بھی تشریف لائے اور تین سال تک ان کے ساتھ رہ کر سیستان و خراسان سے متعدد فتوحات میں کار نمایاں انجام دیے یہ تمام مفتوحہ علاقے ہندوستان سے ملحق اور بہت سے شہر ہندوستان میں شمار ہوتے تھے بہرحال امام حسن بصری کا سندھ کے شمالی حدود میں آنا ثابت ہے ان کا مشہور قول ہے کہ حضرت آدم ہندوستان میں حضرت حوا جدہ میں اور ابلیس دشت میسان میں اور سانپ اصبہان میں اتارے گئے۔ امام حسن بصری کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔

(ابن کثیر ص [illegible] ج ۹)

امام حسن بصری کے علاوہ تابعین عظام کی ایک بڑی جماعت ہے جن کا شمار کرنا بھی مشکل ہے تاہم ان چند حضرات کے نام جنہوں نے ہندوستان میں قدم رنجہ فرمایا یا یہاں آ کر شہید ہوئے درج ذیل ہیں۔

(۱) سعید ابن عامر انصاری مشہور صحابی حضرت انس ابن مالک کے چچا زاد بھائی تھے جنہوں نے مکران میں شریک جنگ ہو کر جام شہادت نوش کیا۔

(۲) سعید ابن کندیر ابن سعید قشیری جو من جانب خلافت امیر مکران بنا کر بھیجے گئے۔

(۳) حارث ابن مرہ عبدی جنہوں نے قیقان فتح کیا اور یہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوئے۔

(۴) عمر ابن عبداللہ ابن معمر قرشی تیمی جنہوں نے مکران کے علاقے میں ارمائیل کو فتح کیا۔

(۵) عباد ابن زیاد ابن ابی سفیان جنہوں نے علاقۂ کچھ اور قندھار کو فتح کیا۔

(۶) حری ابن حری باہلی جنہوں نے علاقۂ بوقان کو فتح کیا۔

(۷) حکم ابن منذر عبدی جنہوں نے قندابیل کو فتح کیا۔

(۸) یزید ابن مفرغ حمیری جو غزوۂ قندھار اور کچھ میں شریک تھے۔

(۹) ثاغر ابن دعر جو حضرت علی کی خلافت کے زمانے میں سندھ آئے۔

(۱۰) راشد ابن عمر عبدی جو عہد معاویہ میں فتح قیقان میں شریک ہو کر شہید ہوئے۔

(۱۱) سعید ابن اسلم ابن زرعہ کلابی جو مکران کے گورنر ہوئے اور مقتول ہوئے۔

(۱۲) مجاعہ ابن سعر تمیمی جو مکران بغرض غزوہ آئے اور شہید ہوئے۔

(۱۳) ابن الاسید ابن اخنس ابن شریق ثقفی جو سندھ کے گورنر ہوئے۔

(۱۴) عبدالرحمٰن ابن محمد ابن اشعث کندی جو سیستان کے گورنر ہوئے۔

(۱۵) اعشیٰ ہمدانی مشہور شاعر جو غزوۂ مکران میں شریک تھے۔

(۱۶) عبدالرحمٰن ابن عباس ہاشمی جنہوں نے سندھ میں وفات پائی۔

(۱۷) معاویہ ابن قرہ مزنی بصری جو سندھ آئے تھے۔

(۱۸) ایوب ابن زید ہلالی جو ہند اور مکران آئے تھے۔

(۱۹) کہمس ابن حسن قیسی بصری جو محمد ابن قاسم کے ساتھ غزوات سندھ میں شریک تھے۔

(۲۱) عقبہ ابن سعد عوفی جو ملتان کی فتح میں شریک تھے۔

(۲۲) موسیٰ ابن سنان ابن سلمی ہذلی جو فتح ملتان میں شریک تھے

(۲۳) حکم ابن عوانہ ابن عیاض کلبی جو محمد ابن قاسم کے ساتھ سندھ میں شہید ہوئے۔

(۲۴) وداع ابن حمید ازدی جو فتوحات ہند میں شریک تھے۔

(۲۵) ابو قیس زیاد ابن رباح قیسی بصری جو فتح سندھ میں شریک تھے۔

(۲۶) آخر میں محمد ابن قاسم ثقفی کا ذکر کرنا ضروری ہے جو خود بھی تابعی تھے۔ تابعین کے معاصر تھے؛ فاتح ہند سندھ کے لقب سے شہرۂ آفاق ہیں۔ ان تابعین کے بعد تبع تابعین کی ہندوستان میں تشریف آوری ایک وسیع موضوع ہے جس کے لیے ہماری کتاب متحمل نہیں صاحب العقد الثمین نے مفصل کلام فرما کر اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔

عہد خلافت کے اندر اسلام ہند میں

خدا کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا بنا کر بھیجے گئے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرہ عالمگیر اور اسلامی تعلیمات کا [illegible] انسانیت کے لیے ہمہ گیر ہے۔ پچھلے نبیوں اور رسولوں کی دعوت ان کی قوم و ملک تک محدود تھی اس لیے کہ خود انسانیت ملکوں، نسلوں، خاندانوں، قبیلوں اور جغرافیائی حد بندیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی تھی اس لیے پچھلے نبیوں کی دعوت ایک مخصوص حلقہ (ان کی قوم) اور خاص علاقے (ان کے ملک) تک محدود تھی لیکن جب پیغمبر عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو عالم انسانیت میں عقل و خرد کی پختگی اور انسانی فطرت کی استعداد کا عالم یہ تھا۔ فہم و شعور کی بلند پروازی کی اس منزل تک پہنچ چکی تھی کہ جغرافیائی حد بندیوں کو توڑ کر عالمی اور بین الاقوامی دعوت کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی اس خدا کی آخری کتاب میں خدا کا تعارف "رب العالمین" اور رسول خدا کا مقام "رحمۃ للعالمین" سے کرایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی زندگی میں قریش مکہ کی مسلسل یلغاروں سے جب صلح حدیبیہ فرما کر قدرے نجات حاصل کی تو اسلام کی عالمگیر دعوت کا پیغام شاہان عالم کے نام خطوط لکھ کر آغاز کیا۔ یہ دعوتی مکاتیب عرب کے خطے کے امرا و رؤسا تک محدود نہیں رکھے گئے بلکہ خسرو ایران۔ قیصر روم۔ مقوقس شاہ مصر، نجاشی شاہ حبشہ کی طرف ان دعوت ناموں کو روانہ کیا۔ شہنشاہ ایران خسرو پرویز نے خسروی و شہنشاہی کے نشے و غرور میں چور ہو کر نامۂ مبارک کو چاک کر دیا۔ قیصر روم نے فرمان نبوی کو قبولیت کی نگاہ

سے دیکھا اور دل سے قبول بھی کیا سلطنت چھن جانے کے خوف سے زبان سے اقرار نہ کر سکا اور ایمان سے محروم رہا کیونکہ ایران و روم کی شہنشاہتیں اس وقت کی آدھی آدھی دنیا کو اپنے پنجۂ اقتدار میں دبائے ہوئی تھیں اس لیے اسلامی دعوت کی گونج چار دانگ عالم میں کم و بیش پھیل گئی۔

بدقسمتی سے جنوبی مشرقی ممالک جس میں ہندوستان مکران سے لے کر لنکا تک شاہان ایران کا باج گزار تھا اس لیے ہمارے ملک کے اس وقت کے عام مہاراجوں کا رویہ اسلام کے ساتھ اپنے ایرانی آقاؤں کی وجہ سے ایک عرصہ تک مخالفانہ رہا۔

خلافت راشدہ کا دور درحقیقت عہد رسالت کا تتمہ و تکملہ ہے۔ عہد رسالت کا مدنی دور کل دس سال لیکن اس مختصر سی مدت میں عرب کا بڑا خطہ دعوت اسلامی کے زیر نگیں آگیا خلافت راشدہ جس کی کل مدت تیس سال ہے اس کے اندر دائرۂ فتوحات اس قدر وسیع ہوا کہ اس وقت کی نصف دنیا تک خدا کا پیغام پہنچ گیا جو کہ عہد رسالت کی عالمگیر دعوت کا عملی رنگ بھرنے کی سعادت خلافت راشدہ کو حاصل ہوئی عہد رسالت تو وحی الٰہی کی جلوہ گاہ ہونے کی بنا پر ہر طرح کی سعادتوں سے معمور اور ہر نوع کی برکتوں اور رحمتوں سے پرنور رہی اس لیے خداوند قدوس کی طرف سے ہر طرح کی بے راہ رویوں اور بدعملیوں سے انسانوں کی حفاظت کر دی گئی۔

دور خلافت اسی عہد رسالت کا عکس و پرتو تھا اس لیے اس دور میں بھی خورشید نبوت کی تابانیاں جلوہ نما ہیں۔ جس طرح سورج ڈوبتے ہی سیاہی ایکدم اپنی چادر نہیں پھیلا دیتی ہے بلکہ افق عالم رنگ شفق سے گلگوں ہو جاتا ہے اور ڈوبنے والے سورج کی شعاعوں کی لکیریں عالم آفاق کو گلنار بنا دیتی ہیں اسی طرح آفتاب رسالت کے غروب ہو جانے کے بعد خلافت راشدہ کی گلنار شعاعوں سے اہل عالم کو گلرنگ بناتی رہیں کیونکہ یہ خلافتی دور مثالی دور ہے۔

خلافت راشدہ کا روشن و درخشاں عہد قیامت تک ہونے والی اسلامی مملکتوں کو روشنی و تابانی بخشتا رہے گا۔

جوں جوں عہد نبوت سے دوری ہوتی گئی مہر رسالت کی شعاعیں مدھم پڑتی گئیں بہرحال اس دور خلافت میں اس کی تجلیات ایشیا و افریقہ کے دور دراز علاقوں پر پھیلتی گئیں جس سے ہمارا ملک بھی محروم نہ رہا گویا افق عالم پر جب دعوت اسلامی کی صبح طلوع ہوئی تو باد سحر کے ابتدائی جھونکوں سے سرزمین ہند بھی معطر ہوئی اور جب فتوحات اسلامی کا پرجوش سیلاب عرب و عجم کو زیر و زبر کرتا ہوا پرانی دنیا کے مہذب و متمدن ممالک کی طرف سے بڑھتا ہوا چڑھتا گیا تو اس کی

تلاطم خیز موجیں ہندوستان کے ساحلوں سے بھی ٹکرائیں ایسا نہیں ہوا کہ یہاں کی جامد فضا میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی اور یہاں کے باشندوں کے دلوں میں اسلام کے پیغام کو سمجھنے کے لیے کوئی ہلچل برپا نہیں ہوئی گویا وہ سطح بحر کی ایک اوپری موج تھی جو بلبلہ کی طرح اٹھی اور تھوڑی دیر میں مٹ کر رہ گئی جیسا کہ قدیم تحقیقی تاریخ سے نابلد لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ اسلام کی دعوت مبارکہ روم و ایران کے شہنشاہیتوں کے ایوانوں میں گونجی اور اس کی فضائے بازگشت ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں سنائی دی جانے لگی۔

عہد صدیقی اور ہندوستان

حضرت صدیق اکبر کی خلافت کی مدت بہت ہی مختصر کل ڈھائی سال تک رہی جس کے اندر فتنۂ ارتداد عرب میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے کی شکل اختیار کیا جا رہا تھا لیکن صدیق اکبر کے عزم محکم نے اس فتنہ کی آگ کو بڑھنے نہیں دیا حضرت ابو بکر کی مدت خلافت واقعتہً عہد رسالت کا تکملہ ہے اس لیے سب سے پہلے ان کو ملک کے اس داخلی فتنے سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ یہ فتنۂ ارتداد کیوں پیدا ہوا اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ دعوت اسلامی کی مخالفت کا طوفان فتح مکہ تک تو شدت سے اس لیے جاری تھا کہ قریش مکہ کو فتح مکہ کا انتظار تھا ان کے عقیدہ کے مطابق کعبہ پر کسی باطل پرست طاقت کا قبضہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اصحاب فیل کے واقعہ نے ان کے اس عقیدے پر مہر لگا دی تھی اس لیے مکہ کے فتح ہونے کے بعد تمام عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے طائف اور اوطاس وغیرہ کی فتوحات نے مشرکین عرب کی کمر توڑ دی اس لیے اب وہ لوگ بھی چار و ناچار اسلام میں داخل ہو گئے جن کے دلوں میں ابھی ایمان نے گھر نہیں کیا تھا یا ماحول کی ناسازگاری کی وجہ سے انھوں نے اسلام کا قلادہ جبراً قہراً اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔ یہ وہ لوگ جو ہمیشہ چڑھتے سورج کے پجاری رہے ہیں اور حصول اقتدار و دولت جن کا مقصد رہا ہے جوں ہی حضور علیہ السلام کا سانحۂ وصال پیش آیا ایسے تمام لوگ اپنے مصنوعی پر و بال جھاڑ کر اصل شکل میں سامنے آگئے جس طرح دریاؤں میں طوفان یا سیلاب کے آجانے سے کوڑا کرکٹ سطح بحر پر نمودار ہوتا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ ارتحال کے بعد ایسے مفاد پرستوں نے ارتداد کے فتنہ کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو نمایاں کرنا چاہا مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے کھلم کھلا نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ایسے ڈانواں ڈول انسانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرض ارتداد کی آگ ایسے خام کار ناپختہ قبیلوں میں پھیل

گئی جو گویا موقع کے انتظار میں تھے اس وقت مقام صدیقیت کا اصلی ظہور ہوا وہ ذات والا صفات جس کو امت میں سب سے زیادہ رحمدل، نرم خو، ہمدرد خلق اور ہر ایک کے درد میں غمگسار و اشکبار تبایا گیا تھا خدا کے دین سے پھر جانے والوں مرتدوں کے حق میں شمشیر براں بن گئی حضرت ابو بکر نے فاروق اعظم کی نرمی و ملائمت کی درخواست پر فرمایا اجبارٌ فی الجاھلیة و خوارٌ فی الاسلام یعنی اے عمر تم زمانۂ جاہلیت میں سخت گیر واقع ہوئے تھے اب اسلام کے اس نازک موقع پر کیسے نرم بن گئے حضرت ابو بکر نے اس وقت کے انتشار و افتراق کے خطرناک مرحلے پر ایسی ایمانی پختگی کا ثبوت دیا کہ تن تنہا مرتدین سے جہاد کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے خداوند قدوس نے ان کے اس یقین کامل، عزم صمیم اور ہمت فائق عالم کو ایسا قبول فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں باطل پرستوں کے پرخچے اڑ گئے اور ارتداد کا وہ گرد جس زور و شور سے اٹھا تھا حضرت صدیق اکبر کی عزم و ہمت سے غبار بن کر بیٹھ گیا چونکہ منشائے قدرت یہی تھا کہ جزیرۂ عرب ہمیشہ کے لیے اسلام کا گہوارہ بنا رہے اس فتنہ کی سرکوبی سے دعوت اسلامی کے چمن تازہ کو باطل کے خس و خاشاک سے ہمیشہ کے لیے پاک صاف کر دیا تاکہ یمحص اللہ الذین آمنوا و یمحق الکافرین کی حقیقی تفسیر حق پرستوں کے سامنے آجائے یعنی خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ حق و باطل کو ہمیشہ خلط ملط نہیں رہنے دیتا حق و باطل میں ہمیشہ تصادم پیدا کر کے صداقت کو باطل سے الگ کر دیتا اور اس کو چھانٹ دیتا ہے اس لیے اس فتنۂ خوابیدہ کا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد جاگ اٹھنا اور حضرت صدیق اکبر کا قیامت تک کے لیے عرب کی سرزمین میں اس کو سلا دینا حقانیت اسلام کی ایک روشن نشانی اور صداقت دین کی دلیل ہے۔ حضرت ابو بکر کی خلافت کا زمانہ چونکہ مختصر رہا اس لیے آن جناب کو ہندوستان سے براہ راست تعلق قائم کرنے کی صورت پیدا نہیں ہو سکی لیکن صدیق اکبر کو بالواسطہ ہندوستانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا اس لیے کہ وہ اساورہ اسامرہ یعنی سندھی و جاٹ ہندوستانی جو عرب کے علاقوں بحرین، خط، ہجر، قطیف و یمامہ مستقل طور پر مقیم تھے ان ہندوستانیوں نے حضور علیہ السلام کے سانحۂ وصال پر مرتدوں کا ساتھ دیا اور ان کی مدد کے لیے اپنی روایتی بہادری و مہم جوئی کی بنا پر میدان مقابلہ میں کود پڑے عدد و عُدد (اپنے لشکر و ہتھیاروں) کے ساتھ ان کی پوری نصرت و یاوری کی اسلامی فوجوں نے جب مرتدوں کو شکست دی تو یہ ہندوستانی اپنے علاقوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

(الاخبار الطوال ص ۱۹۱ کامل ابن الاثیر ص ۱۳۱ ج ۲)

چنانچہ جب خالد ابن ولید یمامہ کی طرف بڑھے تو خود اہل یمامہ نے مرتدوں کے خلاف ہندی

تلواروں کو چمکایا جس پر حضرت خالد نے خدا کا شکر ادا کیا اس ناگوار واقعہ نے عرب و ہند کے قدیمی خوشگوار تعلقات میں یک گونہ تلخی پیدا کر دی اور اہل عرب اہل ہند کے متعلق سوچ میں پڑ گئے بہرحال حضرت صدیق اکبر نے اس داخلی فتنہ کے استیصال کے بعد بیرونی فتوحات کی طرف توجہ فرمائی اور حضرت مثنیٰ ابن حارثہ اور خالد بن ولید سپہ سالاران اسلام کو روم و ایران کی سرحدوں کی طرف روانہ ہونے کے احکام صادر فرمائے اس طرح صدیق اکبر کا یہ اقدام فتوحات فاروقی کا پیش خیمہ بن گیا۔

عہد فاروقی اور ہندوستان

حضرت عمر کی خلافت ۱۳ھ تا ۲۳ھ دس سال چھ ماہ رہی عہد فاروقی اسلامی فتوحات کا نہایت زریں عہد ہے جس کے اندر دنیا کی دو بڑی شہنشاہیتیں (روم و ایران) عساکر اسلامی کے مقابل آکر پاش پاش ہو گئیں حضور علیہ السلام کی پیغمبرانہ پیشگوئی اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ حقیقت واقعہ بن کر سامنے آگئی۔ جس کا نشان و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا بھلا کہاں بدوی عرب انسانی علوم و فنون سے نابلد تہذیب و تمدن سے ناآشنا اور مہذب دنیا سے دور افتادہ و پسماندہ قوم اور کہاں ایران و روما کی باجبروت شہنشاہیتیں جو ہر طرح کے علوم و فنون سے آراستہ و پیراستہ ہر قسم کی طاقت و قوت سے مسلح اور ہتھیار بند حضارت و شائستگی کے اونچے مقام پر فائز دونوں ایک دوسرے کا کوئی تقابل نہیں تعداد و ساز و سامان میں کوئی توازن نہیں ایک علم و ہنر کی بلند چوٹیوں پر رہنے والی قوم اور ایک جہالت و وحشت کے نشیبوں میں زندگی گزارنے والے لوگ لیکن ایک کے پاس تیسرے درجے کے اسباب ظاہری ساتھ خدا کی ذات پر کامل یقین اور ایمان کا مضبوط و محکم عقیدہ اور احکام الٰہی پر عمل کا عزم بالجزم اور دوسری طرف ہر طرح کے مادی اسباب ہتھیاروں کی ریل پیل مسلح فوجوں کی یلغار مگر روحانیت سے خالی خودی میں مخمور نشہ برتری میں چور چنانچہ مادیت اور روحانیت کے اس مقابلہ میں فتحیابی اور کامرانی نے روحانیت کے قدم چومے عساکر اسلامی شمال میں بحر قزوین تک اور جنوب میں اصفہان و خراسان کرمان و سجستان سندھ و مکران تک پہنچ گئیں۔ جب ۲۱ھ تا ۲۳ھ میں جنوبی ایران کے سات مرکزی مقامات پر مجاہدین اسلام نے پڑاؤ ڈالا اور وہاں مجتمع ہو گئے تو اسی سلسلہ میں مکران، بلوچستان اور سیستان سے ملے ہوئے ہندوستانی مقاموں پر مسلمانوں کا غلبہ شروع ہوا۔

ہمارے ملک کو یہ خصوصی فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے جس ذات والا صفات نے ہندوستان

کی طرف نگاہ توجہ ڈالی وہ تاریخ انسانیت کے سب سے بڑی مدبر اور منتظم ہستی فاروق اعظمؓ کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ۱۴ھ میں ہندوستان کا ذکر امرائے اسلام کے خطوط میں فرمایا ہے ہمارا ملک مکران سے لنکا تک ایرانی شہنشاہیت کے ماتحت تھا۔ شہنشاہ اردشیر نے ہندوستان کے راجاؤں کو شاہ کا لقب دے رکھا تھا جیسے حکومت مغلیہ اپنے صوبیداروں کو خان یا خان خانان کے خطابات سے نوازتی تھی۔ یہ تمام مہاراجگان جیسے مکران شاہ، قیقان شاہ، کشمیران شاہ قفص شاہ ایران کو خراج ادا کرتے تھے اور فوجی ضرورت کے [illegible] سپاہیوں اور ہتھیاروں سے ایران کی مدد کرتے تھے چنانچہ علامہ ابن جریر نے لکھا ہے کہ ایرانی غزوات میں سب سے اہم معرکہ نہاوند کا قادسیہ کے بعد ۲۱ھ میں پیش آیا جس کے ہندی راجوں مہاراجوں نے ایرانیوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف صف آرائی کی تھی

(تاریخ طبری ص۱۳۰ ج ۴)

شاہان ایران کی اہم چھاؤنی جس سے وہ ایک طرف عرب کے علاقوں اور دوسری طرف مکران سے لنکا تک کے علاقوں پر کنٹرول کرتے تھے وہ ابلہ تھی جس کو مورخین نے فرج الہند و سندھ کا نام دیا ہے

(طبری ص۱۵ کامل ص۱۳ ج ۲)

اس خلیفۂ اسلام حضرت عمر فاروقؓ نے اس ایرانی چھاؤنی کے فتح ہونے پر کوفہ اور بصرہ ان دو عظیم تاریخی شہروں کے چھاؤنی بنانے کا حکم دیا ایرانیوں سے باقاعدہ جنگ کا ارادہ کرنے پر سب سے پہلے اسی عراقی دروازے (ابلہ) پر ۱۴ھ میں قبضہ کیا جس کو امام ابو یوسف نے فرج ارض الہند (ہندوستان کی دہلیز) بتایا ہے۔

(کتاب الخراج ص۱۱)

بلاذری نے لکھا ہے کہ عتبہ ابن غزوان نے ابلہ کو فتح کر کے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ یہ مقام بحرین، عمان، ہندوستان اور چین کا بندرگاہ ہے۔

(فتوح البلدان ص۳۴۳ الاخبار الطوال ص۱۱۷)

بہرحال اسلامی مشرقی فتوحات کے مرکز یہی دو مقام بصرہ اور کوفہ بنے چنانچہ بصرہ اس وقت سے آج تک ہندوستان کا دروازہ سمجھا جاتا ہے جیسے ایک زمانے میں سورت کا نام باب مکہ پڑ گیا۔

ہندوستانی اقوام جاٹوں اور سندھیوں کا قبول اسلام

عہد فاروقی کا ہندوستان کے سلسلہ میں اہم واقعہ ہندوستان کے اساورہ سیابجہ کا قبول اسلام ہے علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ جس وقت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ شہر سوس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو یزدگرد (شہنشاہ ایران) کا ہراول دستہ سیاہ اسواری کی سرکردگی میں تھا یہ ہندوستان کے جاٹوں وغیرہ کی فوج تھی اس سے پہلے اہواز کی جنگ میں بھی ہندوستانی جاٹوں نے مسلمانوں سے سخت مقابلہ کیا تھا لیکن جب ہر بار مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی فتحیابی کو دیکھا تو پھر ان کے [illegible] نے ۱۷ھ میں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں چند شرائط کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

(۱) اپنے قیام و سکونت میں خودمختاری

(۲) عطایا میں مسلمانوں کے ساتھ برابری

(۳) مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی صورت میں اپنی غیر جانبداری خلیفۂ اسلام حضرت عمرؓ نے شرائط مذکورہ کو خوشی سے قبول فرما لیا چنانچہ اسلام لانے کے بعد یہ ہندوستانی قبیلۂ بنو تمیم کے حلیف بن کر بصرہ میں رہنے لگے اور وہاں اپنی نو آبادی قائم کی ان کے نام کی نہر اساورہ سے [illegible] کا پتہ چلتا ہے پھر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان ہندوستانیوں نے ایران و خراسان سیستان و مکران اور ہند و سندھ کی جنگوں میں اہل اسلام کے پہلو بہ پہلو اپنی بہادری و جانثاری کا پورا ثبوت دیا اور جیسا کہ معلوم ہوگا کہ حضرت علیؓ نے تو اپنے زمانۂ خلافت میں بصرہ کا پورا سرکاری خزانہ انہی کے سپرد کر دیا تھا اس طرح سب سے پہلے اہل ہند نے پورے دل کی آمادگی کے ساتھ اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کے ساتھ ہو کر اپنے ہم وطنوں (ہندوستانیوں) کے خلاف ہندوستان کے غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ ہندوستان کے ان جنگجو اور بہادر قوموں نے تو اسلام کے آگے سپر ڈال دی لیکن خود ہندوستان کے راجے مہاراجے آخر تک مسلمانوں سے برسر پیکار رہے اس کی وجہ کیا ہے؟

راقم الحروف کے نزدیک عام ہندوستانیوں کی مسلمانوں کے خلاف رہنے کی وجہ وہی ہے جو مشرکین مکہ کے صلح حدیبیہ تک مسلمانوں کے خلاف رہنے کی وجہ تھی جب تک اہل مکہ مسلمانوں کو دشمنی کی نگاہ سے دیکھتے رہے تو کمالات اسلامی کے جلوے

ان کی آنکھوں سے اوجھل رہے کیونکہ دشمن کی نظر میں تو اپنے مخالف کا ہنر بھی عیب نظر آتا ہے باہمی عداوت ونفرت ایک دوسرے کے سمجھنے میں پردہ بن جاتی ہے اسی لیے صلح حدیبیہ نے اہل مکہ کی آنکھوں پر پڑے ہوئے پردے کو اٹھا دیا اور اپنے نسبی ووطنی بھائیوں کے اسلام لانے کے بعد جو جوہر نظروں میں نمایاں ہوئے اسلام کی مقناطیسی کشش نے اپنا کام شروع کیا اسی طرح ہندوستان کے بہادر دلاور قبیلوں کو جب مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کی سخاوت وشجاعت اور اسلامی اخلاق کے نمونے سامنے آئے تو اسلام کے لیے دلوں کے پٹ کھل گئے لیکن راجگان ہند ایرانیوں کی بے جا حمایت میں اہل عرب سے واقفیت حاصل کرنے اور ان کے اصلی چہرے کو دیکھنے کی کوشش نہ کر سکے اس لیے ہندوستان کو دار الاسلام بننے میں کچھ عرصہ لگ گیا واللہ اعلم۔

جب ایک طرف حضرت عمر نے کوفہ کو اسلامی لشکر کا مرکز بنایا جہاں سے [illegible] خراسان سندھ اور ہند تک کی نگرانی کی جاتی تھی تو دوسری طرف انھوں نے بصرہ کی چھاؤنی کو اہواز، دست میسان وایران کے فوجی علاقوں کی نگرانی کا مرکز بنایا پایہ کوفہ وبصرہ عراق کے ماتحت تھا اس لیے ہندوسندھ کی فتوحات کا ذکر عراق غزوات در فتوحات کے سلسلہ میں آتا ہے چنانچہ حضرت عمر نے جب ہندوستان کے بارے میں حضرت سعد ابن وقاص کے ذریعہ معلومات حاصل کرنا چاہی تو اس کے اندر [illegible] ابن عزوان کو ہندوستان بھیجا جائے کیونکہ وہ بدوی صحابہ تھے سندھ کے مرکزی شہر قندابیل (حال گنڈاوا) جو حال سندھ کے قلات ڈویژن میں واقع ہے مشہور صحابی صحار ابن عبدی پہنچے چونکہ قندابیل کی زمین کوہستانی و ریگستانی علاقہ خشک وگرم تھا اور دریا اور ندیاں کم تھیں اسی لیے پانی کی سخت قلت تھی اور بودھ مذہب کے غیر مہذب لوگ گھاس پھوس کی جھونپڑیوں میں صحرائی باشندوں کی زندگی گزارتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم کے سامنے پہلے آ چکا تھا جیسا کہ ابوحنیفہ دینوری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ایک عرب سیاح سے جب ہندوستان کے متعلق پوچھا تو اس نے تین مختصر جملوں میں اس کا جواب دیا جس سے زیادہ بلیغ جواب بقول علامہ ندوی اور نہیں دیا جا سکتا۔

بحرھا دُرٌ وجبلھا یاقوت وشجرھا عطر

(الاخبار الطوال ص[illegible])

یعنی ہندوستان کے دریا موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور اس کے پہاڑ ہیرے جواہرات سے

پر اور اس کے درخت خوشبوؤں کے خزانے ہیں۔

لیکن صحابہ کرام کے دلوں میں غزوۂ ہند کے شریک ہونے والوں کے لیے جو عظیم خوشخبری دی گئی تھی یہ بشارت ان کے دلوں میں چٹکیاں لیتی رہتی تھی اسی لیے صحابہ کرام کی ایک جماعت حضرت عثمان ابی العاص کی اجازت سے حضرت حکم کی سرکردگی میں سب سے پہلے تھانہ پہنچی گویا سرزمین بمبئی کو یہ شرف حاصل ہے کہ صحابہ کے سب سے پہلے نقش قدم اسی پر ثبت ہوئے پھر اوقف دیبل کراچی بھروچ اور بعد میں مکران میں صحابہ کی آمد ہوئی۔

بہرحال دور فاروقی کی یہ تینوں مہمیں اسلامی فوج کی رضاکارانہ چھیڑ چھاڑ کی حیثیت رکھتی تھیں اس رضاکارانہ چھیڑ چھاڑ کی اصل وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے وہ باشندے اساورہ اسامرہ وسیابچہ یعنی جاٹ اور سندھی جنگ آزما قبیلے جو ایرانی شہنشاہیت کے دست و بازو بن کر سب سے پہلے عہد صدیقی میں مسلمانوں کے خلاف مرتدوں کے مددگار بن کر نمودار ہوئے تھے جن کی نو آبادیاں خلیج فارس سے حجاز و یمن کے علاقے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی لیے علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے جب صحار ابن عبدی سے اس ملک کی بابت پوچھا تو انھوں نے وہ مشہور مسجع مقفیٰ جملے ادا کیے جو بعد میں ضرب المثل بن گئے ماؤھا وشل وتمرھا دقل ولصھا بطل ان قل الجیش ضاعوا وان کثروا جاعوا

(عیون الاخبار ص۱۹۹ ج ۲)

مطلب یہ کہ وہاں کا پانی خراب کھجور ردی اور چور دلیر ہیں اگر تھوڑا لشکر بھیجا جائے تو برباد ہو جائے اور اگر زیادہ لشکر بھیجا جائے تو بھوک سے مر جائے۔

یہ خیال رہے کہ قلات کا قدیم نام قیقان وکیکان تھا۔ قندابیل جس کو اب گنڈاوا کہا جاتا ہے کسی زمانے میں توران کا مرکزی شہر تھا جو بودھوں کا دار السلطنت تھا پہاڑی ہونے کی وجہ سے محفوظ مقام سمجھا جاتا تھا۔

حضرت فاروق اعظم نے ان جملوں کو سن کر فرمایا کہ تم حقیقت حال کی خبر دے رہے ہو یا قافیہ پیمائی کر رہے ہو جب انھوں نے کہا کہ میں حقیقت حال کو بتا رہا ہوں تو پھر آپ نے فی الحال اسلامی لشکر کے بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا لیکن اسلامی فوجوں نے ساحلی مقامات پر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور حضرت عثمان ابن ابی العاص ثقفی نے اپنے بھائی حکم ابن ابی العاص کے ذریعہ پہلی مہم تھانہ (بمبئی) کی طرف ۱۵ھ مطابق ۶۳۶ء میں بھیجی پھر دوسری مہم بھروچ اور دیبل کی طرف

روانہ کی یہ اسلامی فوج بحری راستے سے پہلی بار توج سے ہندوستان آئی تھی جس پر حضرت عمر نے یا اخا ثقیف حملت دوداً علی عود فرما کر خفگی کا اظہار کیا یعنی اے ثقفی بھائی تو نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر دیا۔ پھر حضرت عثمان ابی العاص نے مکران پر خشکی کی راہ سے حملہ کرکے ۲۳ھ میں فتح حاصل کی۔

(فتوح البلدان صـ۴۳۱)

بہرحال حضرت فاروق اعظم نے ہندوستان کی ان بحری بری مہمات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلیفۂ اسلام کو ان مہموں کے پہنچنے اور ہندوستانی علاقوں کے فتح کرنے پر خوشی و مسرت کا اظہار کرنا چاہیے تھا خفگی و ناراضگی یا ناپسندیدگی کیوں فرمائی؟

اس کا جواب غزوات اسلامی کی روح سے ناواقفیت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بحری بیڑہ کے مہیا کیے بغیر عساکر اسلامی کو پرخطر سمندروں میں ڈالنا آپ کے روک لگانے کی ایک معقول وجہ ہے لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ اسلامی غزوات کا مقصود اصلی فاتحان عالم کی طرح ملک گیری اور حصول دولت پذیری ہرگز نہیں ہے بلکہ دعوت خداوندی کو خدا کے بندوں تک پہنچانا اور خدا کے پیغام و احکام سے واقف کرانا ہے حضرت فاروق اعظم نے فتوحات اسلامی میں جس حکمت عملی کو اختیار فرمایا تھا۔ راقم السطور کے نزدیک اس کا بنیادی مقصد اسلامی اصول پر صالح معاشرے کی تنظیم اور باشندگان ملک کی تربیت و تعلیم تھا اس لیے وہ علاقے جو عرب سے خشکی کے ذریعے ملے ہوئے تھے جب تک ان کی صحیح تنظیم اور بقدر ضرورت تعلیم نہ ہو جائے اس وقت تک سمندر پار فتوحات کو پسند نہ فرماتے ہوں گے (واللہ اعلم)

ہندوستان کے بحری و بری راستوں کی طرف خطرناک مشکلات کی بنا پر ہندوستانی مہموں کو روک دینا اس لیے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ ایک دوسری روایت سے ہندوستان کی خوشحالی و سرسبزی و شادابی کا دوسرا پہلو بھی سامنے آجاتا ہے سپہ سالار اسلام حضرت سعد ابن وقاص کے زیر کمان کل نو دس ہزار سپاہی بے سروسامانی کی حالت میں اس عظیم ایرانی فوج سے ٹکرائے فطرت خداوندی نے اسلام کو فتح عطا کی یزدگرد شہنشاہ ایران جب وہاں سے بھاگا ہے تو اس نے اولاً حلوان کی راہ لی پھر اپنے مشرقی علاقوں کا رخ کرکے آخر میں مکران کے اندر پناہ لی تھی۔

(فتوح البلدان صـ۳۹۲)

یزدگرد سجستان، کرمان، مکران، اور ان جہاں جہاں پہنچا اس نے عربوں کے خلاف فضا بنائی حضرت عمر نے ان سات مرکزی مقامات پر جو منصوبہ تیار کیا تھا وہ اسی کے جواب توڑ میں تھا اس لیے مکران کا حملہ ۲۳ھ میں انہی مہمات کا ایک شاخسانہ ہے۔ مغربی مصنفین کا یہ جھوٹا

پروپیگنڈہ کہ مسلمانوں کے حملے کے وقت ہندوستان کی طاقت کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا تاریخی حقیقت کے خلاف ہے اس لیے کہ اس وقت مکران سے لے کر لنکا تک ہندوستان میں بڑے بڑے خاندانی راجاؤں کی حکومتیں قائم تھیں اور فوجی طاقت جنگی ساز و سامان اور ظاہری اسباب کی کوئی کمی نہ تھی۔

بہرحال عہد فاروقی میں ہندوستان کا عرب سے دیرینہ قائم شدہ رشتہ دوبارہ استوار ہوا اور عربوں کی آمد و رفت کا دروازہ نئے انداز میں کھلا۔

عہد عثمانی اور ہند

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت ۲۳ھ تا ۳۵ھ تقریباً بارہ سال رہی حضرت فاروق اعظم کی شخصیت جس طرح حسن تدبر و حسن انتظام اور اصول جہانبانی اور طریقۂ حکمرانی منتخب روزگار تھی کہ تاریخ انسانی ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی کی بابرکت ہستی علم و حلم، سخاوت و فیاضی، جود و کرم اور داد و دہش میں یکتائے زمانہ تھی حضرت فاروق اعظم نے اپنے بعد جن چھ صحابہ کو خلافت کا مستحق قرار دیا تھا ان میں حضرت عثمان کی شخصیت نمایاں تھی جب حضرت عثمان غنی مسند خلافت پر بیٹھے تو ایرانی ممالک نے جن کے اندر مکران اور سندھ بھی شامل تھے۔ شورش و بغاوت کی آندھیاں اٹھیں خلیفہ سوم نے حضرت حکیم ابن جبلہ عبدی کو فوجی مبصر بنا کر بھیجا انھوں نے ہندوستان سے واپس ہو کر جب دربار خلافت میں رپورٹ پیش کی تو وہی جملے دہرائے جو حضرت محمد ابن عبدی نے حضرت عمر کے آگے کہے تھے حضرت عثمان نے ہندوستانی لوگوں کے عہد و پیمان کی استواری کے متعلق جب پوچھا تو حضرت حکیم نے ان کی غیر ذمہ دارانہ روش کو بتایا اس پر فی الحال خاموشی اختیار کی گئی لیکن جب باشندگان ہند کی طرف سے شورش و بغاوت کا طوفان برپا ہونے کی اور نظم و نسق میں افراتفری اور ابتری کی مسلسل اطلاعیں ملیں تو اب حضرت عثمان کی علم و بردباری نے شجاعت و بہادری اور اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کی شکل اختیار کی چنانچہ ۲۹ھ میں حضرت عثمان نے ایک طرف عمیر ابن عثمان کو خراسان کا حاکم بنایا جب اسلام سے یہ قبیلے مشرف ہوئے تو اپنی پچھلی کارروائیوں کو داغ کو مٹانے کے لیے انھوں نے اہل اسلام کو ہندوستان کی طرف پیش قدمی کے لیے ابھارا اور خود اس معاملہ میں سبقت کی۔

دوسرے ایران کی لڑائیوں نے جب وسعت اختیار کی تو ہندوستان سے ایران کے

نیز راجگان ہند کی طرف سے برابر کمک پہنچتی رہی اس لیے بھی حربی حکمت عمل کے ماتحت اس روزن کو بند کرنا ضروری ہوا جہاں سے ایران کو تازہ دم فوجیں ملتی تھیں۔

جیسا کہ گزر چکا کہ سندھ کے راجہ مہاراجہ اسلامی فوج کے مقابلے میں شہنشاہ ایران کی امداد کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ۲۱ھ میں نہاوند کی جنگ کے میدان میں اترے تھے اور اس لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا ایرانیوں کی شکست پر حضرت عمرؓ نے ایران کے سات مرکزی مقامات پر حملے کے لیے سات امرا کو سات جھنڈے عطا فرما کر روانہ کیے چنانچہ مکران کا پرچم حضرت حکم ابن عمرو تغلبی کے حوالے کیا اگرچہ قحط عام الرمادہ کی وجہ سے یہ مہم اس سال مکران نہ پہنچ سکی لیکن جب ۲۳ھ میں اسلامی فوج نے مکران پر حملہ کیا تو سندھ کا راجہ رسل دریائے سندھ پار کر کے مسلمانوں کے مقابل بن کر آیا سخت گھمسان کا رن پڑا اور بالآخر راجہ رسل کو راہ فرار اختیار کرنا پڑی یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ فتح نہاوند ۲۱ھ میں ایرانی شہنشاہیت کا جنازہ نکل گیا۔ رستم کی قیادت میں ایک لاکھ بیس ہزار ایرانی نو سو تیس جنگی ہاتھی ایرانی پرچم درفش کاویانی کے سائے میں عربوں کے مقابلے میں آئے۔ جو فتوحات کرتے ہوئے [illegible] تک جا پہنچے اور دوسری طرف سیستان کا حاکم عبداللہ ابن عمیر لیثی کو بنایا جو بغاوتوں کو فرو کرتے ہوئے کابل تک پہنچ گئے اور مکران کے لیے عبداللہ ابن معمر تمیمی کو بھیجا وہ مکران پہنچے اور وہاں کی شورشوں و بغاوتوں کو اپنی حسن تدبیر سے ٹھنڈا کر دیا۔

(تاریخ طبری ص ۱۸۰ ج ۳ کامل ص ۲۱ ج ۳)

حضرت عبداللہ ابن معمر تمیمی نے خراسان، کرمان اور سیستان کے خلاف تخریبی کارروائی کی سرکشوں کی سرکوبی کی اور باغیوں کی طاقت توڑ دی اس طرح سب سے پہلے مکران خلافت اسلامی کا صوبہ بن گیا اور پہلی بار ہمارے ملک میں دربار خلافت سے امیروں کا تقرر ہوا اولاً عبداللہ ابن معمر تمیمی امیر مقرر ہوئے پھر عمیر ابن عثمان ابن سعد کو امیر بنایا آخری دور میں امارت ابن کندیر قشیری کو دی گئی۔

بلوچستان کی ابتدائی فتح تو عہد فاروقی ۲۳ھ میں ہوئی تھی لیکن مسلمانوں کا اقتدار قائم نہ ہو سکا دوسری مستقل فتح حضرت مجاشع ابن مسعود سلمی نے کر کے عہد عثمانی میں ملک عرب سے شامل کر لیا پھر تیسری بار ۳۸ھ میں پھر فتح کیا گیا اور ۴۴ھ میں فرج مکران اور سندھ کے علاقے کو [illegible] نے فتح کر کے ملک عرب اسلامی میں شامل کر لیا

یاد رہے کہ قیقان یا بہت یا بوکان وہ ہے جس کو معرب کیا گیا ہے اسلام کے مشہور [illegible] حضرت عمرو ابن معدی کرب نے اپنے قصیدہ کے آخری اشعار میں مکران اور سندھ کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کیا ہے۔

شعر

حتی اجتاح قری سواد و فارس
وسہل ولاجبال من مکران

جس وقت حضرت ربیع ان علاقوں کو فتح کر رہے تھے ان کے سکریٹری امام حسن بصری تھے اس کے بعد ۳۳ھ میں عبدالرحمن ابن سمرہ نے سیستان کی جنگ میں سندھ کے ملک داور پر فوج کشی کی اس وقت ان کے ساتھ آٹھ ہزار فوج تھی۔

فتوح البلدان ص ۳۸۶

یہی عبدالرحمن ابن سمرہ وہ اسلامی جرنیل ہیں جنھوں نے پہلی بار کچھ کلاتے کو ۳۳ھ میں فتح کیا اور بلاد روربو ہندوستان کا ایک علاقہ تھا مسلمانوں کے ہاتھ آیا چنانچہ امام ابو یوسف حضرت زہری سے نقل کرتے ہیں کہ افریقہ، خراسان اور سندھ کی فتوحات دور عثمانی کی یادگار ہیں۔

(کتاب الخراج ص ۲۹)

غرض خلافت عثمانی کا دور ہمارے ملک کے لیے ایک سنہرا دور ثابت ہوا فاروق اعظم نے اپنے آخری دور میں اس ملک کی ترقی کے لیے اشاعت اسلام اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے جو خاکہ ذہن میں تیار فرمایا تھا اس میں عملی رنگ بھرنے کی سعادت حضرت عثمان غنی کے حصہ میں آئی چنانچہ بلوچستان میں سب سے پہلے اسلامی نو آبادی قائم ہوئی نہریں کھدوائی گئیں اراضی کا ڈول ڈالا گیا اور سب سے پہلے یہاں کا عشر دارالخلافہ کو بھیجا گیا فتوح البلدان ص ۳۹۳

ہندوستان میں سب سے پہلے یہاں محکمہ قضا قائم ہوا اور ہندوستان کے یہ علاقے سب سے پہلے دارالاسلام بنے۔

خلافت علوی اور ہندوستان

حضرت علی کا عہد خلافت ۳۵ھ تا ۴۰ھ کل پانچ سال ہے جس کا بیشتر حصہ داخلی فتنوں جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں صرف ہوا اس بنا پر حضرت علیؓ کو آغاز میں ہندوستان کی طرف خصوصی توجہ دینے کا موقع نہ مل سکا لیکن جب سیستان کے کچھ لوگوں نے خلافت کے خلاف باغیانہ روش اختیار کی تو حضرت علی نے اولاً ابراہیم ابن دعر کو ۳۸ھ میں سرحد ہند کی طرف بھیجا جن کے ساتھ مشائخ اور معززین کی ایک جماعت تھی اس کے بعد حارث ابن مرہ کی قیادت

میں اسلامی لشکر ۳۸ھ میں ہندوستان آیا غرض آپ نے پہلی فرصت میں اس شورش و بغاوت کو فرو کیا جو یہاں کے باشندوں میں پھیل گئی تھی پھر ان کی اجازت سے مکران کے آگے قندابیل اور سندھ میں پہلی بار پیش قدمی عمل میں آئی قندابیل اور قیقان کی جنگ میں ایک ہزار سوار اور پانچسو پیدل فوج تھی اور یہاں پہلی بار قیقان وغیرہ میں زبردست فتوحات ہوئی اور مال غنیمت ہاتھ آیا جنگ قیقان میں بیس ہزار سندھی فوجوں نے مسلمانوں کا جم کر مقابلہ کیا تھا لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

(فتوح البلدان)

ہندوستانی قبیلوں جاٹوں اور سندھیوں کا شروع ہی سے حضرت علی کے ساتھ خصوصی تعلق قائم ہوا بصرہ کا خزانہ کمال اعتماد کی بنا پر انہی جاٹوں کے سپرد کیا جو چالیس یا پچاس تھا جنگ جمل کے موقع پر عثمان ابن حنیف نے خزانے کو چھیننا چاہا تو انھوں نے دینے سے انکار کر دیا اور سب شہید ہوئے ان کا سردار ابو سالم زطی ایک مرد جاٹ تھا۔

(فتوح البلدان ص ۳۶۹)

جب حضرت علی بصرہ کی جنگ سے فارغ ہوئے تو جاٹوں میں سے ستر آدمیوں نے اپنی زبان میں آپ سے بات چیت کی حضرت علی کے خاندان نے سب سے پہلے ہندوستانی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا چنانچہ حضرت محمد ابن حنفیہ جو حضرت علی کے دوسرے صاحبزادے ہیں ان کی والدہ حضرت خولہ کو حضرت ابو بکر نے حضرت علی کو دے دیا تھا۔ حضرت اسما بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ ان کو میں نے دیکھا تھا وہ ایک سندھی سیاہ رنگ کی عورت تھیں اور بنو حنیفہ کی باندی تھیں خود ان میں سے نہ تھیں جیسے علامہ ابن خلکان نے بھی حضرت خولہ کو بنو حنیفہ کی لونڈی بتایا ہے جو کالی سندھی عورت تھیں۔

(وفیات الاعیان ص ۲۱ ج ۲، طبقات ابن سعد ص ۴۱ ج ۵)

حاشیہ: حضرت حارث ابن مرہ عبدی

بحرین کے قبیلہ عبد القیس کی شاخ ربیعہ سے ان کا تعلق تھا مشہور تابعی ہیں ان کو شمار اسلام کے فیاض اور سخی لوگوں میں کیا گیا ہے حضرت علی کے جانثاروں میں تھے جنگ صفین ۳۷ھ میں کار نمایاں انجام دیے پھر حضرت علی کی اجازت سے ۳۸ھ میں ہندوستان کی طرف رضاکارانہ طور پر آئے۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ حارث ابن مرہ اور ان کے ساتھی غزوہ قیقان میں بعہد معاویہ شہید ہوئے ان کی سخاوت کے حال میں ہے کہ انھوں نے ایک دن میں ایک ایک ہزار غلام اور پانچسو سواریاں لوگوں میں تقسیم کیں۔

(الاخبار الطوال ص ۱۴۲، فتوح البلدان ص ۴۳۴، کتاب المحبر ص ۱۴۵)

اس کی تصدیق مشہور مورخ محمد حبیب صاحب منتشق نے اپنی کتاب میں کی ہے۔

(منتق صفحہ ۵۰۵)

ایسے ہی علامہ ابن قتیبہ نے علی ابن حسین (امام زین العابدین) کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی والدہ بھی جن کا نام سلافہ غزالہ ہے وہ بھی سندھی تھیں۔

(کتاب المعارف صفحہ ۹۰ منتق صفحہ ۵)

اسی طرح امام زید ابن علی ابن امام حسین جن کی کنیت ابو الحسن تھی ان کی والدہ بھی سندھی تھیں ان کو آزاد کر کے نکاح کیا گیا تھا۔

خلیفہ عبد الملک اموی نے اپنے ایک خط میں انکو انکی عار دلائی تو حضرت نے جواب لکھا

کہ حضور اکرم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح فرمایا۔ ایسے ہی زید ابن حارثہ کو آزاد کر کے ان کا نکاح اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینب کے ساتھ کیا تھا۔

(المعارف ص ۹۴-۹۵۔ المنتق ص ۵۰۵)

غرض عہد خلافت راشدہ ہی سے حضور علیہ السلام کے اہل بیت کرام سادات عظام کا ہمارے ملک ہندوستان سے ننھیالی رشتہ کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی لیے پہلی صدی سے علوی خاندان اموی حکومت کی دست درازیوں کی وجہ سے عرب کو چھوڑ کر مستقلاً ہندوستان میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ غالباً ہندوستان میں حضرت علی، حضرت حسین کے نام لیواؤں کی کثرت کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے

بہر حال خلافت راشدہ کے دور میں شجر اسلام کی جڑیں گہری طور پر اس سرزمین میں پیوست ہو گئیں اس عہد کی ہندوستان میں اسلامی فتوحات کی تعداد پندرہ ہے۔

عہد فاروقی (۱) تھانہ (بمبئی) (۲) بھروچ (۳) دیبل (۴) مکران کی پہلی فتح (۵) مکران کی دوسری فتح (۶) بلوچستان (۷) سیستان سے ملحقہ سندھ کی فتوحات۔

عہد عثمانی: (۸) مکران کی تیسری مستقل فتح (۹) بلوچستان کی کامل فتح (۱۰) سیستان و سندھ کا علاقہ لاور کی فتح (۱۱) [illegible] کی فتح (۱۲) قندابیل کی فتح۔

عہد علوی: (۱۳) فتح مکران (۱۴) قندابیل (۱۵) قیقان کی فتوحات۔

ان میں پہلی تین فتوحات تو [illegible] تھیں، باقی [illegible] فتوحات سرحدی ہو [illegible] میں بھیجے گئے تھیں

فتوحات حضرت علی کی اجازت کی وجہ سے سرکاری ہو گئیں

اموی خلافت کا تعلق ہندوستان سے

انڈو یورپ ارباب تاریخ نے اسلام سے ہندوستان کے تعلق کا نقطۂ آغاز محمد ابن قاسم ثقفی کے حملہ ۹۳ھ کو بتایا ہے لیکن پچھلے صفحات میں اس تاریخی غلطی کو واشگاف انداز میں واضح کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ آفتاب اسلام کی شعاعیں عہد رسالت و خلافت ہی سے ہندوستان کے علاقوں میں پڑ کر پھیل چکی تھی۔ چونکہ خلافت راشدہ (چاروں خلفا کی حکومت) نبوت کے اصول و طریقے پر قائم تھی۔ اس لیے اسلام کی سچائی و سادگی تقویٰ و پرہیزگاری اور عام انسانیت کے ساتھ ہمدردی و خدمت گزاری کے اخلاق فاضلہ نے لوگوں کے دلوں کو فتح کر لیا تھا۔

پیغمبر اسلام کے ان سچے خلفائے کرام کی حکومت جسموں سے زیادہ دلوں پر رہی اور یہ مثالی دور انسانوں کی رہنمائی کے لیے مثل اعلیٰ (بہترین نمونہ) بن کر ہمیشہ دلوں میں چمکتا رہے گا۔

خلافت راشدہ کی جو بساط حضرت ابو بکرؓ نے بچھائی تھی وہ تیس سال کی مختصر مدت میں سمٹ گئی اس کے بعد خلافت ضرور قائم رہی لیکن نبوت کا دلوں کو روشن کرنے والا نور آہستہ آہستہ مدھم پڑتا گیا۔ خلافت راشدہ کے بعد اموی حکومت کا آغاز ہوا اور امیر معاویہؓ جیسا اعلیٰ درجہ کا مدبر صحابی جو کاتب قرآن رہے تھے تخت خلافت پر بیٹھے۔ امیر معاویہؓ اپنی حلم و بردباری و سیاستدانی میں ضرب المثل انسان تھے۔ بقول مولانا عبید اللہ سندھی امیر معاویہ اسلام کے پہلے بادشاہ ہیں جن کے صبح سے شام تک کے پروگرام عالمی سیاسی ملکی نظام کے اہتمام اور فوجی و حربی انتظام کو سامنے رکھ کر شاہان عالم کے مقابلے میں ان کو کھڑا کر دیا جائے تو ان کی عظمت و رفعت اور بلند قامتی تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ حسن تدبر اور خوبیٔ انتظام میں بڑے بڑے بادشاہ ان کے مقابل کھڑے نہیں ہو سکتے۔

وہ عہد فاروقی سے شام و عراق جیسے زبردست متمدن عجمی علاقوں پر داد حکمرانی دے رہے تھے اور وہاں کے باشندوں کے دلوں پر فرمانروائی کر رہے تھے اب اسلام کا دارالخلافت مدینہ و کوفہ سے منتقل ہو کر دمشق جیسے مشہور عالم شہر میں پہنچ گیا جہاں

جہاں خشکی سے ملے ہوئے عرب اور، حجاز و یمن، مصر و قیروان کے علاقوں پر جس طرح کنٹرول کیا جاتا تھا وہیں بحر عرب، بحیرۂ ہند، خلیج فارس اور بحر قلزم سے لگے ہوئے علاقوں پر اسلام کا پرچم لہرایا جا سکتا تھا۔ خلافت راشدہ تک خلفا کی حربی حکمت عملی اور غزوات و فتوحات کا میدان زیادہ تر خشکی کا علاقہ رہا تھا لیکن امیر معاویہ کی بلند حوصلگی و اولوالعزمی کے سامنے سمندروں کی وسعتیں تنگ نظر آنے لگیں۔ ان کی مدبرانہ دانشمندی نے ایشیا کے سمندروں کو بھی اسلامی دعوت کا جولانگاہ بنا دیا عربوں کی قدیمی ذوق جہاز رانی کو از سر نو زندہ کیا وہ اسلام کے پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے لیے بحری جنگی بیڑہ تیار کیا اب عربوں کی جنگی و تجارتی بیڑے بحر عرب اور بحر ہند کو عبور کر کے جزائر شرق الہند ملایا جاوا اور چاٹنگ تک پہنچنے لگے۔

امیر معاویہ پہلے مسلمان خلیفہ ہیں کہ جن کے عہد میں اسلام کی دعوت ہند و سند ملایا جاوا سے گزر کر دنیا کے مشہور صنعت و حرفت کے گہوارے ملک چین تک پہنچی چنانچہ ہندوستان سے آگے بڑھ کر عرب و چین میں تمدنی و ثقافتی اور دینی تعلقات کی بنیادیں قائم ہوئیں چنانچہ قاضی رشید ابن زبیر نے اپنی کتاب الذخائر والتحف میں لکھا ہے کہ چین کے شہنشاہ نے امیر معاویہ کو ایک خط مع تحائف و ہدایا کے روانہ کیا۔ جس کا متن درج ذیل ہے۔

"یہ خط اس شہنشاہ کی طرف سے عرب کے بادشاہ کو بھیجا جا رہا ہے جس کے ایک ہزار بادشاہ باجگزار ہیں اور ایک ہزار ہاتھی اس کے فیل خانہ میں ہیں اور جس کا محل سونے کا بنا ہوا ہے اور اس کے ملک کے دو دریا طویل و عریض ہیں جہاں عود و کافور پیدا ہوتے ہیں جن کی خوشبو بیس میل تک پہنچتی ہے اس عرب کے بادشاہ کی طرف یہ خریطہ بھیجا جا رہا ہے جو خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ایک ہدیہ ان کی طرف بھیج رہا ہوں یہ ہدیہ نہیں بلکہ ایک تحفہ ہے اے امیر آپ میرے پاس اپنے نبی کے احکام حلال و حرام کو بھیجیے اور اس شخص کو بھی اس کے ہمراہ بھیجیے جو ان احکام کی تشریح کرے"

دراصل یہ ہدیہ ان کتابوں کا تھا جس کے اندر چین کے پوشیدہ علوم تھے کہا جاتا ہے کہ یہی کتابیں خالد ابن یزید ابن معاویہ کو بعد میں ملیں جن کی بنا پر اس نے بہت سے اعمال عجیبہ انجام دیے۔

(کتاب الذخائر ص ۱۰۱ بحوالہ العقد الثمین۔)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ خالد بن یزید جو امیر معاویہ کے پوتے ہیں۔ عرب کے پہلے سائنسداں ہیں جنہوں نے کیمیا (کیمسٹری) و طبعیات اور دیگر فنون میں کمال حاصل کر کے

عربوں کو حکمت و سائنس سے آشنا کیا اور نئی ایجادات کی داغ بیل ڈالی جو عرب اشیا کی تحلیل و تجزیے سے واقف تھے اور مادے کے خواص و تاثیرات سے نابلد تھے دور اموی میں ان کی طرف سب سے پہلے توجہ کی گئی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عربوں کو یونانی علوم سے پہلے چینیوں کے فنون سے [illegible] ہونے کا موقع ملا۔

امیر معاویہ کے عہد میں غازیان اسلام نے ہندوستان کا رخ کیا مشہور اسلامی جرنیل مہلب ابن ابی صفرہ وہ پہلے سپہ سالار اسلام ہیں جنھوں نے فتح کابل ۴۴ھ مطابق ۶۶۴ء کے بعد ہندوستان میں اسلامی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کیا اور بقول فرشتہ [illegible] سال کے کچھ لوگ برضا و رغبت دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت مہلب فتح مکہ کے سال پیدا ہوئے یہ سب سے چھوٹے تھے ان کے والد ابی صفرہ بصرہ میں مقیم ہوئے تو ان کی کنیت ابو سعید ہے اپنے زمانے کے اعلیٰ درجہ کے بہادروں میں تھے انھوں نے بصرہ کو باغیوں سے پاک صاف کیا پھر خراسان کے پانچ سال تک گورنر رہے ان کا انتقال ۸۲ھ میں مرگ رود میں ہوا۔ مہلب خاندان بنو امیہ کی حکومت کے قائم اور برقرار رکھنے میں برامکہ کی طرح ثابت ہوئے مہلب ابن ابی صفرہ نے خود لاہور اور قندابیل کو فتح کیا پھر ان کا خاندان ایک عرصہ تک ہندوستان پر حکومت کرتا رہا۔

فتح مکہ کے وقت یہ سب سے چھوٹے بچے تھے اصحاب سنن نے ان کی روایات نقل کی ہیں حضرت ابن عمر اور ابن عازب سے روایت ہے اور سماک ابن حرب اور ابو اسحٰق سبیعی نے ان سے روایت کی ہے۔ (الاصابہ ص۵۰۶ ج ۳ طبقات ابن سعد ص۱۲۹ ج ۷)

اس واقعہ کے تقریباً پچاس سال بعد محمد ابن قاسم کا مشہور حملہ ہوا ہے جس کو عام مورخوں نے مسلمانوں کا ہندوستان پر پہلا حملہ قرار دیا ہے حالانکہ بلاذری نے لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کے حملہ سے بہت پہلے پانچسو عرب مسلمان ایک عرب سردار کی ماتحتی میں کران سے بھاگ کر راجہ داہر کے یہاں پہنچ گئے تھے۔ (فتوح البلدان ص۴۲۸)

اس امر کی مزید شہادت یہ ہے کہ سندھ کے حملے میں محمد ابن قاسم جب ایک قصبہ میں پہنچا تو اس کو معلوم ہوا کہ وہاں کے باشندے بودھ مت کے دو پیرووں کو عراق کے گورنر حجاج ابن یوسف ثقفی کے پاس بھیجکر فیصلے کی مصالحت اور حجاج سے امن و امان کی سند حاصل کر چکے ہیں بہر حال محمد بن قاسم کا یہ مشہور تاریخی حملہ ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء سے بہت پہلے سندھ اور اس

کے مختلف علاقوں میں مسلمان پھیل چکے تھے یا خلافت کے ماتحت بہت سی ہندوستانی آبادیاں مصالحانہ رویہ اختیار کرکے اپنی زندگی اسلامی قانون کے مطابق چین و اطمینان سے گزار رہی تھیں۔

تاریخ سندھ جو چچ نامہ کے نام کے ساتھ مشہور ہے اور سندھ کی اور مسلمانوں کی لکھی ہوئی سندھ کی پہلی تاریخ ہے اس کے اندر درج ہے کہ سب سے پہلے محمد ابن قاسم کے ہاتھ پر جو صاحب مسلمان ہوئے وہ مولانا اسلامی دیبل کے تھے جن کو راجہ داہر کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا۔

(رجال الہند والسندھ ص۲۹)

ہندوستان کا یہ سترہ سالہ نوجوان فاتح جو حجاج ابن یوسف کا بھتیجا اور داماد بھی تھا۔ ولید ابن عبد الملک کے زمانہ میں اولاً فارس بھیجا گیا وہاں سے سرحد ہند کی طرف چھ ہزار لشکر پورے ساز و سامان سے سرحد ہند کی طرف روانہ ہوا مکران وغیرہ فتح کرتے ہوئے دیبل (حال کراچی) پہنچا جہاں حجاج کا روانہ کردہ بحری بیڑہ بھی پہنچ گیا۔ راجہ داہر کی عہد شکنی کی وجہ سے سخت معرکہ آرائی ہوئی دیبل کو فتح کرکے اسلامی چھاؤنی کی داغ بیل ڈالی پھر کچھ یعنی گجرات کا رخ کیا یہاں راجہ داہر سے دوبارہ معرکہ آرائی ہوئی شدید مقابلہ کے بعد فتح حاصل ہوئی۔ داور کا محاصرہ کیا گیا وہاں سے ملتان کی طرف لوٹے ہوئے اور ملحقہ علاقے پر قبضہ کرتے ہوئے فتح کا پرچم لہرایا ۹۶ھ میں محمد ابن قاسم کو واپس بلا لیا گیا۔

عہ چنانچہ مزید ثبوت کو بھلا دیجئے کہ اہل اسلام عہد خلافت سے ہندوستان میں بود و باش اختیار کرتے چلے آرہے تھے ایک پُر تنک عجیب و غریب مگر مضبوط تاریخی شہادت یہ ہے کہ راجہ داہر کے لشکر پر جب عرب فوجوں نے حملہ کیا ہے تو راجہ داہر کے ساتھ اس نازک موقع پر جو فوجی کمان کر رہے تھے وہ راجہ داہر کے مسلمان سپہ سالار محمد بن علافی اور ان کے بھائی حارث بن علافی بھی تھے جنھوں نے راجہ داہر کے ساتھ مقامی ہندوستان کے راجاؤں کے ساتھ معرکہ آرائیوں میں اپنا نقش شجاعت راجہ کے دل میں اس طرح ثبت کیا تھا کہ وہ سپہ سالار افواج بن گئے تھے۔ جس طرح ابدالی کے مقابلہ میں پانی پت کی آخری لڑائی میں جب مرہٹہ فوجوں نے افغانی لشکر سے مقابلہ کیا تھا تو میدان جنگ کا سب سے مضبوط بازو یعنی توپخانہ مشہور توپچی ابراہیم گاردی کے ماتحت تھا جو آخر دم تک میدان مقابلہ میں ثابت قدم رہا اور اس نے مرہٹہ افواج کی طرح میدان سے راہ فرار اختیار نہیں کی بلکہ اسی معرکہ میں کام آیا۔

خلیفہ سلیمان ابن عبدالملک کے زمانے میں جب بنو ثقیف کو زوال آیا اور اس کے دشمنوں نے خلافت کو ان کی طرف سے برگشتہ کیا تو اس بہادر نوجوان کو بھی شہید کر دیا گیا۔

محمد ابن قاسم کی فیاضی و رواداری اور ہندوستان میں اسکی مقبولیت و ہردلعزیزی کا اس سے بڑھ کر کیا مظاہرہ ہوتا ہے کہ اسکی شہادت کی خبر سن کر اہل ہند و سندھ رو پڑے اور اپنے روایتی عقیدت مندی کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ ان کا مجسمہ تیار کیا گیا اور گویا ان کو دیوتا مان کر ان کے مجسمہ کو مقام کیرج میں نصب کیا گیا۔ (فتوح البلدان)

ہندوستان میں علم حدیث پہلی صدی ہجری سے

ہمارے ملک میں علم حدیث کا نقطۂ آغاز اس طرح ہوا کہ جب عہد عثمانی میں اسلامی نوآبادیوں کا سلسلہ قائم ہونا شروع ہوا تو معاشرۂ اسلامی کے اندر پیدا ہونے والے مسئلوں، جھگڑوں اور نوع بنوع کے معاملات کو طے کرنے کے لیے قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی اور ان صحابہ اور تابعین نے جو ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اس سلسلہ میں رہبری کی، جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ محمد ابن قاسم کے لشکر میں صالحین اور تابعین میں سے ایک بڑی جماعت موجود رہتی تھی جن کے ذریعہ خداوند قدوس اپنے دین کی مدد کرتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۸۶ ج ۹)

عہد فاروقی سے لے کر دور اموی تک ان رواۃ حدیث کا سلسلہ غزوات و فتوحات میں جاری رہا جیسے کہ لکھا جا چکا ہے کہ عہد فاروقی سے اسلامی مجاہدین کے قافلے اس سرزمین میں خلافت کی اجازت سے یا رضاکارانہ طور پر اپنی خوشی سے پیغام دعوت لے کر آنے شروع ہو چکے تھے ان کی تعداد مسلسل بڑھتی رہی یہاں تک کہ پہلی صدی ہی میں علم حدیث کے سلسلہ کا آغاز عمل میں آیا اور اس سرزمین میں محدثین کے حلقے دیگر اسلامی ملکوں کی طرح قائم ہونے لگے خصوصاً جب اس امر کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ سنہ ۹۳ھ کے بعد سے قوم [illegible] اسلام میں داخل ہو گیا اور یہ سلسلہ سنہ ۹۳ھ سے سنہ ۲۰۰ھ تک قائم رہا اور پھر گو تیسری صدی کے وسط سے عربوں کی یہ بالادستی ختم ہو گئی لیکن صوبہ سندھ کی دو ریاستیں منصورہ (بھکر) اور محفوظہ (ٹھٹھہ) اور سنہ ۲۱۰ھ تا سنہ ۳۵۲ھ اسلامی ریاستیں رہیں اگر۔ حقیقت اپنی جگہ پر

مسلّم ہے کہ اس علم شریف کے فروغ و اشاعت کی گرم بازاری ہمارے ملک میں حاصل نہ ہو سکی جو حجاز و یمن مصر و شام اور خراسان کو میسر آئی مگر عرب و ہند کے آنے جانے والوں کی کتنی بڑی تعداد ادھر سے ادھر منتقل ہوتی رہی ہوگی اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے چنانچہ جب ہم پہلی صدی ہجری کے ارباب روایت کے اسمائے گرامی پر نظر ڈالتے ہیں تو اہل سندھ کی وہ بابرکت شخصیات رجال حدیث کے تاریخی صفحات پر نمایاں نظر آتی ہیں یہ وہ مقدس علماء ہیں جو صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنی آنکھوں کو پیغمبر اسلام کے مبارک ساتھیوں کے دیدار سے روشن کیا اور ہندوستان کی نسبت سے روایت حدیث میں بحیثیت تابعی کے اہم مقام حاصل کیا ان میں امام مکحول ہندی حضرت عبدالرحمن ابن ابوزید بیلمانی ابو معشر نجیح سندھی عبدالرحمن سندھی، حارث بیلمانی، موسیٰ سیلانی کے نام نمایاں ہیں جنھوں نے صحابہ کی مقدس جماعت سے حدیث سنی اور ہندوستانی علمائے حدیث میں تابعیت کے شرف سے مشرف ہوئے۔

(۱) امام مکحول ہندی نے حضرت انسؓ بن مالک خادم رسول اللہ، ابو امامہ باہلی و واثلہ ابن الاسقع سے روایت کی۔

(۲) عبدالرحمن ابن ابوزید بیلمانی

یہ سوراشٹر (گجرات) کے موضع بیلمان کے باشندے تھے اور اسی نسبت سے مشہور ہیں انھوں نے حضرت عثمان غنی، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر، عمرو ابن عبسہ، عمرو ابن اوس، [illegible] جبیر ابن مطعم، معاویہ ابن ابی سفیان اور عبدالرحمن ابن الاعرج سے روایت فرمائی ہے حضرت عمرو ابن عبسہ کے قبول اسلام کی روایت نسائی نے اور طواف وداع سے متعلق حدیث ترمذی کی انہی عبدالرحمن سے مروی ہے۔

(۳) حضرت ابو معشر نجیح صاحب المغازی

جو حفاظ حدیث میں سے ہیں اور حضرت ابو امامہ سہل ابن حنیف کی زیارت سے مشرف ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

علم حدیث کا ہندوستان سے جو تعلق پہلی صدی سے قائم ہوا تھا وہ تیسری اور چوتھی صدی تک برابر آگے بڑھتا رہا ان محدثین کرام کے چند اسمائے گرامی جو ہمارے ملک کی نسبت سے جانے پہچانے جاتے ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱) خلف ابن سالم سندھی المتوفی سنہ ۲۳۱ھ (۲) محمد ابن ابو معشر نجیح المتوفی سنہ ۲۴۴ھ

(۳) عبد ابن حمید کشی (کبھی) المتوفی ۲۴۹ھ (۴) محمد ابن محمد ابن رجا سندھی المتوفی ۲۸۶ھ صاحب مستخرج صحیح مسلم۔

پھر تیسری صدی ہجری کے محدثین ہند کی فہرست اتنی طویل ہے کہ یہ کتابچہ اس کا متحمل نہیں چند حضرات کے نام یہ ہیں (۱) محمد ابن ابراہیم دیبلی المتوفی ۳۲۲ھ (۲) احمد ابن عبد اللہ دیبلی المتوفی ۳۴۳ھ (۳) ابو الفوارس احمد ابن محمد سندھی المتوفی ۳۴۹ھ (۴) محمد ابن محمد دیبلی المتوفی ۳۵۲ھ (۵) محمد ابن علی سندھی اور ابو العباس احمد ابن محمد منصوری چوتھی صدی کے ان رجال حدیث میں سے ہیں جن سے عراق، دمشق اور شام کے محدثین روایتیں کی ہیں اور موخر الذکر ابو العباس جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں (خلافت راشدہ اور ہند ص ۲۴۴)

پھر ان ہندی مسلمانوں کے خلافت راشدہ کے عہد میں کئی خاندان علم دین سے کچھ یوں چمکے کہ ان کی اولاد میں کئی صدیوں تک علمی و دینی سلسلہ چلتا رہا اور اموی و عباسی زمانے میں متعدد نامور حفاظ حدیث ائمہ دین پیدا ہوتے رہے۔

اس دور کے تین علمی و دینی خانوادے خاص طور پر قابل ذکر ہیں

(۱) آل ابی معشر سندھی ان میں ابو معشر نجیح، ابن عبد الرحمن سندھی مدنی حافظ حدیث ہونے کے ساتھ کان اعلم الناس بالمغازی سے شہرت رکھتے تھے ان کی کتاب المغازی اپنے فن کی ابتدائی اور مشہور کتاب ہے اور محمد ابن ابو معشر سندھی اپنے زمانے کے مشہور محدث و فقیہ گزرے ہیں۔

(۲) آل بیلمانی

ان کے اندر عبد الرحمن ابو زید بیلمانی، محمد ابن عبد الرحمن بیلمانی، حارث بیلمانی، محمد ابن حارث بیلمانی حدیث کے راوی اور بعض عربی کے شاعر بھی تھے۔

(۳) آل مقسم قیقانی۔

ان کے اندر مقسم قیقانی، ابراہیم ابن مقسم قیقانی، ربعی ابن ابراہیم ابن مقسم قیقانی اسماعیل ابن ابراہیم قیقانی کے کوفہ بصرہ اور بغداد میں علم و فضل کے ساتھ ولایت و عمارت اور تجارت میں بھی شہرت و ناموری حاصل کی یہ سب کے سب ان ہندوستانی خاندانوں سے وابستہ افراد ہیں جن کے آباء و اجداد عہد خلافت میں جنگی قیدی اور غلام بن کر عرب گئے اور پھر مسلمان ہو کر مسلمانوں کی ولا یعنی قبائل کی نسبت سے منسوب ہو کر اعلیٰ مناصب پر پہنچے اور علم و فضل کی تاریخ کے آسمان پر

ستارے بن کر چمک رہے تھے۔

ہند میں اسلام کے ابتدائی مرکز۔

داعی اعظم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے عرب کو خداوندی پیغام کا مخاطب بن کر اس دعوت کا علمبردار بنایا۔ پھر عربوں کے واسطے سے تمام عالم انسانیت کو دعوت ایمانی کا مخاطب بنایا گیا اس لیے پہلی صدی ہجری ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ان عربوں کے واسطے سے اسلامی دعوت کی [illegible] معمورۂ عالم میں گونج اٹھی۔ ایک طرف مشرق اقصیٰ ملایا جاوا اور چائنا تک اسلام کے قافلے بحری راستوں سے پہنچنے لگے تو دوسری طرف خشکی کی راہوں سے افریقہ و یورپ تک اسلامی لشکروں نے اپنے ڈیرے ڈال دیے ہمارے ملک کے ساحلی مقامات میں پہلی صدی ہجری کے اندر اور مسلمانوں کی نو آبادیاں قائم ہونے لگیں۔ ہندوستان کے یہ ساحلی علاقے اسلامی مرکز بننے لگے۔

سراندیپ اسلام کا پہلا مرکز

یہ واقعہ بھی عجیب و غریب ہے کہ اسلام کا پہلا مرکز سراندیپ (سیلون یا لنکا) بنا جو ابو البشر حضرت آدمؑ کا پہلا جائے نزول اور مستقر تھا یہاں پہلے عربوں کے تجارتی قافلے آتے تھے اب اہل اسلام کے بحری بیڑے تجارت کے ساتھ زیارت کے لیے بھی لنگر انداز ہونے لگے۔ ان حق پرست تاجروں، اور درویشوں کی آمد و رفت کی بنا پر یہاں کے راجہ نے اسلام میں پیش قدمی کی تھی۔ سب سے پہلا جو وفد ہند سے اسلام کی دعوت کو سمجھنے کے لیے عرب روانہ ہوا تھا اس کا تعلق جیسے کہ لکھا جا چکا اہل سیلون سے تھا اس لیے سراندیپ میں عربوں کے قافلے کی آمد کا پہلی صدی ہجری میں ہی ایک تانتا بندھ بندھ گیا چنانچہ لنکا کا راجہ صحابہ کے عہد ۳۰ھ یعنی ساتویں صدی کے شروع میں ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

(تاریخ فرشتہ ص ۳۱۱)

اس واقعہ کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جس کو علامہ بلاذری نے نقل کیا ہے کہ سراندیپ (لنکا) کے راجہ گورنر عراق حجاج کی خدمت میں دیگر تحائف کے ساتھ ان مسلمان عورتوں اور مسلمان لڑکیوں کو بھی روانہ کیا تھا جن کے باپ وہاں تجارت کرتے تھے اور پھر ان کو لاوارث چھوڑ کر دنیا سے گزر گئے۔

(فتوح البلدان ص ۴۳۸)

جزیرہ سراندیپ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا یہاں پر حضرت آدم کا جنت سے نزول ہوا اور ایک پہاڑ پر ان کے نقش قدم ثبت ہیں اس لیے یہ اہل اسلام کی ایک زیارت گاہ اور متبرک مقام ہے۔

ایشیا کے ایک عظیم مذہب بودھ مت کے پیرو اس کو شاکیہ منو مہاتما گوتم بودھ کے پاؤں کا نشان مانتے ہیں اس لیے ان کے یہاں بھی لنکا ایک متبرک مقام ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ شیو کے پاؤں کا نشان ہے اس لیے اُن کا بھی یہ عظیم استھان ہے۔ بہرحال یہ وہ عظیم سنگم ہے جہاں ایشیا کے تینوں مذہبوں کے ماننے والے یکساں طور پر احترام و تعظیم کے ساتھ اس مقام کو بابرکت مانتے ہیں۔ بہرحال ان دو طرفہ کششوں کا نتیجہ ہے کہ ہر زمانے میں سراندیپ مسلمانوں کا مرکز توجہ تھا۔ اسی لیے ہر زمانے میں ان کے بحری قافلے سراندیپ کی طرف آیا کرتے تھے۔ ابن بطوطہ کے زمانے میں یہاں کا راجہ ہندو تھا مگر نقش قدم کی زیارت کے لیے ہر طرف سے مسلمان آتے رہتے تھے۔ جس پہاڑ پر یہ نقش قدم ہے وہاں خواجہ خضر کا غار ملتا تھا۔ راستہ میں بابا طاہر کا غار بھی پڑتا تھا یہاں ہاتھی بکثرت ہیں مگر ایک شیرازی بزرگ شیخ عبداللہ خفیف المتوفی ۳۳۱ھ کی دعا کی برکت سے یہ کسی کو نہیں ستاتے جب سے شیخ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی ہے لنکا کے لوگ مسلمانوں کا ادب کرتے اور اُن کو اپنے گھر ٹھہراتے اور اُن کو اپنے بال بچوں کے ساتھ رکھتے ہیں۔ شیخ عبداللہ کا نام بڑے ادب سے لیتے ہیں۔ (تحفۃ النظار سفرنامہ ابن بطوطہ)

عربوں نے اس جزیرہ کا نام جزیرۃ الیاقوت رکھا ہے عربوں کے نزدیک سراندیپ اتنا محبوب مقام ہے اس کے لیے ایک عرب شاعر نے اپنے ذوق و شوق کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

وَكُنْتُ كَمَا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ عَازِماً
اَدُوْمُ بِنَفْسِيْ مِنْ سَرَانْدِيْبَ مَقْصِداً

اور میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس بات کا اپنے لیے برابر عزم کرتا رہا کہ سراندیپ میری منزل مقصود ہے۔ (رجال الہند والسند ص ۲۹)

اسلام کا دوسرا مرکز

اسلام کا دوسرا مرکز مالدیپ ہے جس کو عرب لوگ جزیرۃ المہل کہتے ہیں اس کے راجہ شنوراذہ اور باشندوں کے اسلام کا سبب شیخ ابوالبرکات بربری مغربی کی مشہور کرامت ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ شیخ ابوالبرکات اپنے (ملک) بلاد مغرب سے مالدیپ

تشریف لاکر وہاں کے ایک باشندہ کے مہمان ہوئے۔ اس نے حق مہمانی ادا کیا اور شیخ کو بہت عزت و اکرام سے رکھا۔ ایک دن شیخ نے اس میزبان اور اس کے گھر والوں کو دیکھا کہ وہ سب اپنی ایک نوجوان بیٹی کو عمدہ لباس سے بنا سنوار رہے ہیں اور خوب روتے جاتے ہیں۔

شیخ ان کی حالت دیکھ کر پریشان ہوئے اور ان پر ترس آیا۔ رونے کا سبب دریافت کیا۔ گھر والوں نے بتایا کہ یہاں ہر سال میں ایک مرتبہ سمندر میں جب طغیانی آتی ہے تو ایک کنواری لڑکی کو اس پر بھینٹ چڑھایا جاتا ہے جب وہ طوفان فرو ہوتا ہے۔

اب وہ زمانہ قریب آگیا ہے۔ امسال میری بیٹی کی باری ہے جو ہماری اکلوتی لڑکی ہے اور یہی گھر کا چراغ ہے لیکن راجہ کے حکم سے بھینٹ چڑھانے کے لیے مجبور ہیں۔ اس لیے ہمیں رونا آتا ہے۔ شیخ نے فرمایا میں نے تم لوگوں کا نمک کھایا ہے اس لیے میں اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں مجھ کو اس لڑکی کے بجائے اس کا لباس پہنا دو اور رات میں جس جگہ بھینٹ چڑھانے کے لیے جاتے ہیں مجھے پہنچا دو میں اپنے خدا کی مدد سے اس بلا سے نمٹ لوں گا۔ گھر والوں نے اس سے انکار کیا کہ آپ پردیسی مسافر ہمارے مہمان ہیں مگر شیخ کا اصرار ان کے انکار پر غالب آگیا چنانچہ شیخ کو اس لڑکی کا لباس پہنا کر اس مندر پر لے جاکر چھوڑ دیا گیا جو سمندر کے کنارے تھا جہاں وہ سمندری بلا آکر انسانی بھینٹ کو قبول کرتی تھیں جب رات کا وقت ہوا تو شیخ نے دیکھا کہ طوفانی ہوائیں تیزی سے چلنے لگیں اور اس مندر سے ٹکرانے لگیں سمندر میں جوار بھاٹا بڑھتا چلا گیا بڑھتے بڑھتے اس مندر میں ایک عجیب خوفناک بلا ڈراونی شکل میں داخل ہونے لگی شیخ نے نماز کی نیت باندھ کر قرآن حکیم (سورہ یٰسین) کی تلاوت شروع فرمائی اس کی برکت کا یہ کرشمہ ظاہر ہوا کہ وہ بلا باہر ہی باہر مندر سے سر ٹکراتی رہی اور صبح ہونے سے پہلے غائب ہوگئی جب صبح دم شہر کے لوگ رسم قدیم کے مطابق لڑکی کی نعش کو لینے آئے تو وہاں شیخ کو مصروف نماز پایا وہ لوگ حیران و ششدر اور بھونچکے ہو کر رہ گئے دن ہوتے ہی پورے شہر میں شیخ کی کرامت کا غلغلہ برپا ہوگیا اور لوگ جوق در جوق مندر کے پاس جمع ہونے لگے جب راجہ کو اصل واقعہ معلوم ہوا تو خود تصدیق کرنے کے لیے اس مندر پر پہنچا مہاراجہ شنوراذہ اور اس کی تمام رعایا شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دست حق پرست پر مسلمان ہوگئے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ وہاں کی مسجد کے محراب پر کندہ ہے کہ سلطان احمد شنوراذہ شیخ ابوالبرکات مغربی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اس وقت سے لے کر آج تک اس جزیرہ میں مسلمان آباد ہیں۔ بحر ہند کا یہی وہ واحد

جزیرہ ہے جہاں آج بھی مسلمان اکثریت میں ہیں۔

۳۔ تیسرا مرکز مسلمانوں کا ہند کا جنوبی علاقہ ملبار ہے ملا پہاڑ اور بار ملک کو کہتے ہیں یہاں کی پرانی بندرگاہ کالی کٹ میں مسلمانوں کی سب سے قدیم مسجد ہے جو ایک ہزار سال پرانی ہے اور اس علاقہ میں اب بھی بہت سے ایسے علاقے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے یہیں موپلا قوم ہے جو اپنی عربی روایات کو آج بھی قائم رکھے ہوئے ہے اور اسلامی عربی تہذیب کے آثار کا یہ خطہ آج بھی حامل ہے۔

۴۔ مسلمانوں کا چوتھا مرکز معبر یا کارومنڈل ہے عرب لوگ اسے معبر المندل سے یاد کرتے ہیں ابن معید مغربی نے چھٹی صدی ہجری کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے کہ کولم کے پورب میں چار دن کے راستہ پر دکن کی طرف جھکا ہوا یہ خطہ ہے۔ جہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے۔

(تقویم البلدان ص۳۶۱)

۵۔ پانچواں مرکز گجرات ہے جس کے اندر کاٹھیاواڑ، کچھ اور کوکن بھی آتا ہے جہاں عربوں کا محبوب راجہ بلہرو (ولبھ رائے) کی حکومت تھی اس کی راجدھانی آج کل کے بھاؤنگر کے پاس ولبھی پور نامی نگر تھا۔ عرب اس کو مہانگر کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ شہر پانچ سات میل تک پھیلا ہوا تھا یہاں کے راجہ بودھ مت اور جین مت کے پیرو تھے ان کی باہمی جنگوں نے اس ریاست کا خاتمہ کیا سب سے پہلے عرب سیاح اور سلیمان تاجر نے اپنا سفرنامہ ۲۳۵ھ میں لکھا ہے کہ یہاں کا راجہ اور اس کی رعایا مسلمانوں سے محبت کرتی ہے ان کا عقیدہ ہے کہ ہمارے راجاؤں کی عمریں طویل ہوتی ہیں کہ وہ عربوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں۔ (سفرنامہ ص۲۶ تا ص۲۸)

ایسے ہی سیاح مذکور نے "فق" (دکن) کے راجاؤں کا حال لکھا ہے چوتھی صدی ہجری میں جب بزرگ ابن شہریار یہاں آئے تو انھوں نے ان اطراف میں مسلمانوں کی بڑی آبادی پائی وہ لکھتے ہیں کہ ہندو راجاؤں کے ماتحت مسلمانوں کے باہمی نزاعات کے لیے جو عدالتیں مقرر کی گئی تھیں ان کے قاضی کو ہنرمند کہتے تھے جس کو عربوں نے ہنرمن لکھا ہے۔

ایسے ہی گجرات کے اندر تیمور کے علاقے میں آخری تیسری صدی اور ابتدائی چوتھی صدی میں مسلمانوں کی آبادی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ راجہ کو ایک ہنرمند مقرر کرنا پڑا۔

(عجائب الہند ص۱۴۳)

ہند میں اسلام کے قدم دوسری صدی ہجری میں

عربوں کا ہندوستان سے ابتدائی تعلق جو صدیوں سے چلا آرہا تھا وہ سمندری راستے سے قائم ہوا تھا چونکہ فنیقی یا کلدانی قوم کے جانشین کی حیثیت سے عربوں کے بیڑے بحر ہند، بحر روم اور خلیج فارس ان کی تجارتی جولانیوں کا مرکز بنے رہے اس لئے عربوں نے قدیم زمانے سے جہازرانی میں خصوصی امتیاز حاصل کیا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد عہد رسالت اور خلافت میں حسب معمول مسلمانوں کے تجارتی قافلے آتے جاتے رہے اور عرب تاجروں نے دنیاوی تجارت کے ساتھ سعادت اخروی کی دعوت کو بھی قائم کیا اور دعوت اسلامی کے پھیلانے کی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی نبھایا۔ دوسری صدی ہجری میں، جب اموی خلافت کے دور میں مسلمانوں کا بحری بیڑا تیار ہوا تو مسلمان عرب ان سمندروں پر قابض اور متصرف ہوئے ان کے بحری بیڑے ان سمندروں میں اپنی جولانیاں دکھانے لگے اور جنوبی ہند کے راجاؤں نے ان کی خوب خوب عزت افزائی کی چنانچہ کول تری راجاؤں کی حکومت میں مسلمان امیر البحر اور وزارت کے عہدہ ہائے جلیلہ تک فائز ہوئے۔ اس دور کے باشندوں اور تاریخی آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب عربی النسل مسلمان تھے جنھوں نے ملک کے راعی و رعایا کے دلوں میں اپنی ایمانداری و وفا شعاری کی بنا پر ایسا گھر کیا کہ کلیدی عہدوں پر مسلمانوں کو مامور کرنے میں وہاں کے لوگوں کو کوئی تامل نہیں ہوا۔

(عہد وسطیٰ کے مسلمان ص۹۳)

چنانچہ اگر ایک طرف کدن کور (ڈراون کور) کو چین کے راجہ ساعری (زمورن) نے شروع ہی سے اپنے آپ کو اسلام کے آغوش میں ڈال دیا تو دوسری طرف ورماپٹن کے حکمراں نے اسلام کی حلقہ بگوشی بخوشی اختیار کی۔ اس راجہ نے اپنے رقبۂ سلطنت میں مسلمان تاجروں کی امانت و دیانت کے چشم دید واقعات کو دیکھ کر ان کو خصوصی رعایتوں کا مستحق قرار دیا۔ اور اپنی ریاست میں شاندار مساجد تعمیر کرائیں اور اس طرح خدائے وحدہٗ لاشریک کی مقناطیسی کشش آفریں صداؤں (اذانوں)

سے پہلے پہل جنوبی ہند کا خطہ گونج اٹھا اُس کے بعد جب آٹھویں صدی عیسوی یعنی (دوسری تیسری صدی ہجری) نے دنیا پر اپنا سایہ ڈالا تو اسلام کے یہ خاموش کارکن عرب تاجر بحرِ ہند کے ساحلی علاقوں کاروَمنڈل، کالی کٹ، بھڑوچ (گجرات) وغیرہ میں نو آبادیاں قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ایک طرف تو عرب تاجروں کی خاموش دعوت و تبلیغ کا سلسلہ ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر قائم ہو رہا تھا اُدھر دوسری طرف بنو امیّہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سادات بنو ہاشم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ اور ان کے مرکزی مقامات مکّہ اور مدینہ، بصرہ و کوفہ کی اقامت نے بغاوت کے شرارے اُن کو بھڑکتے ہوئے نظر آنے لگے جس کی وجہ سے اُن کے ملک بدر ہونے میں اموی احکام کو اپنی عافیت دکھائی دی چنانچہ مشہور انگریز مؤرخ رائس نے ولکس کے حوالے سے لکھا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں حجاج ابن یوسف ثقفی مشہور ظالم گورنر نے بنو ہاشم کے کچھ لوگوں کو جلاوطن کردیا ان میں کچھ تو مغربی ساحل کوکن میں آکر سکونت پذیر ہوگئے اور کچھ سردار راس کماری کی مشرقی سمت بڑھ گئے اول الذکر کی نسل نوائط اور آخر الذکر لبّی کہلاتے ہیں۔ اس صدی میں عربوں کے جہازوں نے بھڑوچ اور کاٹھیا واڑ کے ساحلی بندرگاہوں پر قبضہ جمانا شروع کیا اور تجارتی نو آبادی یوماً فیوماً بڑھتی گئیں۔

ان کی آباد کاری کا تحریری ثبوت اُسی دوسری صدی سے ملتا ہے۔ کولم کے قبرستان میں بہت سے مقبرے ہیں جن میں بعض قبروں پر کتبے بھی ہیں۔ ایک کتبہ پر علی ابن عبدالرحمٰن المتوفی ۱۶۶ھ مرقوم ہے جیسا کہ ابھی گزرا کہ ایک صدی پیشتر سے مسلمان ملبار کے ساحل پر آباد ہونے لگے تھے اور ان کا تاجر کی حیثیت سے خیر مقدم کیا جاتا اور ان کو پوری مذہبی آزادی دی جاتی۔ ظاہر ہے کہ ان حجازی امیدوں نے ہندوستان میں طرح اقامت ڈال دینے کے بعد بقول ڈاکٹر تاراچند مذہبی تبلیغ شروع کردی ہوگی چونکہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور ہر مسلمان مبلغ ہے۔ پھر اس ملک میں مسلمان عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے وہ ہندوستان آئے تو شامی عیسائیوں کی طرح نہیں جو جلاوطن ہو کر یہاں پناہ گزیں ہوئے تھے بلکہ وہ نئے مذہب کے پورے جوش و خروش کے ساتھ یہاں آئے تھے اور ان میں فاتحانہ وقار بھی تھا۔ نویں صدی عیسوی میں وہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر پھیل گئے اور انھوں نے اپنے عقاید و عبادات اور ان کے عملی نمونے پیش کرکے ہندوؤں کی آبادی میں ایک ہلچل پیدا کردی۔

(ہندوستانی کلچر پر اسلام کے اثرات)

بہر حال اس صدی میں اکابر اسلام کا ورود ہمارے ملک میں ہوا اور ان کے ورودِ مسعود سے یہ ملک منور ہوا اور ان کے پاکیزہ خون سے یہ سرزمین رنگین ہوئی جیسے اہل بیت نبوت کے گوہر یکتا حضرت عبداللہ ابن محمد علوی المتوفی ۱۰۹ھ حکم ابن عوانہ کلبی المتوفی ۲۲۳ھ حضرت عبدالرحمٰن ابن عباس ہاشمی، عبداللہ ابن نبہان وغیرہ ان مقدس نفوس کے پاک اجسام کی ہند کی سرزمین امانت گاہ ہی۔ (نزہتہ الخواطر ص ۲۱)

عہ مسلمان عرب تاجر جو بعد میں نوائط اور لبّی کے نام سے مشہور ہوگئے۔ یہ وہ عرب ہیں جنھوں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہندوستان کو اپنا وطن بنایا۔ یہ چھٹی صدی عیسوی سے سولھویں صدی تک بحرِ ہند اور بحیرۂ عرب اور مشرقِ بعید کے سمندروں پر جہازرانی کرتے ہوئے بلا شرکت غیرے ان پر قابض رہے انہی کے ہاتھوں میں ان سمندروں کی باگ ڈور رہی جیسا کہ الف لیلیٰ کے قصّوں سے سمندری عجائبات پر عجیب و غریب روشنی پڑتی ہے۔ پھر مشہور (اسد البحر) دریائی شیر ابن ماجد کی رہنمائی میں پرتگالی لوگ ہندوستان پہنچے ان پرتگیزوں نے اپنے سامراجی مزاج کے مطابق اپنے ان سمندری استادوں کی گردن مروڑ کر عربوں کو ان سمندروں سے بے دخل کردیا

سلسلہ حدیث ہند میں دوسری صدی سے

جب یہ حقیقت تاریخی اعتبار سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ عہد فاروقی سے اسلامی مجاہدین کے قافلے اس سرزمین میں خلافت کی اجازت سے یا رضاکارانہ طور پر اپنی خوشی سے پیغام دعوت کو لے کر اترتے رہے تو انھیں یقیناً ایسی بابرکت شخصیتیں ضرور شامل رہی ہوں گی جو پیغمبر اسلام کے شرف صحبت سے مشرف تھیں خصوصاً جب اس امر کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ صوبہ سندھ محمد بن قاسم کے عہد ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء سے قلمروئے اسلام میں داخل ہو گیا اور یہ سلسلہ ۹۳ھ تا ۳۵۰ھ تک برابر قائم رہا اور پھر گو تیسری صدی کے وسط سے عربوں کی یہ بالادستی ختم ہو گئی لیکن صوبۂ سندھ کی دو ریاستیں منصورہ (بھکر) اور محفوظہ (ٹھٹھہ) ۴۱۶ھ تک [illegible] اسلامی ریاستوں کی حیثیت سے قائم رہیں تو عرب سے ہند کے آنے جانے والوں کی کتنی تعداد ادھر [illegible] منتقل ہوتی رہی ہوگی اس کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے چنانچہ جب ہم دوسری صدی ہجری کے [illegible] روایت کے اسمائے گرامی پر نظر ڈالتے ہیں تو اہل ہند کی متعدد بابرکات شخصیات رجال حدیث کے تذکرے کے صفحات پر نمایاں نظر آتے ہیں یہ وہ مقدس ہندوستانی علما ہیں جو صحابۂ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنی آنکھوں کو پیغمبر اسلام کے مبارک ساتھیوں کے دیدار سے روشن کیا۔

اور ہندوستان کی نسبت سے روایت حدیث میں بحیثیت تابعی کے اہم مقام حاصل کیا ان میں امام مکحول ہندی، حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو زید بیلمانی، ابو معشر نجیح سندھی، عبدالرحمٰن سندھی، حارث بیلمانی، موسیٰ سیلانی کے نام نمایاں ہیں جنھوں نے صحابہ کی مقدس جماعت سے حدیث سنی اور یہ ہندوستانی علمائے حدیث شرف تابعیت سے مشرف ہوئے۔

(۱) امام مکحول ہندی نے حضرت انس ابن مالک خادم رسول اللہ ﷺ ابو امامہ باہلی، واثلہ ابن الاسقع سے روایت کی ہے۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن ابو زید بیلمانی یہ گجرات یا سوراشٹر کے موضع بیلمان کے باشندے تھے اور اسی نسبت سے مشہور ہوئے انھوں نے حضرت عثمان غنیؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، عمرو ابن عتبہؓ، عمرو ابن اوسؓ، نافع ابن جبیر ابن مطعمؓ معاویہ ابن ابی سفیانؓ عبدالرحمٰن ابن الاعزؓ سے روایت فرمائی ہے حضرت عمرو ابن عنبسہ کے قبول اسلام کی روایت نسائی میں اور طواف وداع سے متعلق حدیث ترمذی میں انہی عبدالرحمٰن کی ہے۔

(۳) حضرت ابو معشر نجیح صاحب المغازی حضرت ابو امامہ سہل ابن حنیف کی زیارت سے مشرف ہیں اور حافظ حدیث۔

علم حدیث کے اوّلین مصنّف ہند میں

دین اسلام کا جو سنہرا رشتہ عہد رسالت سے قائم ہوا اور دور خلافت میں استوار ہوا وہ نوجوان فاتح محمد ابن قاسم کے ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء کے بعد مزید مستحکم ہوتا گیا۔ چنانچہ ہمارا ملک اس اسلامی رشتہ سے بعض ایسی امتیازی خصوصیات سے سرفراز ہوا جس نے ہمارے ملک کو اسلامی ممالک کے دوش بدوش کھڑا کر دیا۔

وہ تاریخ اسلامی کی ایک ایسی عظیم شخصیت کی کشور ہند میں تشریف آوری اور اس سرزمین میں قیامت تک کے لیے اقامت گزینی ہے یہ وہ بزرگ ہستی ہے جس کو تدوین حدیث کے سلسلہ میں اوّلیت کا شرف حاصل ہے وہ ہیں امام ابو حفص ربیع ابن صبیح سعدی بصری جو تبع تابعین اور اعیان محدثین سے ہیں۔

امام ابو حفص ربیع کی ولادت بمقام البصرہ ہوئی جو علم و عرفان دونوں کا مرکز تھا جہاں سید التابعین حضرت امام حسن بصری علم ظاہر (قرآن و سنت) اور علم باطن (احسان و معرفت) کا [illegible] کیے ہوئے تھے۔

امام حسن بصری جہاں علم حدیث کے اندر رئیس المحدثین ہیں وہاں احسان و عرفان کے سلسلہ کے شیخ الشیوخ بھی ہیں۔ امام ابو حفص جو بنو سعد کے آزاد کردہ غلام تھے انھوں نے حضرت حسن بصری کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا اور دونوں میدانوں کے شہسوار ثابت ہوئے۔

امام ابو حفص نے صحاح کے راویوں حضرت حمید طویل، ثابت بنانی، مجاہد ابن جبیر، ابو الزبیر، اور ابو غالب، صاحب ابی امامہ سے علم حدیث کو سنداً حاصل کیا اور پھر امام کوفہ حضرت سفیان ثوری دوسرے امام وکیع، ابن مہدی، ابو داؤد، آدم ابن ابی ایاس ابو الولید، طیالسی جیسے ائمہ حدیث کے استاد ہوئے ان میں سے ہر ایک علم حدیث کے آسمان کا روشن ستارہ ہے وہ دن کی روشنی میں علم حدیث کی خدمت، درس و تدریس میں سرگرم رہتے تھے تو رات کی اندھیریوں میں اپنے معبود حقیقی کی بارگاہ میں سربسجود رہتے تھے صوفیہ صافیہ کی طرح زہد و قناعت، عبادت و ریاضت اُن کا خصوصی شیوہ تھا چنانچہ امام ابن حبان نے

فرمایا کہ امام ابو حفص بصرہ کے عابد و زاہد لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے ان کا گھر رات میں قرآن خوانی و تہجد گزاری کی وجہ سے شہد کی مکھیوں کے چھتّے کی طرح گونجتا رہتا تھا مگر یہ کہ حدیث ان کا فن نہ تھا اس لیے نادانستہ حدیث میں مناکیر و منکر باتیں پیش آجایا کرتی تھیں اس لیے کچھ ائمہ جرح میں ان کی تضعیف کی اور امام ابن عدی اور عجلی نے ان کی توثیق کی ہے بہرحال وہ صالح و صدوق تھے۔

(تہذیب التہذیب)

ان علمی اور عملی کمالات کے ساتھ ان کا وہ خصوصی کمال جو ان کو صوفیائے [illegible] میں امتیاز بخشتا ہے وہ ان کا جذبۂ جہاد ہے۔ اس جذبۂ صادقہ نے ان کو بصرہ سے نکال کر ارضِ ہند میں پہنچا دیا۔ اس زمانے میں تیغ و قلم کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ آج کی طرح پچھلے زمانے میں بھی بصرہ ہند و عرب کا قریبی بندر گاہ تھا۔ امام ابو حفص ربیع مجاہدین کے زمرہ میں شامل ہوئے

اس جہاد میں شرکت کی سعادت اور ذوقِ شہادت کی تکمیل کی صورت اسطرح پیدا ہوئی کہ خلیفہ مہدی عباسی نے سرزمینِ ہند کو اپنے دائرۂ اقتدار و سعت اور خلافتِ عباسیہ کی سرکوبی کیلئے ایک لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا اور عبدالملک بن شہاب سمعی کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا اس لشکر میں باقاعدہ سرکاری افواج بھی کافی تعداد میں تھی اور ہر طرح اسلحہ اور ہتھیار اور ساز و سامان کا ذخیرہ بھی وافر مقدار میں تھا جب اس لشکر کی روانگی کا اعلان سنہ ۱۵۹ھ ہوا تو بیشمار افراد رضا کارانہ طور پر حصہ لینے کے لئے شریکِ عسکر ہو گئے انھیں رضا کاروں میں (خدا کے واسطے جہاد میں حصہ لینے والوں میں) حضرت ابو بکر ربیع بن صبیح سعدی البصری تھے چنانچہ بصرے سے یہ لشکر چل کر سب سے پہلے باربد سنہ ۱۶۰ھ میں پہونچا اور سندھ کے علاقہ میں زبردست فتوحات حاصل کیں۔ پھر گجرات پہونچنے کا قصد کیا گیا تو سمندر میں جوار بھاٹا تھا اس وقت سمندر کا پانی چڑھاؤ پر تھا اسلئے سپہ سالارِ اسلام عبدالملک مذکور اس کے اترنے کے انتظار میں ٹھہر گئے یکایک اس خطہ کی آب و ہوا بگڑ گئی اور اس علاقہ میں وبا پھوٹ پڑی اس لشکرِ اسلام کے ایک ہزار مجاہدین وبائی حملہ کے شکار ہوئے۔ حضرت ربیع بن صبیح بصری کو بھی شرفِ شہادت حاصل ہوا اور اس سرزمین میں اس گوہرِ گرانمایہ کو سپردِ خاک کیا گیا چنانچہ ان کی قبر اس دیار میں معروف و مشہور ہے۔ عوام کا خیال ہے کہ قبر مبارک دریا کے کنارے ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ قبر شریف دریا کے بیچ میں آگئی ہے [illegible]

البتہ مورخ طبری اور صاحب مغنی نے لکھا ہے کہ سرزمین سندھ میں سنہ ۱۶۰ھ میں انھوں نے انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے (ابجد العلوم ص ۲۱۳ ج ۱)

لیکن حضرت موصوف کی سب سے اہم خصوصیت جس نے ان کو اپنے معصروں میں خصوصی امتیاز بخشا وہ ہے جس کو حافظ الدنیا علامہ ابن حجر نے تحریر کیا ہے کہ سب سے پہلے ربیع ابن صبیح نے احادیث کو مدوّن کیا اور وہ سعید ابن ابی عروبہ ہر باب کی حدیثوں کو علاحدہ علاحدہ مدوّن کرتے تھے (مقدمہ فتح الباری

علامہ سامہروی نے ان کو بصرہ کا پہلا مصنّف قرار دیا ہے گویا وہ پہلے مصنّف ہیں جن کو علم حدیث میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کرنے کی خصوصیت حاصل ہے۔ علامہ چلپی صاحب کشف الظنون نے اس کی تصریح کی ہے کہ تاریخ اسلام میں حدیث پاک کے باب وار اور احکام وار جمع کرنے کے اعتبار سے حضرت ربیع سب سے پہلے مصنّف ہیں اس لیے ہندوستان جنت نشان کو تدوین حدیث میں اوّلیت کا خصوصی شرف اس لیے حاصل ہو گیا کہ حدیث کے سب سے پہلے مصنّف امام ابو حفص ربیع اسی سرزمین میں سو رہے ہیں۔ [illegible] شرفاً

امام ابو معشر سندھی

عہدِ رسالت و خلافت سے اسلام کے ان پاکیزہ تعلقات نے ہندوستان کے باشندوں کے دلوں میں تعلیمات اسلامی کے لیے کس قدر ذوق و شوق اور دلچسپی پیدا کی اس کے لیے دوسری صدی کے مشہور مصنّف اور محدث امام ابو معشر نجیح ابن عبدالرحمن سندھی کا وجود مبارک ہے۔

ابو معشر مشہور عالم و فقیہہ اُمّ سلمہ اور امّ موسیٰ ابن فہد کے آزاد کردہ غلام تھے وہ ہندوستان سے بحیثیت غلام کے عرب پہنچے لیکن حدیث و مغازی کے علمی کمالات نے ان کے سر پر سیادت کا تاج رکھ دیا وہ مشہور تابعی امام نافع دوسرے ہشام ابن عروہ اور محمد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں اُن سے عراقیوں نے حدیث کی روایت کی ہے آخر عمر میں ضعف پیری کی وجہ سے سہو و اختلاط ہوگیا تھا اس کمزوری کے باوجود وہ علم کے ظرف تھے چنانچہ امام اہل سنت حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے شہادت دی کہ وہ مغازی کے واقف کار تھے لیکن اسناد ٹھیک طرح ضبط نہ کر سکے۔

مشہور حافظ امام ابو زرعہ نے ان کو صدوق کہا ہے اور امام نسائی نے باوجود اپنے تشدد کے ان کی روایت کو قبول کیا البتہ صحیحین میں ان کی کوئی روایت نہیں ہے۔ امام ابو معشر نے رمضان ۱۷۰ھ میں بغداد میں وفات پائی جبکہ خلیفہ ہارون رشید مسند خلافت پر جلوہ افروز تھا اور امام ابو معشر کی جلالت قدر کا لحاظ رکھتے ہوئے خود خلیفہ نے نماز جنازہ پڑھائی ان کی کتاب مغازی سے بعد کے آنے والے مصنفین نے بھرپور استفادہ کیا اور اس کتاب سے اُن کی شہرت کے پر و بال نکلے (طبقات الحفاظ بحوالہ نزہت ص۲۴ ج ۱)

ابو العطا سندھی

امام ابو معشر نے فن مغازی میں شہرت حاصل کر کے اپنی مہارت کا نقش لوگوں کے دلوں میں بٹھایا لیکن شعر و ادب کے میدان میں جس کے اندر اہل عرب عجم کے کسی آدمی کو میں خاطر میں نہ لاتے تھے ابو عطا سندھی نے اس میدان میں اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ ابو عطا کا نام افلاح ابن یسار یا مرزوق تھا یہ قبیلہ بنو اسد کے شعرا اور عمرو ابن سماک اسدی کے آزاد کردہ غلام تھے تو ان کی زبان میں لکنت یا عجمیت تھی لیکن وہ بدیہہ گوئی میں یکتا اور شعرائے مخضرمین میں فرد تھے وہ بنو امیہ

اور بنو ہاشم دونوں کے مداح رہے حماسہ میں ان کا یہ شعر کبھی نہیں بھول سکتا۔

ذکرتک والخطی یخطر بیننا
وقد نہلت منا المثقفۃ السمر

اموی و عباسی معرکوں میں انھوں نے بنو امیہ کا ساتھ دیا اور ۱۸۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (نزہت ص۲۳ جلد ۱)

اس تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اسلامی ہند کے کتنے باشندوں نے حجاز و نجد اور شام و عراق میں پہنچکر علوم اسلامی میں کیسا کیسا کمالات حاصل کیے۔

یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے "رجال الہند والسند" کے مصنف نے اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔

لیکن یہ امر ضرور قابل اظہار ہے کہ جب ہند اور عرب میں مسلمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہا تو کیا اس ملک کے منجمد ماحول میں کوئی ہلچل نہیں پیدا ہوئی ہوگی۔ یقیناً یہاں کے مذہبی خیالات کے سمندر میں اسلامی پیغام نے زبردست تموج پیدا کیا۔ ساحلی علاقوں میں اس کا جوش و خروش ظاہر ہوا لیکن اندرون ملک اس کی لہریں ٹکرا کر واپس ہوگئیں۔ جس طرح کسی گہرے سمندر میں کنکریاں پھینکنے سے لہروں کے دائرے پیدا ہوتے لیکن آگے جا کر وہ غائب ہو جاتے ہیں یہی حال ابتداً اس بحر ذخار ملک کے اندرونی علاقوں کا ہوا مگر اس کے ہلکے پھلکے اثرات ہر جگہ محسوس ہونے لگے۔ جب مدراس اور کوکن اور گجرات میں اسلامی نو آبادیاں قائم ہوگئیں تو اندرون ملک میں بھی آہستہ آہستہ اس کا سلسلہ پھیلا۔

قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ ہندوستان میں

اس خصوصی فضیلت سے بڑھ کر ہمارے ملک میں حدیث کے سب سے پہلے مصنف آئے اور یہیں کے ہو رہے ایک اہم خصوصیت اور فضیلت جو ہمارے ملک کو حاصل ہوئی وہ قرآن حکیم کا سب سے پہلے عربی بہ ترجمہ غیر عربی یعنی سندھی زبان میں ہوا۔ مشہور سیاح اور جہاز راں بزرگ ابن شہر یار رامہرزی نے اپنی کتاب عجائب الہند میں عبداللہ ابن عمر ہباری کے زمانہ کا واقعہ لکھا ہے کہ مجھ سے ابو محمد حسن ابن عمرو

بحتری نے بصرہ میں بیان کیا کہ جب میں جب میں ۲۸۸ھ میں منصورہ (سندھ) میں تھا تو وہاں کے بعض معتبر بزرگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ کشمیر کے اطراف میں الورکا راجا مہروگ جو راگھوجی کا لڑکا تھا ہندوستان کے نامی گرامی راجاؤں میں اس کا شمار تھا اس راجہ کی حکومت کشمیر کے بالائی اور زیریں علاقہ پنجاب کے بیچ میں تھی راجہ مذکور نے ۲۷۰ھ میں حاکم منصورہ عبداللہ بن عمر ابن عزیز کو لکھا کہ اس کے یہاں ایک ایسے عالم کو روانہ کیا جائے جو راجہ کے لیے شریعت اسلامی اور اس کے مفصل احکام کو ہندی زبان میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کرسکے چنانچہ عبداللہ ابن عمر حاکم مذکور نے اس مقصد کے لیے ایک عراقی عالم کو منتخب کیا جن کی نشوونما ہندوستان میں ہوئی تھی اور وہ منصورہ میں سکونت گزیں اور ہندوستان کی مختلف علاقائی زبانوں اور بولیوں سے واقف تھے یہ عالم مہاراجہ کے پاس الور تین سال تک مستقل مقیم رہے اور انھوں نے راجا کے لیے کلام مجید کا ترجمہ سندھی زبان میں کیا مہاراجا قرآن ترجمے کو خود سنتا اور اس کے معانی و معارف سے اثر پذیر ہوتا۔

جب یہ عراقی عالم الور سے منصورہ واپس ہوئے تو انھوں نے حاکم منصورہ کو جو رپورٹ دی اس کے اندر یہ بھی تھا کہ مہاراجا نے مجھ سے قرآن کی تفسیر ہندی زبان میں بیان کرنے کی فرمائش کی جب میں قرآنی تفسیر بیان کرتا ہوا یٰسین شریف کی اس آیت پر پہنچا قال من یحی العظام وھی رمیم ۔ قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم ۔ آخرت کے منکر نے کہا کہ کون ہے جو پرانی ہڈیوں کو زندہ کرے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے کہ ان کو وہی خدا زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر مخلوق کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔

عالم مذکور نے عبداللہ ابن عمر حاکم منصورہ کو بتایا کہ جب میں نے آیت کریمہ کی تفسیر راجہ کے سامنے بیان کی تو راجا تخت سے اتر کر زمین پر آگیا اور زمین پر اپنے رخسار رکھ کر اس قدر رویا کہ اس کا چہرہ مٹی سے آلودہ ہوگیا اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر بولا کہ بیشک وہی رب معبود اور قدیم ہے اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی مثل ہے۔ مہاراجا نے اپنے لیے ایک مخصوص کمرہ عبادت کے لیے بنوایا جس کے اندر داخل ہو کر وہ یکہ و تنہا عبادت کیا کرتا تھا (ہندوستان میں عربوں کی حکومت ص ۹۱ تا ۹۲)

عہ علم حدیث کی تحریر و کتابت کے سلسلہ میں مستشرقین اور ان کے اندھے مقلدین نے اس علم شریف کو مشکوک بنانے اور عامۃ المسلمین کی نظروں سے اس کی عظمت و جلالت کو گرانے کے لیے تحقیق کے نام پر یہ شوشہ چھوڑا کہ حدیث کی کتابت کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا ہے ایک ڈیڑھ صدی تک اس کا دار و مدار محض حافظہ اور یادداشت پر رہا اس لیے معاذ اللہ حدیث قابل اعتبار نہیں حالانکہ کتابت کا حکم خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص صحابہ کو عطا فرمایا تھا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے احکام و فرامین منضبط کرا کے صحابہ کو دیے۔ صحیفۂ علی، صحیفۂ صادقہ عبداللہ ابن عمرو ابن العاص اور حضرت انس ابن مالک خادم رسول کا مجموعۂ احادیث صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ قدرت خداوندی کا کرشمہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآبادی نے مشہور صحیفہ ہمام ابن منبہ کا نسخہ پیرس کے کتب خانے سے فراہم کر کے اور اس کو طبع کرا کے ان مخالفین کا منہ بند کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ تحریر حدیث کا سلسلہ عہد رسالت ہی سے قائم ہوا اور خلافت راشدہ اور دور اموی میں برابر جاری رہا لیکن تدوین حدیث کا مرتب اور مبوب سلسلہ کب عالم وجود میں آیا اور کس نے حدیث شریف کو سب سے پہلے احکام وار اور باب وار ترتیب دیا۔ امام ابن حجر نے حضرت ابو حفص ربیع ابن صبیح کو پہلا مصنف قرار دیا ہے اور بعض نے امام ابن شہاب زہری کو اور بعض نے عبدالملک ابن جریج کو کہا ہے پھر دوسری صدی کے نصف میں ارباب حدیث کا تیسرا طبقہ پیدا ہوگیا اور اس نے احکام کو مدون کیا۔ امام مالک نے مؤطا کو مدینہ میں ابن جریج نے مکہ میں امام اوزاعی نے شام میں اور امام سفیان ثوری نے کوفہ میں اور حماد ابن سلمہ نے بصرہ میں حضرت ہشیم نے واسط میں اور معمر نے یمن میں اور عبداللہ ابن مبارک نے خراسان میں اپنے اپنے مجموعے ترتیب دیے یہ سب ہم عصر تھے۔ اس کے بعد تصنیف و تالیف کے سمندر میں سیلاب آگیا اور پورے عالم اسلام میں احادیث شریفہ کے جمع کرنے کی نئی لہر پھیل گئی اور علم حدیث کی شاخ در شاخ ایسے فنون ایجاد ہوئے جن کا پچھلی امتوں میں کبھی وجود نہ ہوا تھا۔

دین حقانی و دعوت ربانی کے سرچشمے ہی دونوں قرآن و سنت ہیں، قرآن و سنت کے محور پر تمام اسلامی تعلیمات اور خداوندی احکام و ہدایات کا دائرہ گردش کرتا ہے اس لیے اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اس دور دراز ملک کا ان خصوصیات یا اوّلیات سے بہرہ ور ہونا اس کے روشن مستقبل کی تمہید بن گئی اور آگے چل کر اقلیم ہند علمائے صالحین اور ارباب عرفان و یقین کا مرکز بن گیا اور بیشمار افراد قرآن و حدیث کی تحصیل و تکمیل کے لیے ہندوستان سے رخت سفر باندھ کر دیار عرب کا قصد کرتے اور وہیں طرح اقامت ڈالتے رہے اس لیے تاریخ اسلامی میں ان کی شخصیتیں ہند و سندھ کی نسبتوں کے بجائے اُن دیار کی مقامی نسبتوں کے ساتھ معروف ہو کر رہ گئی اور نجد و حجاز اور یمن وغیرہ کے علماء و فضلا کے درمیان ان ہندوستانی عالموں نے علمی کمالات کا پرچم لہرایا۔

عارف باللہ ابو علی سندھی

اسی تیسری چوتھی صدی ہجری کی مشہور شخصیتوں میں ابو علی سندھی کے وجود باجود ہے جو سرزمین سندھ کی خاک پاک سے اٹھے اور علم و عرفان، تصوف و احسان کے اُس بلند مقام پر فائز ہوئے کہ سرخیل صوفیہ حضرت بایزید بسطامی المتوفی ۲۶۱ھ جیسی معروف و مشہور بزرگ ہستی نے اُن سے علم توحید و حقائق کی تعلیم حاصل کی اور ان کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے حضرت بایزید بسطامی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو علی کو اُن علوم کی تلقین کرتا تھا جس سے وہ فرائض کو قائم کر سکیں اور وہ مجھ کو توحید و حقائق کی تعلیم دیتے تھے۔

شیخ روزبہان کبیر مصری نے شرح شطحیات میں خود حضرت بایزید بسطامی (طیفور ابن عیسیٰ) کا قول نقل کیا ہے کہ ابو علی اُن کے استاد مربی ہیں ابو نصر عبداللہ ابن علی ابن سراج طوسی نے بھی کتاب اللمع میں حضرت ابو علی سندھی کا ذکر خیر فرمایا ہے۔

(نزہتہ الخواطر صہ ۵۵ جلد ۱)

بہرحال وہ عارف باللہ اور مرد کامل اسی سرزمین میں پیدا ہوا اور ہزارہا مخلوق کو ساغر معرفت و محبت سے سیراب فرمایا اور ان سے قطب وقت بایزید بسطامی نے فیض حاصل کیا اور ۲۸۰ھ میں اسی خاک ہند کو ہمیشہ کے لیے پسند فرمایا اور یہیں محو خواب ہیں سرزمین سندھ کی دو اسلامی حکومتیں منصورہ اور محفوظہ تو دار الخلافہ بغداد سے براہ راست وابستہ رہیں لیکن اندرون ملک مسلمان تاجروں نے اسلامی نوآبادیوں کا سلسلہ قائم کیا اور ان کی دعوت و تبلیغ کی خاموش مساعی روزافزوں ترقی پذیر ہوتی رہیں اور ہر علاقے کے راجاؤں اور مقامی باشندوں کی روایتی رواداری کی وجہ سے اسلام کا نورانی حلقہ وسیع ہوتا رہا۔

علما و صوفیا کا ہراوّل دستہ

اقلیم ہند میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ صدر اسلام کی طرح ابتدائی دو تین صدیوں تک نہایت آہستہ رفتاری کے ساتھ خفیۃً انجام پاتا رہا جیسے مکہ معظمہ میں تین سال تک شروع شروع میں تبلیغی کام مخفی طور پر ہوتا رہا مگر جب آیت کریمہ فاصدع بما تؤمر: نازل ہوئی تو صفا کی پہاڑی سے پیغمبر اسلام نے خداوندی دعوت کو واشگاف کیا اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ برّاعظم ایشیا کے اس برصغیر (ہند) میں بھی داعیان اسلام نے شاید اسی حکمت دینی کو اختیار کیا ہو اور آغاز کار ہی سے اسلام کی دعوت کو علانیہ پیش کرنا مناسب خیال نہ کیا ہو کیونکہ قبول دعوت کے لیے دفعتہً سازگار اور زمین ہموار نہیں ہوئی تھی جب عرب تاجروں اور عام مسلمانوں کی اسلامی زندگی کے عملی باشندگان ملک کے سامنے آئے اور ان کی امانت و دیانت مخلوق خدا کی ہمدردی و شفقت کے عملی مظاہر کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان کے دل کے پٹ کھلنے لگے ذہن و دماغ کے دریچے وا ہوئے اور اجنبیت و غیریت کے پردے اٹھنے لگے۔ اب وقت آگیا کہ خداوندی پیغام کو لوگوں کے سامنے کھول کر پیش کر دیا جائے۔

شیخ اسماعیل لاہوری

وہ بابرکت ہستی جس کے وجود باجود سے تبلیغ اسلام کا دروازہ کھلا وہ حضرت شیخ اسماعیل لاہوری کی ہے۔

حضرت شیخ کی ذات گرامی ایک جامع الکمالات ذات تھی وہ بیک وقت اعلا درجہ کے مفسر قرآن بلند پایۂ محدث اور زبردست فقیہہ و عالم دین تھے۔

قرآن حکیم ایک متن متین ہے اور احادیث رسول کریم اس کی شرح مبین اور قرآن و سنت کا حاصل یا ان دونوں کا نچوڑ اسلامی فقہ ہے۔ خداوند قدوس نے حضرت موصوف کو ان جملہ علوم دینی کے اندر جامعیت بخشی تھی مزید برآں وہ احسان و تصوف کے لحاظ سے ایک شیخ طریقت بھی تھے شیخ اسماعیل ۳۹۵ھ میں لاہور میں قدم رنجہ فرمایا وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے لاہور میں قرآن کریم کے درس کا افتتاح فرمایا ان کی تقریر دلپذیر ایسی پُر تاثیر تھی کہ صرف تین جمعوں میں لاہور کے اٹھارہ سو انسان ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت موصوف نے جہاں عوام کے لیے درس قرآن کا سلسلہ قائم فرمایا وہیں طالبان علم کے لیے حدیث کی تعلیم شروع کی اور مسلم معاشرہ میں پیدا ہونے والے مسائل و قضایا کو فقہ اسلامی کی روشنی میں حل کرنے کا آغاز کیا شیخ اسماعیل کا شمار لاہور کے قدیم مشائخ و محدثین میں ہے حضرت شیخ نے ۴۴۸ھ میں وفات پائی لاہور میں مزار پُر انوار ہے۔

(حدائق الحنفیہ صفحہ ۲۲۳ و رجال الہند والسندھ صفحہ [illegible])

حضرت ابوالحسن علی داتا گنج بخش ہجویری

دوسری وہ عظیم الشان ہستی جس نے اپنی روحانی فیض بخشی و مسیحا نفسی سے اس ملک کے ہزارہا مردہ دلوں کو زندہ کر دیا اور بے شمار مخلوق خدا کو اپنے روحانی کمالات سے مستفیض فرمایا وہ ہیں حضرت ابوالحسن علی ابن عثمان غزنوی ثم لاہوری حضرت موصوف حسنی سید ہیں ۴۰۰ھ ہجویر (غزنی) میں پیدا ہوئے شیخ ابو العباس احمد ابن محمد اشقانی سے ابتدائی علوم کی تحصیل کر کے شیخ ابو الفضل محمد ابن حسن ختلی سے عرصۂ دراز تک استفادہ کیا پھر تعلیم باطنی کے لیے تمام اسلامی ممالک شام و عراق، بغداد، فارس، طبرستان، خراسان اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا۔ ان کی خوش قسمتی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اپنے وقت کے ائمۂ تصوف اور عالی قدر شیوخ طریقت امام ابو القاسم قشیری، ابو القاسم گرگانی حضرت ابو سعید ابو الخیر اور ابو علی فارمدی کی بابرکت صحبتوں سے مستفید ہونے کا موقع ملا صرف خراسان میں تین سو مشائخ سے شرف ملاقات حاصل ہوا اس عظیم روحانی سیر و سیاحت کے بعد اپنے

حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق ٹھیک اس شب کو لاہور میں ورود فرما ہوئے جب کہ ان کے پیر بھائی خواجہ حسین زنجانی کا جنازہ اٹھایا جا رہا تھا اور پھر یہیں اقامت کا ڈیرا ڈال دیا اور اپنے فیض روحانی سے اس ملک کی کایا پلٹ دی چنانچہ حضرت خواجہ خواجگان شیخ معین الدین اجمیری نے سب سے پہلے ان کے ہی مزار پر آکر چلہ کیا تھا اور رخصت ہوتے وقت یہ شعر پڑھا تھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را راہنما

حضرت موصوف نے ۴۶۵ھ میں انتقال فرمایا (انوار العارفین صفحہ ۳۰۰)

سید سالار مسعود غازی

ان بزرگان دین کی آمد کا سلسلہ ہندوستان کے شمالی یا ساحلی علاقوں تک محدود نہیں تھا بلکہ اندرون ملک کو بھی انھوں نے اپنے فیوض و برکات سے مشرف کیا اور یہاں کے عام باشندوں کے دلوں میں ایسے نقوش ثبت کیے کہ صدیوں گزر جانے کے بعد بھی آج تک وہ مدھم نہیں پڑے ان میں سے سید سالار مسعود غازی ہیں جو غزنی کے کوہستانوں کو عبور کر کے سرحد و پنجاب کی حدود طے کرتے ہوئے مشرقی یوپی کے آخری کنارہ بہرائچ میں رونق افروز ہوئے اور خلعت شہادت پہن کر آج بھی ہزارہا عقیدت مندوں کا مرجع بنے ہوئے ہیں سید سالار مسعود غازی علوی سید تھے بقول محمد قاسم فرشتہ وہ سلطان محمود کے خاندان کے ایک فرد تھے اور اس کے صاحبزادوں کے ساتھ جہاد

حاشیہ حضرت ابوالحسن علی داتا گنج بخش شیخ طریقت ہونے کے ساتھ رئیس القلم بھی ہیں فن تصوف میں ان کی معرکۃ الآرا کتابیں بہت مقبول و مشہور ہوئیں (۱) منہاج العابدین (ائمہ کرام و صحابہ عظام) (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) کتاب البیان لاہل العیان (۴) بحر القلوب (۵) الرعایت لحقوق اللہ (۶) اسرار الطرق ان کی سب سے زیادہ جس کتاب کو خداداد مقبولیت حاصل ہوئی وہ کشف المحجوب ہے جو اپنی نوعیت میں بے مثال و بے نظیر ہے بقول محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کے لیے کشف المحجوب کافی ہے۔ مولانا جامی نے نفحات الانس میں ان کا ذکر خیر فرمایا اور ان کے علم و عرفان کی مدح سرائی کی ہے۔ ۱۰

کرتے ہوئے انھوں نے ۴۲۴ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ محمد شاہ بادشاہ نے ان کا بلند مقبرہ تعمیر کرایا لیکن تنقیح الاخبار (مصنفہ کندن لال منولال اودھی) میں تحریر ہے کہ سید سالار مسعود راجہ بالادت کے ہاتھوں ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۲ء بکری میں شہید ہوئے اور معیار الانساب میں کرامت حسین نصیر آبادی نے بحوالہ زکریا حسینی جائسی نے لکھا ہے کہ سید سالار مسعود غازی خسرو ملک کے ہم رکاب آئے اور جائس فتح کرکے یہاں مقیم ہوئے اس سے تاریخ فرشتہ کی تائید ہوتی ہے۔ مشہور عالم سیاح ابن بطوطہ مغربی نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ وہ محمد شاہ تغلق کے ہمراہ سالار مسعود غازی کی زیارت کے لیے روانہ ہوا انھوں نے ان بلاد وعلاقوں کو فتح کیا ہے ان کے غزوات کی عجیب و غریب باتیں یہاں کے عوام میں پھیلی ہوئی ہیں جب ہم وہاں پہنچے تو لوگوں کا زبردست ہجوم (عظیم میلہ) ہو رہا تھا) ہم نے ان کی زیارت کی لیکن ہجوم کی وجہ سے مقبرہ کے اندر داخل نہ ہو سکے اور ان کے معتقدین دور دراز مقامات سے ان کے مقبرہ پر آتے اور ان کی شادی ہر سال رچاتے اور ان کے نام کے جھنڈے ہر جگہ نصب کرتے ہیں (عجائب الاسفار)

سرتاج ابدالاں شاہ عبداللہ چنگال

ان ہی بزرگوں میں سرتاج ابدالاں حضرت شاہ عبداللہ چنگال کا وجود گرامی ہے جو خراسان اور سیستان سے چل کر اور ہندوستان کے وسیع و عریض میدانوں کو قطع کرکے اندرون ملک صوبۂ مالوہ کے مشہور شہر دھار میں ۴۳۲ھ میں جلوہ افروز ہوئے اور یہیں آرام فرما ہیں (ہندوستان پر اسلامی حکومتیں صـ۵۰۸ تا صـ۵۰۹)

بہرحال ان بزرگان دین کے آمد کے سلسلہ سے ہمارا صوبہ مالوہ بھی ان کے اثرات سے بیگانہ نہ رہ سکا جس کے لیے ہمیں ان تمہیدی مباحث کو چھیڑنا پڑا ہے۔

سرزمین مالوہ میں اسلام کی آمد

اسلام کے ان مخلص فرزندوں، اور خدا کی مخلوق کے سچے خدمتگاروں کا ایک وسیع و عریض سلسلہ ہے جو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمۃ اللعالمین کا مظہر بن کر انسانوں میں محبت و رحمت کا پیغام عام کرنے کے لیے اس ملک کے ایک ایک گوشے میں پھیل گئے اور

نہایت خاموشی و دلسوزی کے ساتھ خداوند قدوس کی سچی معرفت و محبت کی روشنی سے دلوں کو جگمگاتے رہے ان کی بے نفسی و بے لوثی اور بے غرضی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے خود کو گوشۂ گمنامی میں رکھنا اختیار کیا اور اپنی بے غرضانہ خدمت کو شہرت و ناموری سے داغدار بنانا پسند نہیں کیا۔ اس لیے ان کی اصلی زندگی خوش عقیدگی کے افسانوں میں گم ہوگئی اور حقیقی احوال روایتوں اور حکایتوں کے پردوں میں چھپ کر رہ گئے ہم نے پچھلے صفحات میں مشت نمونہ از خروارے چنداں بزرگوں کے تذکرے زیر رقم کیے جن کی ہمارے ملک میں تشریف آوری اسلام کی ابتدائی دوسری تیسری چوتھی صدیوں میں ہوئی جب کہ انگریز مورخین نے اپنی تاریخوں میں عموماً یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد ساتویں صدی ہجری میں حملہ آوروں کی حیثیت سے ہوئی ہے۔

اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ صوبۂ مالوہ جو کشور ہند کا وسطانی صوبہ اور اندرونی علاقہ ہے اس میں مسلمانوں کی آمد کب سے ہوئی اور ہماری سرزمین میں کن بزرگان اسلام کا استقبال کیا اس پر مختصر روشنی ڈال کر حقیقی صورتحال کو واضح کریں

(۱) محمد ابن قاسم کے حملہ ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء کے بعد جنید ابن عبدالرحمٰن المری والیٔ سندھ نے حبیب ابن مرۃ کی سالاری میں ایک دستہ مالوہ کی طرف بھیجا جو مشہور تاریخی شہر بکرماجیت کی راجدھانی اذین (اجین) تک پہنچا اور صلح و فتح کے بعد یہ قافلہ یہاں سے واپس ہوگیا۔ (فتوح البلدان صـ۱۹۸)

جنید؎ ابن عبدالرحمٰن حاتم وقت تھے ان کی سخاوت و فیاضی اور داد و دہش نے اہل سندھ کے دلوں کو جیت لیا امیر عراق عمر ابن ہبیرہ فزاری نے ان کو سندھ کا گورنر بنایا اور پھر خلیفۂ شام ہشام ابن عبدالملک نے اس عہدہ پر برقرار رکھا راجہ جے سنگھ (مہاراجہ داہر کے لڑکے) نے جب عہد شکنی کی تو انھوں نے مقابلہ کرکے اس کو شکست دی۔ گجرات وغیرہ کے علاقے انھوں نے زیر نگیں کیے لیکن وہ میدان رزم سے زیادہ سخاوت و فیاضی کی بزم میں یگانۂ روزگار تھے ۱۱۹ھ میں مرو میں انتقال کیا (نزہتہ جلد ۱ صـ۳۹)

اس تعلق سے مالوہ کا اسلام سے رشتہ پہلی صدی ہجری تک جا پہنچتا ہے۔ **فللّٰہ الحمد**

؎ علامہ بلاذری اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جنید ابن عبدالرحمٰن مری نے ۱۱۲ھ میں عمر ابن ہبیرہ کی طرف
(مسلسل)

(۲) حبیب ابن مرہ کے اس دستہ کے بعد ہمارے صوبہ کے اندر مسلمان سیاحوں میں سب سے پہلے مشہور عالم سیاح و مورخ علامہ مسعودی[عله] کی آمد کا ثبوت ملتا ہے جس وقت علامہ مسعودی مالوہ میں فروکش ہوئے وہ زمانہ راجہ بلہرا ۳۰۶ھ مطابق ۹۱۶ء حاکم مالوہ کا تھا مسعودی لکھتے ہیں کہ راجہ بلہرا کی حکومت میں مسلمانوں کی عزت کی جاتی ہے یہاں کے راجے مہاراجے چالیس چالیس پچاس پچاس برس تک داد حکمرانی دیتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ

ے پھر ہشام کی طرف سے عراق کے گورنر ہوئے جب خالد ابن عبداللہ قسری ۱۲۰ھ میں آئے تو خلیفہ ہشام نے جنید کو ان سے خط و کتابت کے لیے لکھا چنانچہ جنید دیبل پہنچے وہاں سے مہران کے کنارے پہنچے تو راجہ داہر کے لڑکے جے سنگھ نے پیغام بھیجا میں مسلمان ہو چکا ہوں اور مجھ کو ایک صاحب نے یہاں کا حاکم بنا دیا ہے آپس میں ایک دوسرے کے لیے یرغمال بھیجے بعد میں جے سنگھ قول و قرار سے پھر گیا ہے جنگ بھی ہوئے کہ ہندوستان سے پہنچا ادھر جنید اپنے بحری بیڑہ کے ساتھ مقابلے میں آئے اور جے سنگھ کو قتل کر دیا۔ راجہ داہر کا دوسرا لڑکا بھاگ نکلا اور عراق پہنچ کر اس نے چاہا کہ جنید کی غداری کی شکایت کرے لیکن وہ بھی قتل کر دیا گیا پھر جنید نے کیرج شہر پر حملہ کر کے منجنیقوں سے فصیل شہر کو توڑ کر فتحیابی حاصل کی اور اپنی فوجیں مرمد، منڈل، دہنج اور بھروج کی طرف روانہ کیں اسی جنید نے حبیب ابن مرہ کو ایک لشکر دے کر سرزمین مالوہ کی طرف روانہ کیا انھوں نے اجین پر حملہ کیا اور بہرمد پر قبضہ کیا جنید نے ملک سندھ کو پانچ صوبوں پر گورنر بنانے کے بعد گجرات کی طرف رُخ کیا اور وہاں کے راجاؤں کو دعوت اسلام دی۔ بہیلمان (موا ضلع) و فتح کیا چالیس لاکھ کا مال غنیمت ہاتھ آیا (فتوح البلدان ص ۴۴۲ تا ص ۴۴۳، کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۵)۔

عله . ابو الحسن علی ابن الحسین بن علی المسعودی بغداد ۸۹۳ء میں پیدا ہوا القاہرہ کے قریب ۹۵۶ء کے قریب وفات پائی عمر کے آخری دس سال شام و مصر میں گزارے دھریوں میں زبردست جغرافیہ نویس بہترین تاریخ نگار اور مشہور سیاح تھے وہ معتزلی المذہب تھے ان کی مشہور تصنیف مروج الذہب و معادن الجواہر ہے جو تاریخ و جغرافیہ کا بڑا خزینہ ہے یہ کتاب ۹۴۳ء میں تصنیف کی اور ۹۴۷ء میں اس پر نظر ثانی کی ہر ملک و قوم اور ہر ملت سے ان کو دلچسپی تھی اور ہر ایک کے عادات کو معتقدانہ صحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نظاہر سائنس کے انکشافات کے موجد ہیں فلسفہ ارتقا کی ابتدائی تحقیق ان کی رہین منت ہے کہ دنیا میں پہلے معدنیات پھر نباتات رونما ہوئے اس کے بعد حیوانات اور آخر میں انسان صفحہ عالم پر نمودار ہوا ان کی دوسری کتاب التنبیہ والاشراف ہے جس کے اندر انھوں نے
(حاشیہ مسلسل)

عام لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس کی وجہ مسلمانوں کی تعظیم اور عدل انصاف پروری ہے لوگوں کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ ان مسلم بزرگان دین کے مقدس قدم اس سرزمین پر پڑنے کی وجہ سے باران رحمت خوب ہوتی ہے فصلیں خوب پکتی ہیں اور ملک ہر طرح مالا مال . . دکن کا راجہ بھی مسلمانوں کی عزت کرتا ہے۔ (مروج الذہب)

علامہ مسعودی کی عینی شہادات اور چشم دید واقعات اور ہندوستانیوں کے مسلمانوں کے لیے اچھے خیالات کے معلوم ہونے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عہد اسلام یعنی ان ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کی آبادیاں نہ صرف گجرات و کوکن اور مالابار کے ساحلی مقامات پر پھیلی ہوئی تھیں بلکہ دکن اور اندرون ملک مالوہ تک ان کی نوآبادیوں کا جال پھیلا ہوا تھا اور یہاں کے لوگ ان کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے اور ان کے وجود کو باعث رحمت و برکت سمجھتے تھے۔

(۳) علامہ مسعودی کی رحلت یا ہندوستان میں سیاحت کے کچھ عرصہ بعد چالیس مردان حق، عاشقان خدا کا ایک قافلہ ملک مالوہ کے تاریخی شہر دھار کی گھاٹیوں میں رات میں اترا۔ صبح سویرے جب قافلۂ اسلام کے نقیب یعنی مؤذن نے صدائے حق کو بلند کیا تو اس آواز کی گونج سے پوری وادی اور شہر کے در و دیوار گونج اٹھے۔ باشندگان شہر کے کانوں پر یہ صدا بجلی بن کر گری اور وہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور عالم غیظ و غضب میں اسلام کے ان سچے عاشقوں کو شہید کر دیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند بر عاشقان پاک طینت را

(۴) اس مشہور اسلامی سیاح علامہ مسعودی کے تقریباً سوا سو سال بعد ۴۳۱ھ میں سرتاج ابدالان شاہ ابدال حضرت عبداللہ چنگال راجہ بھوج کی راجدھانی دھارا نگر میں جلوہ افروز ہوئے اور اس خطہ کو ایمانی شعاعوں سے منور فرمایا۔

بقیہ حاشیہ عمر بھر کی تحقیقات اور انکشاف کا خلاصہ بیان کیا ہے یہ محقق نہ ہو سکا کہ واقعتاً وہ چین اور مڈغاسکر بھی گئے تھے حکمائے مغرب نے ان کو عربوں کا Pliny قرار دیا ہے۔ ۱۲
(مسلمانوں کی علمی خدمات ص ۱۱۳ تا ۱۱۴)

(۵) پھر سلطان سید سالوم مصری افواج قاہرہ کے ساتھ زبردست لشکر لے کر مالوہ آئے اس وقت راجہ رام دیو مانڈو کا راجہ تھا باہمی سخت مقابلہ ہوا اس معرکۂ جنگ میں بالآخر راجہ کو شکست فاش ہوئی۔ مانڈو پر سید سلطان سامصری کا قبضہ ہوا اور ستر برس تک مسلمانوں کی حکمرانی رہی۔

(۶) پھر چوہان خاندان برسراقتدار آیا مالو دیو چوہان کے دور حکومت میں شیخ سلطان غزنوی نے مغرب سے آکر مالوہ کو فتح کیا اور انھوں نے بھی ستر سال حکومت کی۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے لڑکے علاؤ الدین کو کم سنی و نابالغی کی وجہ سے ان کا وزیر دھرم راج مختار بن بیٹھا جب علاؤ الدین بالغ ہوا تو پھر کشمکش کا آغاز ہوا بیس سال حکومت کے بعد دھرم راج لڑائی میں کام آیا اور سلطان علاؤ الدین تخت نشین ہوا بیس سال حکومت کے بعد جب اس نے رحلت کی تو اس کا بیٹا سلطان کمال الدین مسند نشین مالوہ ہوا۔ بارہ سال حکومت کے بعد سلطان کمال الدین جیت مل چوہان کے ہاتھوں قتل ہوا اور جیت مل راجہ بن گیا۔

(۷) پھر راجہ بیرسین کے دور حکومت میں ایک افغان مالوہ آیا اور اس نے پٹھانوں کو اپنے ساتھ ملا کر راجہ کو شکار گاہ میں ختم کیا اور جلال الدین لقب اختیار کر کے بائیس سال تک داد حکمرانی دی اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان عالم شاہ تخت نشین مالوہ ہوا۔ راجہ بیرسین نے اپنے لڑکے کی شادی راجہ کامرو کے یہاں کی تھی جس نے کھوک سین کو اپنا ولی عہد بنایا۔ راجہ کامرو کے بعد کھوک سین نے مالوہ پر چڑھائی کی اور سلطان اعظم شاہ کو قتل کر کے اپنا کھویا ہوا ملک حاصل کر لیا۔

(۸) راجہ سکت سنگھ کے زمانے میں دکن سے بہادر شاہ نامی ایک شخص حملہ آور ہوا سکت سنگھ اس جنگ میں مارا گیا اور بہادر شاہ مذکور خود مختار بن بیٹھا چند سال حکومت کرنے اور طاقت فراہم کرنے کے بعد اس بہادر شاہ مالوی نے زبردست فوج کے ساتھ دہلی پر دھاوا بول دیا اس وقت سلطان شہاب الدین غوری نے بہادر شاہ کو گرفتار کیا، اور مالوہ پر اپنا قبضہ جمایا یہ واقعہ رائے پتھورا کی شکست کے بعد کا ہے۔

(تاریخ مالوہ ص۲۹۳ تا ص۲۹۶) (سیر المتاخرین ص۳۰ تا ص۳۵)

تاریخ مالوہ کے یہ وہ گم شدہ اوراق ہیں جو عوام تو کیا خواص کے بھی دائرۂ معلومات سے خارج ہیں کیونکہ ان کا تعلق غوری کے حملہ اور مسلمانانِ برہند کی پہلی تاریخ سے ہے ہماری

درسی تواریخ مسلمانوں کی آمد کو شہاب الدین غوری کے مشہور حملہ سے شروع کرتی چلی آرہی ہیں اس لیے ہم نے خصوصیت سے ان واقعات پر سے پردہ اٹھانے کی سعی کی ہے تاکہ یہ حقیقت روشن ہو کر ہمارے سامنے آجائے کہ اس سرزمین پر اسلام ابتدائی صدیوں میں داخل ہو گیا۔ اسلام نے اس برصغیر میں پہلی صدی ہی سے اپنے سادہ و صاف عقیدوں اور اس کے عملی نمونوں سے اہل ہند کے دلوں میں جگہ پیدا کر لی۔ وہ مداخلت کاروں کی حیثیت سے یہاں بزور و جبر داخل نہیں ہوا اس عبوری دور کے بعد اسلام نے یہاں کی آب و ہوا میں مستقل مقام پیدا کیا اور اس کی جڑیں اس سرزمین میں اس قدر پیوست ہو گئیں کہ اس پاکیزہ درخت کا اکھڑنا باد حوادث کی زد سے باہر ہو گیا۔ علاقۂ مالوہ جیسے دور دراز خطہ پر مسلم حکمرانی کے مذکورہ واقعات اس عمومی غلط فہمی کی کھلم کھلا تردید کرتے ہیں جو تاریخ ہند کے سلسلہ میں عوام و خواص، ہندو مسلم سب میں یکساں طور پر پھیلی ہوئی ہے اور انگریز مؤرخین نے اپنی سامراجی اغراض کی خاطر خصوصیت سے اس پر رنگ و روغن چڑھایا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی محمد غوری کے حملوں کے بعد شروع ہوئی یہ خیال بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی غلطی ہی نہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہے حقیقت امر اس کے بالکل خلاف ہے۔

محمد غوری کے حملے سے قبل یعنی ہندو راجاؤں کے عہد حکومت میں ہندوستان [illegible] نے متعدد مقامات پر مسلمانوں کی نوآبادیاں پھیلی ہوئی تھیں جہاں ان کے مدرسے، خانقاہیں اور دینی ادارے قائم تھے۔ حضرت مولانا رضی الدین صغانی نے حنفی صاحب مشارق الانوار جن کا نام ہندوستان کے علمائے حدیث میں سرِ فہرست آتا ہے محمد غوری کی فتوحات کے سلسلہ شروع ہونے سے دس سال پہلے بدایوں میں پیدا ہوئے تھے وہیں دینی تعلیم حاصل کی جب بدایوں کا یہ عظیم المرتبت فرزند مرکز اسلام بغداد پہنچا تو وہاں کے بڑے بڑے عالموں کی گردنیں اس کے آگے جھک گئیں اور خود خلیفۂ وقت معتصم نے ان کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کو قابل فخر سمجھا۔ (تاریخ مشائخ چشت ص۱۳۳)

---

[1] راقم السطور اپنی کتاب کے پہلے باب سے انگریز مؤرخین کے اس من گھڑت نظریہ کا کہ اہل اسلام نے ہندوستان میں غوری کے حملے کے بعد مستقل اقامت اختیار کی یا تجارت کو اپنا وطن

(حاشیہ بقیہ صفحہ آئندہ پر)

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ

بتایا۔ برابر تردید کرتا چلا آرہا ہے اور تاریخ مشائخ چشت کے فاضل مصنف خلیق نظامی کے اظہار حقیقت سے پوری طرح متفق ہے لیکن اس موقع پر مصنف تاریخ چشت کی ایک تاریخی غلطی پر متنبہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو موصوف کی دو مستقل و علاحدہ شخصیتوں کے اندر صرف ہم نامی کی مشابہت کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ وہ یہ کہ حضرت رضی الدین حسن بدایونی اپنے وقت کے ایک بزرگ اور شیخ تھے اور مولانا رضی الدین حسن صغانی لاہوری عالم اسلامی کے ایک زبردست عالم و فاضل تھے حضرت مولانا رضی الدین حسن ابن محمد عمری صغانی لاہوری حنفی صاحب مشارق الانوار ۱۰ صفر ۵۷۷ھ خسرو ملک شاہ کے عہد میں لاہور میں پیدا ہوئے والد سے ابتداءً تحصیل علم کی فارغ التحصیل ہونے کے بعد قطب الدین ایبک [illegible] نے لاہور کا قاضی بنانا چاہا لیکن انھوں نے انکار کیا لاہور سے غزنی چلے گئے جو اس وقت علماء و مشائخ کا مرکز تھا وہاں درس و تدریس کا ہنگامہ گرم کیا وہاں سے عراق پہنچے اور وہاں کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا پھر مکہ معظمہ پہنچے اور حرم میں رہے وہاں سے عدن پہنچے اور وہاں حدیث کا سلسلہ جاری کیا اس کے بعد موصوف نے عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ کے عہد ۶۱۵ھ میں بغداد میں قدم رنجہ فرمایا خلیفۂ وقت نے اعزاز بخشا اور خلعت سے نوازا پھر خلیفہ نے خلافت عباسیہ کا ان کو سفیر بنا کر سلطان شمس الدین التمش کے پاس ۶۱۷ھ کو بھیجا۔ کچھ دن ہندوستان میں موصوف نے طرح اقامت ڈالی پھر یہاں سے کامیاب ہو کر بغداد واپس ہوئے پھر ۶۲۴ھ میں مشرف بہ حج ہو کر دوبارہ یمن پہنچے پھر یمن سے بغداد لوٹے اس وقت کے خلیفہ مستنصر باللہ کی طرف سے بغداد واپس ہو کر وہیں انتقال فرمایا ان کی نعش مبارک حسب وصیت مکہ معظمہ لے جائی گئی اور وہیں دفن ہوئے۔ علامہ رضی الدین لاہوری ایک متبحر عالم، محدث، زبردست لغوی اور فقیہ تھے بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں جس کے اندر مشارق الانوار نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔

(الفوائد البہیہ)

لیکن جن رضی الدین حسن کا ذکر خلیق صاحب نے فرمایا ہے وہ دوسری شخصیت ہیں تو دوان کے قول کے مطابق ان کی پیدائش بدایوں میں ہوئی تھی جب کہ علامہ رضی الدین صاحب مشارق الانوار کی ولادت بالاتفاق شہر لاہور کی ہے جو ان کے نام کے جز کی حیثیت سے تمام تواریخ میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ رضی الدین حسن جو بدایوں میں پیدا ہوئے بقول حضرت نظام الدین اولیا صوفی صافی بزرگ تھے نہ وہ محدث تھے نہ لغوی نہ فقیہ نہ انھوں نے بغداد کا سفر کیا نہ خلیفہ نے ان کا کوئی اعزاز فرمایا۔ ان بزرگ کا زمانہ رضی الدین لاہوری کے بعد کا زمانہ ہے چونکہ علامہ موصوف کا زمانہ سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش کا زمانہ تھا جو دور غلاماں تھا اور رضی الدین حسن عہد علائی کے دور سے تعلق رکھتے تھے اس لیے صرف نام کی مشابہت کی وجہ سے مصنف تاریخ چشت نے دھوکہ کھایا۔

بہرحال وسط ہند کے اس خطہ (مالوہ) میں مسلم آبادی زمانۂ قدیم سے چلی آرہی ہے کیونکہ مسلم حکمرانوں کی حکومت مسلمانوں کی آبادی کے بغیر صرف خلا پر قائم نہیں ہو سکتی لیکن اقتدار پرستی کے لیے جنگ زرگری پر مذہب کی چھاپ لگانا یہ مغربی مصنفین کی فتنہ پردازی ہے کیونکہ یہاں تو مسلمان حکمرانوں کی مسلمان حکمرانوں سے اور ہندو راجاؤں کی ہندو راجگان سے رزم آرائی ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ اس لیے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان مسلم حکمرانوں سے بہت پہلے فقرائے اسلام اور صوفیائے عظام نے اسلام کے محبت کے پیغام کی اس اجنبی سرزمین کو رام کر لیا تھا چونکہ صوبۂ مالوہ اندرون ملک واقع تھا اس لیے مسلمان سیاحوں کے نہ یہاں عام قدم پڑ سکے اور نہ مسلم مورخوں کے قلم اٹھ سکے تاریخ کے طالب علموں کے لیے ایک وسیع میدان ہے جس پر تحقیقی اور علمی جولانیوں کے ذریعے سچے اور صحیح مطمح نظر پیدا کیے جا سکتے ہیں اگر عہد وسطیٰ کے ان تاریخی واقعات سے جہالت کے کثیف پردوں کو چاک کر دیا جائے جو یورپ کے تاریخ ساز مؤلفین نے ڈال رکھے ہیں تو ہزارہا غلط فہمیوں کا سد باب ہو سکتا ہے اور یہاں کی مختلف قوموں میں اصولی اتحاد کی راہ ہموار ہو سکتی ہے ہمارے ابنائے وطن نے اپنے ملک کی تاریخ کو نہ کبھی مستقل موضوع بنایا تھا۔ نہ پچھلے واقعات کو سن وار مرتب کیا تھا نہ یہاں کے باشندوں کے دیگر قوموں کے ساتھ جنگ و صلح کے تعلقات کو منضبط کیا تھا اس لیے بھی مغربی مصنفین کو دراندازی کا موقع ملا۔

مالوہ میں اسلام کی لمعہ افشانی

مالوہ کی اسلامی تاریخ کے تین دور ہیں سب سے پہلے محمد ابن قاسم کے حملۂ سندھ ۹۳ھ میں مسلمانوں کا ایک دستہ حبیب ابن مرہ کی سالاری میں شہر اجین پہنچ کر واپس ہوا اس لشکر نے اس سرزمین پر اپنی فتح و کامرانی کا کوئی پائدار نقش نہیں قائم کیا گویا وہ سمندر کی ایک اوپری موج تھی جو آئی اور چلی گئی البتہ گجرات و کوکن (بمبئی) کے ساحلی علاقوں سے مسلمان تاجر اندرون ملک میں اپنی دیانت و امانت کا سکہ جماتے رہے اور اسلامی دعوت کی قبولیت کی راہ میں نفرت و اجنبیت کے جو پہاڑ کھڑے ہوئے تھے وہ ان کی مساعی جمیلہ سے آہستہ آہستہ ہٹنے لگے۔

(۲) پھر وقتاً فوقتاً اطراف ہند سے مہم پسند دلاوران اسلام آکر اپنی حکومت کے

جھنڈے گاڑتے اور حالات کے دباؤ سے اس سرزمین پر جمتے اور اکھڑتے رہے۔

(۳) اس کے بعد تیسرا دور شہنشاہ التمش کی فتح سے شروع ہوتا ہے جبکہ اس ملک کو مسلمانوں نے مستقلاً اپنا وطن بنا کر بیرونی اسلامی ملکوں سے ماتحتی کا علاقہ توڑ لیا لیکن جیسے کہ عرض کیا گیا کہ اشاعت اسلامی کے روحانی کام میں شاہانِ اسلام کا اس قدر ہاتھ نہیں جس قدر روحانی داعیوں یعنی صوفیائے کرام اور سچے مسلمان تاجران عظام کا ہے چوں کہ ارباب اقتدار کو تو ملک گیری اور توسیع سلطنت سے کبھی فرصت ہی نہیں ملتی ہے اور دین مادی طاقت کے بل بوتے پر دلوں میں گھر نہیں کرتا بلکہ وہ روحانی کرشموں کے جلو میں آگے بڑھتا اور لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے۔

شاہانِ اسلام اگر دینی دعوت کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہو سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں جبر و زبردستی یا طمع ولالچ کا دخل ہو جاتا اور لوگ دنیاوی مناسب کے حصول یا طاقت کے دباؤ میں آکر اسلام کو قبول کرتے جو اسلام کی دینی روح کے بالکل خلاف ہے اس لیے ہمارے ملک میں مسلمان بادشاہوں کا اشاعت اسلام میں خاص حصہ نہیں رہا اور اسلام سچے درویشوں اور باصفا بزرگوں کی محنت کے سایے میں ترقی کرتا رہا اور ان بزرگوں و درویشوں کی سچی مخلصانہ زندگی اور ان کے غیر معمولی کرشموں نے یہاں کے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا۔

معجزہ شق القمر اور مالوہ

یہ عجیب وغریب کرشمہ خداوندی ہے کہ ہمارا یہ دور افتادہ صوبہ مہیب اور پرخطر جنگلوں اور اونچی نیچی پہاڑیوں سے گھرا ہوا خطہ عرب سے کالے کوسوں دور علاقہ جہاں نہ کبھی فاتح عالم سکندر اعظم کے قدم پڑ سکے اور نہ کبھی کسی غزنوی غوری نے اُدھر کا رُخ کیا اسی ملک مالوہ میں نبی اُمّی فداہ اُمّی وابی کا شہرۂ آفاق معجزہ شق القمر دکھلا دیا۔

ظاہر ہے کہ کرۂ آسمانی کا یہ حیرت ناک واقعہ چاند کا اچانک پھٹ جانا۔ جس کی بھی نگاہ میں آیا ہوگا وہ حیران و ششدر اور دم بخود ہو گیا ہوگا۔ اندھیری رات کے اندر چھٹکی ہوئی چاندنی نے چاند کا اپنی پوری تابانی کے ساتھ نور پھیلاتے ہوئے یکایک اُس کے دو ٹکڑے ہو جانا ایسا ماجرا ہے جو آج تک نہیں ہوا اور نہ کبھی سُنا گیا اس لیے ؟

دیکھنے والے کی نظر کو یہ واقعہ متحیر کرنے کے لیے کافی ہے خوش قسمتی سے یہ عظیم معجزہ جس طرح جنوبی ہند میں دیکھا گیا اسی طرح اس کا مشاہدہ وسط ہند میں بھی ہوا جنوبی ہند میں راجہ سامری کے اس معجزۂ عظیمہ کو دیکھنے اور اس کی تحقیق کے بعد مسلمان ہونے کی پوری تفصیل گزر چکی ہے اس لیے اس امر پر روشنی ڈالنا اب ہمارا فرض ہے کہ صوبۂ مالوہ کا اسلام سے رابطہ نورانی رسالت ہی کے زمانے سے کس طرح قائم ہوا۔

راجہ بھوج کا اسلام اور تاریخی شواہد

نواب شاہجہاں بیگم رئیسہ بھوپال اپنی تاریخ تاج الاقبال میں تحریر فرماتی ہیں سینہ بہ سینہ روایات منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں کہ بانی بھوپال راجہ بھوج نے بچشم خود شق القمر دیکھ کر اسلام قبول کیا تھا عربی اور فارسی کی تواریخ اگرچہ اس واقعہ کی تصدیق سے خاموش ہے لیکن ایک فارسی قصیدہ جو عبداللہ شاہ چنگل کے مقبرہ کی پتھروں کی دیواروں پر شہر پیران دھار پر کندہ ہے وہ اس نشاندہی کرتا ہے (تاج الاقبال ص۱۰۳ ج ۲)

اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس نام کے کئی راجہ ہندوستان میں گزرے ہیں بھوپال کا بانی وہ راجہ بھوج ہے جس کی راجدھانی دھار نگری تھی اور تاریخ میں اس کا تذکرہ ہے کہ وہ راجہ بھوج حضور علیہ السلام کا ہم عصر تھا (حاشیہ تاج الاقبال)

سب سے پہلے یہ امر قابل تحقیق ہے کہ راجہ بھوج کے شق القمر کے معجزہ کو دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہونے کا تاریخی ثبوت کیا ہے ظاہر ہے کہ اہل ہند کی تواریخ میں راجہ کے ترک مذہب کے تذکرہ کو تلاش کرنا بے سود ہے چونکہ برادران وطن میں تاریخ نگاری کا ذوق ہی مفقود رہا اور پھر اس واقعہ عجیبہ اور معجزہ غریبہ کا تعلق بھی عہد ماقبل تاریخ سے ہے ہمارے ملک ہی میں کیا دنیا کے تمام ملکوں میں پچھلے زمانے میں جب کہ عام انسان ابتدائی تمدنی حالات سے گزر رہے تھے واقعات نگاری کے بجائے مافوق العقل قصوں اور فرضی خیال آرائیوں سے زیادہ دل چسپی رہی کیونکہ ذہن انسانی عہد طفولیت سے گزر رہا تھا اس دور کے عوامی واقعات معاشرتی یا سماجی حالات کا پرانی تاریخوں میں تذکرہ برائے نام ملتا ہے عہد قدیم میں تاریخ کا موضوع راجوں، مہاراجوں غیر معمولی بہادروں اور ان سے بھی زیادہ مذہبی پیشواؤں کے احوال اور ان کے عظیم کارناموں کی یادآوری سے رہا

ان رہنماؤں اور دینی پیشواؤں کے درمیان میں اس دور کے عوامی کوائف و احوال کا تھوڑا بہت پتہ چلتا ہے موجودہ دور میں اُن کی جگہ سیاسی قائدوں اور حکومت کے سربراہوں نے لے لی ہے۔ راجہ بھوج کیونکہ راجگان ہند میں تاریخی لحاظ سے مشہور و معروف راجہ گزرا ہے اس لیے ہم کو اس راجہ کے متعلق کھوج کرنا پڑے گی۔ چنانچہ جب ہم راجہ بھوج کی تلاش اور کھوج لگاتے ہیں تو عوامی روایات کا بہت سا ذخیرہ ہاتھ لگتا ہے اسی ذخیرہ میں بھوج پتری یا بھوج پوتھی کا ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے جو سنسکرت زبان میں تھی اور علامہ فیضی نے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ راج بھوج دھار کا راجہ تھا ایک روز اپنے کوٹھے (حویلی) میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے رات میں دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اس نے برہمنوں کو جمع کیا برہمنوں نے خبر دی کہ کوئی شخص ملک عرب میں پیدا ہوا ہے اس کا یہ معجزہ ہے راجہ نے ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ کسی شخص کو ہمارے پاس بھیجیے جو آپ کے دین کی باتیں ہمیں سکھلا دے آپ نے کسی صحابی کو بھیج دیا انھوں نے اس کو مسلمان کیا اور نام اس راجہ کا عبد اللہ رکھا جب وہ مسلمان ہوا تو سب لوگوں نے اس کو راج سے اٹھا دیا اور اُس کے بھائی کو راجہ بنا دیا اور وہ صحابی جو آئے تھے اسی شہر میں مر گئے جہاں راجہ کی قبر ہے وہیں اُن کی بھی قبر ہے۔

(بشارت احمدیہ مولفہ مولوی عبد العزیز صاحب بحوالہ شہادت الاقوام ص۲۳)

(۲) حضرت سراج الہند شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی مشہور کتاب سر الشہادتین کے مقدمہ میں اُن کے مشہور شاگرد مولوی سلام اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ راجہ بھوج راجہ مالوہ معجزہ شق القمر دیکھ کر ایمان لائے تھے

(مقدمہ سر الشہادتین ص۳)

(۳) اسی طرح شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اپنے رسالۂ شق القمر میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

نیز در قصص بار بار تن بخاطر مانده
اما نام کتاب فراموش شده ظاہراً
تاریخ فضلی است کہ راجہ بھوج حاکم دکن
وقت شب بر بستر خود ایں ماجرا دید
راج استیشان و منجمان صاحب تحقیق و تجسس

بار بار تن کے قصوں میں یاد پڑتا ہے
لیکن کتاب کا نام یاد نہیں رہا غالباً
تاریخ فضلی میں ہے کہ راجہ بھوج حاکم دکن
نے رات میں اپنے بستر پر شق القمر کا یہ واقعہ دیکھا
تو صبح راجہ نے نجومیوں اور جوتشیوں کو تلاش کرایا اور

آں نمود از روئے کہانت پیدا شدن
پیغمبر در زمین عرب اظہار کردند
آں راجہ بار بار تن را بہ دو کس
دیگر برائے ملازمت آنجناب
و امتحان صدق ایشاں فرستاد و ایشاں
در ایام غزوۂ خندق رسیدند
واللہ اعلم

اس کی تحقیق کی انھوں نے اپنے قواعد و
حساب سے سرزمین عرب میں پیغمبر کی ظہور
کی خبر کی۔ راجہ نے بار بار تن کو دو آدمیوں
کے ساتھ حضور کی خدمت میں بھیجا اور آپ
کی سچائی معلوم کرنے کو کہا یہ لوگ غزوۂ
خندق کے زمانے میں آنحضرتؐ کے پاس پہنچے

(رسالہ شق القمر ص۱)

(۴) حضرت حکیم الامت نے شہادت الاقوام میں نقل فرمایا ہے کہ مولوی سیف اللہ گورکھپوری نے ۱۳۰۲ھ میں یہ بیان دیا کہ مولوی سبحان اللہ گورکھپوری کے مشہور کتب خانہ کی سیر کی جا رہی تھی مولوی محمد نصیر الدین صدیقی بھی ساتھ بیٹھے تھے ایک کتاب جو مشاہیر کے احوال میں بطور لغت اور قاموس کے تھی اُس کے اندر راجہ بھوج کا تذکرہ تھا جس کے سننے سے سب لوگ متاثر ہوئے مولوی صاحب نے اپنے دوست سید مقبول حسین وصل بلگرامی کو اس فارسی عبارت کے نقل کرنے کے لیے کہا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ راجہ بھوج نے حضرت نبی امی و مخبر صادق سراپا صداقت و بشارت سراپا معجزہ فطرت تکمیل دہندۂ وحدانیت حق عطا کنندۂ حریت و عالمگیر مساوات و اخوت کے معجزہ شق القمر کو ہندوستان میں دیکھا تھا اس نے کچھ لوگوں کو عرب بھیج کر اس کی تصدیق کی اور اس کے اعتراف سے بہرہ اندوز ہو کر اسلام قبول کیا نام اس کا شیخ عبد اللہ رکھا گیا اور وہ بہت باخدا اور عابد وقت گزرا اور اُس کا مزار دھار دار گجرات میں ہے۔

(شہادۃ الاقوام ص۳)

(۵) حضرت حکیم الامت تھانوی شہادۃ الاقوام میں مزید نقل فرماتے ہیں کہ راجہ بھوج کے نام سے ایک قصبہ یا پرانا گاؤں بھوج پور بلیا اور آرہ کے درمیان ہے گویا موجودہ بہار و یوپی کے سنگم پر واقع ہے اس وقت بہار کے آرہ ضلع میں سہسرام کے قریب ہے چنانچہ بلیا اور اس کے نواح کی بولی کو ابھی تک بھوجپوری کہا جاتا ہے اگرچہ اب اس گاؤں میں آبادی نہیں رہی لیکن پرانے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر ہیں جن میں ایک

بھوج کی اولاد میں ہوں۔

جس کتاب کا ذکر مولوی سبحان اللہ خاں کے کتب خانہ میں ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اس کے ابتدائی صفحات نہ ہونے کی وجہ سے نام معلوم نہ ہو سکا صفحہ ۲ سے تا ۲۱۱ بادامی کاغذ پر چھپی ہے جس کے اندر اکثر صوفیائے کرام کی تصنیفات اور اعظم گڑھ بستی اور گورکھپور بزرگوں کے قصے اور واقعات ہیں۔ قدیم ہندو کتب سے اثبات وحدانیت و رسالت اور قبول کے عجیب واقعات ہیں۔

(۷) حضرت امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے معجزہ شق القمر اور راجہ بھوج کے اس معجزہ کے مشاہدہ کے بارے میں تاریخ فرشتہ کے ایک نسخہ کا حوالہ نقل فرمایا ہے کہ بھوپال کے راجہ نے جس کا نام بھوج پال تھا اس معجزہ شق القمر کا مشاہدہ کیا تھا۔

(فیض الباری ص۲۳ ج ۴)

لیکن یہ کہ اس نے اس معجزہ کو دیکھ کر اسلام قبول کیا یا مہاراجہ ملابار کی طرح تحقیق حال کے لیے لوگوں کو عرب بھیجا اس تفصیل کو پیش نہیں کیا چونکہ ملا قاسم فرشتہ کو تحفۃ المجاہدین کی طرح تواریخ ماوہ کا ماخذ دستیاب نہ ہو سکا بہرحال اصل واقعہ ثابت ہے۔

(۸) سابقہ ریاست بھوپال کے بانی سردار دوست محمد خاں کی قلمی سوانح عمری میں جہاں بھوپال شہر کی سب سے پہلی تاسیس و تعمیر کا ذکر ہے وہیں اس معجزہ کا ذکر بھی ساتھ ساتھ ہے اس قلمی سوانح میں یہ واقعہ حسب روایت مولوی عبداللہ صاحب اور ریاض الدین صاحب اس طرح تحریر ہے کہ راجہ بھوج ایک رات اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا کہ اس نے دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے یہ دیکھ کر حیران ہوا خیال کیا کہ یہ جادو نہیں ہو سکتا اس کی تحقیق کے لیے تمام ممالک میں لوگوں کو روانہ کیا جو سفیر عرب گیا تھا اس نے مفصل احوال نبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی۔ راجہ نے اس سفیر کے ذریعہ پائجامہ اور پان خدمت اقدس میں تحفۃً بھیجے اور سفیر کو ہدایت کی کہ جو کچھ آپ فرمائیں وہ مجھ سے بیان کرنا چنانچہ سفیر نے یہ ہدیہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ملاحظہ تحائف ارشاد فرمایا کہ یہ پتہ دافع مرض جذام ہے اور عورتوں کی مانگ کی زینت کے لیے خوب ہے اس کے بعد کتھا اور چونا اور چھالیہ سے بغیر کسی کے بتائے ہوئے ایک بیڑہ نوش فرمایا اور پائجامہ کا کمر بند سفیر سے طلب فرمایا اور خود دست مبارک سے ڈال کر زیب تن فرمایا اور

بلا چھت کے شاہی محل اور کچھ زمین دوز راستہ اور آثار ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ راجہ بھوج کے مل کے گرے پڑے نشانات ہیں انہی شکستہ آثار میں ایک رصد خانہ بھی ہے جس کو عرف عام میں جنتر منتر کہتے ہیں۔

فلکیات کے زائچے اور ستاروں کے نشان زدہ علامات مٹے مٹے ہیں بہرحال اس علاقے کے دیہاتی لوگوں میں زبانی روایت منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے کہ اس علاقے کا راجہ بھوج تھا جو اپنی رحمدلی اور انصاف پسندی کی وجہ سے زبردست شہرت رکھتا تھا۔ مہاراجہ بھوج ایک رات اپنے محل کی رصدگاہ میں بیٹھا ہوا آسمانی سیاروں کی حرکت و گردش و ستاروں کی چال کا مطالعہ کر رہا تھا کہ یک دیکھا کہ چاند ایک دم دو ٹکڑے ہو گیا اور کچھ دیر بعد پھر جڑ کر ایک ہو گیا اس نے درباری جوتشیوں اور پنڈتوں کو صبح سویرے تحقیق حال علوم کرنے کے لیے کہا انھوں نے جوتش کے اصول سے زائچہ وغیرہ کھینچ کر مہاراجہ کو تایا کہ ملک عرب میں آخری اوتار نے جنم لیا اور اس نے یہ کرشمہ دکھایا ہے چنانچہ اس کے ل میں دریافت حقیقت کا شوق پیدا ہوا اور اپنے یہاں سے ایک شخص کو عرب روانہ کیا ور اس نے عرب سے واپس ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سنائے ور اپنا ایمان لانا اس کے ہاتھ پر ظاہر کیا۔ چنانچہ راجہ بھی مسلمان ہو گیا لیکن وہاں کے لوگ راجہ ے مخالف ہو گئے اور اس کو شہید کیا۔ (نقیب اگست ۱۹۶۰ء)

اس سلسلہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ جو بھوج پور کے گنواروں کی زبانوں پر ہے اس خت سے اتار دیا گیا اور وہ دھار و گجرات کی طرف چلا گیا وہیں اس نے بقیہ زندگی یاد الہی میں ر کی۔

(شہادۃ الاقوام ص۱۳۳)

(۹) مولوی سیف اللہ گورکھپوری کا اس سلسلہ میں مزید بیان یہ ہے کہ شیخ الحمید علی جو ضع لاوادری ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے انھوں نے کہا کہ میں فتح محمد خاں تحصیل دار لع اعظم گڑھ کے یہاں طالب علمی کر رہا تھا ان کے کتب خانہ کی نگرانی میرے ذمہ تھی میں نے روز راجہ بھوج کے روزنامچہ کا ترجمہ جو فیضی نے کیا تھا وہ بھی اس کتب خانہ میں نکل س کو جب میں نے پڑھا تو ایک روز کے ذکر میں چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا احوال بھی تھا جو اصل پوتھی کا ترجمہ تھا۔ مولوی حسن رضا خاں جو موضع سی پی ضلع بستی کے رہنے لے تھے کہ راجہ بھوج دو ہیں ایک راجہ بھوج اول وہ شہر دھار کا رہنے والا تھا اور دوسرے

فرمایا انسان کے پردے کے لیے یہ بہت اچھا ہے پھر سفیر کا نام پوچھا سفیر نے عرض کیا میرا نام ماکدین ہے آپ نے ارشاد فرمایا اس نام کا عربی ترجمہ کیا ہے اس نے عرض کیا مرا ہوا دین آپ نے ارشاد فرمایا مردہ دین کو چھوڑ کر زندہ دین میں کیوں نہیں آتے ۔ اس فرمان مبارک نے دل پر اثر کیا اور فوراً مسلمان ہوگیا آپ نے اس کا نام محی الدین رکھا اور حضرت عبد اللہ صحابی کو راجہ بھوج کی تلقین کے لیے روانہ فرمایا الغرض جب سفیر نے واپس ہو کر سب حال بیان کیا تو راجہ بھی مسلمان ہوگیا۔

(۹) مولانا عباس رفعت شروانی مہتمم دفتر تاریخ بھوپال بعہد سکندری جو علامہ شیخ احمد شروانی صاحب نفحۃ الیمن کے خلف الرشید اور بہت بڑے مورخ تھے اپنی تاریخ سراج الاقبال تاریخ بھوپال میں تحریر فرماتے ہیں کہ راجہ بھوج جو دھار مالوہ کا راجہ تھا وہ عہد نبوی میں موجود تھا اور معجزۂ شق القمر کو جب اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو تحقیق حال کے لیے اپنے دو دیانت دار اور وفادار پنڈتوں کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں کچھ تحائف کے بھیجا چونکہ راجہ مذکور مذہب حق کا جویا اور سچائی کا متلاشی تھا اس نے اپنے دربار میں بڑے بڑے پنڈت، نجومی، جوتشی مقرر کر رکھے تھے ان تحفوں کے بارے میں اپنے دونوں سفیروں کو ویدوں پرانوں دھرم شاستروں سے کچھ سوالات قائم کر کے دیے اور ان کے صحیح جوابات سے بھی آگاہ کر دیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صحیح جوابات دے دیں تو ان کے رسول ہونے کی تصدیق کرنا ان تحفوں میں ایک انگرکھا ایک پاجامہ چھالیہ کتھا چونا لونگ پان الائچی کو حضور علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا کہ وہ ان کے بارے میں حضور علیہ السلام سے دریافت کریں چنانچہ ان قاصدوں نے آنحضرت کی خدمت بابرکت میں پہنچ کر ان تحفوں کو پیش کیا اور ان کی بابت پوچھا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پاجامے کے بارے میں فرمایا کہ یہ لباس ستر پوشی کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے اور انگرکھا جس کی داہنی طرف سینہ کے مقام پر کھلا ہوا تھا حضور علیہ السلام نے بائیں جانب کھلے رکھنے کا فرمایا اس لیے کہ دل بائیں جانب ہوتا ہے اور پان چھالیہ کے بارے میں فرمایا کہ ہندوستان کے لوگ اس کو ضرور کھائیں ورنہ ان میں برص (سفید داغوں کی بیماری) عام ہوگی جب حضور علیہ السلام کے جوابات ان قاصدوں نے صحیح پائے تو یہ دونوں قاصد مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور علیہ السلام کے پیغام کو لے کر ہندوستان واپس ہوئے اور راجہ بھوج کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور راجہ مذکور کو حضور کے صحیح جوابات کو بتلایا اور یہ کہ ہم دونوں نے حضور کے رسالت کی تصدیق کی اور ہم لوگوں نے اسلام قبول کیا چنانچہ راجہ بھوج نے دھار کے بڑے مندر میں جس کے اندر گیارہ سیڑھیاں سنگین بنی ہوئی ہیں سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ کر مجمع عام میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا یہ واقعہ سنہ ۶۴۲ مطابق سنہ ۶ بکرمی کا ہے جیسا کہ تاریخ بھوج فارسی سے ظاہر ہے اس کے بعد راجہ موصوف نے اسلام کی تبلیغ کے لیے ان دونوں قاصدوں کو جو حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیوں کی صف میں شامل ہوگئے تھے اپنے پسندیدہ مقام بھوج پال کو روانہ کیا دونوں قاصدوں نے بھوجپال پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی کچھ اشخاص نے تو اسلام کو قبول کیا اور زیادہ تر ان سے آمادۂ جنگ ہوگئے چنانچہ یہ دونوں صحابی مع اپنے چند ساتھیوں کے اپنے مخالفوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے اور وہیں دفن ہوئے اس لیے اس مقام کو اسی زمانے سے گنج شہیداں کہا جاتا ہے دونوں صحابہ کے مزارات راجہ بھوج کے بنائے ہوئے بڑے تالاب کے کنارے موجود ہیں اگرچہ وہ اب منہدم ہو چکے ہیں لیکن ان کے آثار بکمال تمام باقی ہیں

(سراج الاقبال غیر مطبوعہ)

.... یہی وہ جگہ ہے جس کو بعد میں قبرستان کربلا کا نام دیا گیا۔

(۱۰) مشہور مورخ مولوی امجد محمد ابن قاضی محمد رضا راجگان ہند کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"راجہ جدھشٹر ۳۴۴۴ بکرمی میں اندرپت کا تخت نشین ہوا اندرپت زمانہ قدیم میں دہلی کا نام اندرپت تھا چورانوے سال حکومت کر کے فوت ہوا ۴۴۲۵ سال (بکرمی) بعد راجہ بھوج تخت نشین ہوا اس طرح بکرماجیت کی تخت نشینی کے ۳۳۵ سال گزرنے کے بعد راجہ بھوج کا زمانۂ حکومت ہوتا ہے۔ اب سنہ ۲۰۰۷ بکرمی ہے لہذا راجہ بھوج کو ۱۲۷۲ سال ہوئے اور سال ہجری ۱۲۷۰ آخر ہے اور واقعہ شق القمر پانچ سال قبل ہجرت ہوا اس حساب سے یقین واثق ہوا کہ ظہور خاتم النبیین حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم راجہ بھوج کے زمانہ میں ہوا جس سے بیان مذکورہ کی صداقت ظاہر ہے ۔ تلک عشرۃ کاملۃ

(جامع التواریخ صـ ۲۳۰)

بہر حال راجہ بھوج کے اس معجزۂ شق القمر کو دیکھ کر اسلام قبول کرنے کی روایت

وحکایت صدیوں سے عوام میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔ راجہ بھوج کے ذکر کے ساتھ معجزۂ شق القمر کا ذکر گویا لازم ملزوم ہوگیا ہے اس لیے ان عوامی روایات اور مشہور زمانہ حکایات پر تحقیقی نظر اور تنقیدی نگاہ ڈالنا ہم پر ضروری ہے۔

راجہ بھوج کے اسلام پر تحقیقی نظر

فنِ تاریخ جس قسم کے کچے پکے مواد سے ترتیب پاتا ہے وہ تین قسم کے آثار پر مشتمل ہے۔

(۱) آثار مضبوط (۲) آثار منقولہ (۳) آثار قدیمہ

تاریخ کا یہ عظیم الشان تناور درخت جو نسل انسانی کو اپنے معلومات کے سائے میں لیے ہوئے ہے مسافرانِ حیات کے لیے قوت و ولولہ عزم و حوصلہ اور راحت و آرام کا پیغام دیتا ہے اور کلفت و آلام، حوادث و مصائب کی وادیوں سے قافلۂ انسانی کو منزلِ نجات کی طرف پہنچانے کی رہنمائی کرتا ہے یہ درخت یک دم اس قدر عظیم الشان نہیں بن گیا ہے۔ یہ فن ہمارے آبا و اجداد کے گزشتہ حالات، ان کی سیرت و کردار، تہذیبی و تمدنی آثار اور ان کی ترقیاتی رفتار کو بتاتا ہے۔ بنی نوع انسان کے چار دانگ عالم میں پھیل جانے اور تمدنی خاکے میں عملی رنگ بھرنے مختلف زمانوں کی رنگارنگ ایجادات، تکمیل ضروریات کے لیے انسانی اختراعات مختلف قبیلوں اور مختلف قوموں کے باہمی تعلقات کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس درخت کے مضبوط تنے پر شاخوں اور ٹہنیوں کے نمودار ہونے اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اس عظیم درخت کے بیج کے بکھر کر ہر طرف پھیل جانے میں کافی وقت لگا ہے۔

قوموں کی پرانی کہاوتوں، لوک گیتوں، قصوں، کہانیوں، قدیمی اشعار اور پچھلے دور کی پارینہ نظموں کے ذریعے فن تاریخ کو ابتدائی خام مواد ہاتھ لگتا ہے یہی وہ آثار منقولہ ہیں جو نسلاً بعد نسلاً اور بطناً بعد بطن روایت ہوتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

عام طور پر قصوں کہانیوں میں مبالغہ آرائی کا عنصر اصل واقعہ کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے اور زیب داستان کے طور پر بہت سی فرضی مگر دلچسپ دلآویز باتوں کو رنگ آمیزی کے طور پر اس قصہ کا ایک جزء بنا دیا جاتا ہے۔ سچ پوچھو تو اس مبالغہ آرائی میں عوام کی دلچسپی کا

سامان چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ناقد و مورخ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان رطب و یابس جھوٹی سچی باتوں کے درمیان میں سے اصلیت کا پتہ لگائے اور اصل واقعہ کو جس جھوٹے موتیوں سے سجایا گیا ہے ان میں سے غیر صحیح اجزا کو چھانٹ کر واقعہ کی اصل سلک زریں (مالا) کو نگاہوں کے سامنے لے آئے اس لیے صاحب تحقیق مورخ کو ہر روایت کو تحقیق کی چھلنی میں چھان کر اور عقل و درایت کی ترازو میں تولنا ہوتا ہے جھوٹے سچے موتیوں سے بنے ہوئے ہار میں اصلی موتیوں کا پہچاننا جوہری کا کام ہے کسی بھی فن میں مستقل محنت اور مسلسل ریاضت انسان کے اندر ایسی سوجھ بوجھ اور ایک ایسی پرکھ پیدا کر دیتی ہے کہ وہ ایک نظر میں کھرے کھوٹے کو پہچان لیتا ہے۔

قوموں کی عمومی تاریخ کا یہی مواد خام ہے جس کو ارباب تاریخ نے ترتیب دے کر قوموں کی تاریخ تیار کی ہے۔ تاریخ انسانیت کا دوسرا مواد وہ سنگین و پختہ تاریخی نقوش ہیں جو پچھلے زمانے کے لوگوں نے پتھروں پر کندہ کیے اور پچھلے واقعات اپنی رسم الخطوں میں یا تصویر کے پردوں پر نمایاں کیا ہے ان کتبات یا بیجکوں کا سلسلہ ہر طرف پھیلا ہوا ہے اپنی بیجکوں کے ساتھ ساتھ تصویروں کا بھی ایک جال ہے جو تمام براعظموں ایشیا و افریقہ یورپ و امریکہ کے نمایاں گپھاؤں تہ خانوں تک پھیلا ہوا ہے جن کو زمین کے اندر سے کھدائیوں کے ذریعہ برآمد کیا گیا۔

بابلیات، اشوریات، مصریات، پر اس صدی میں مغرب کے مستشرقین نے زبردست کام کیا ہے۔ تاریخ کے یہ ایسے ٹھوس مسالے (آثار قدیمہ) ہیں جن سے اس فن کا شاندار اور زرنگار محل تیار ہوا ہے باقی وہ تحریری ذخیرے (آثار مضبوط) جو بنی نوع انسان کی بابت ہم تک پہنچے ہیں وہ ڈھائی تین ہزار برس سے آگے تک ہم کو نہیں لے جاتے تاریخ کے روشن زمانے کا آغاز حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک ہزار برس پہلے تک کا ہے، اس کے لحاظ سے ہیروڈوٹس یونانی تاریخ کا باوا آدم ہے جس نے اپنے زمانے کے چشم دید واقعات اور پچھلی سنی سنائی حکایات کو پہلی بار تاریخ کے مرقع میں جمع کیا تھا۔

راجہ بھوج اور تاریخی نقطۂ نظر

تاریخ انسانیت کے ہر سہ آثار کی روشنی میں جب ہم راجہ بھوج کے اسلام پر

غور کرتے ہیں تو ہم کو ہر قسم کا تاریخی مواد دستیاب ہوتا ہے۔ جتنی روایات مشہور و معروف خواص و عوام ہیں ان سب کا نقطۂ مشترک راجہ کا شق القمر کے معجزہ کا مشاہدہ کرنا اور اس کی تحقیق و تفتیش کے بعد ایمان لانا اور یہاں کے عوام کے دلوں کی سرزمین میں قبولیت حق کی استعداد کا نہ ہونا۔ راجہ بھوج مذکور کا تخت سے اتار دینا یا اس کا شہید کر دینا ہے خواہ بھوجپور ضلع آرہ کے راجہ بھوج کا افسانہ ہو یا دھار صوبہ مالوہ کے راجہ بھوج کا واقعہ۔ ہر جگہ اس عظیم الشان معجزہ کے مشاہدہ کے نتیجے میں ایمان و شہادت کی داستان کے ٹکڑے یکساں نظر آتے ہیں بقول شاعر ؎

کچھ بلبلوں کو حفظ ہیں کچھ قمریوں کو یاد
گلشن میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

اب ان آثار منقولہ یعنی عوامی حکایات جو درجۂ شہرت تک پہنچ کر جو ہم تک نقل ہو کر درجۂ شہرت تک پہنچ چکی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان عوامی داستانوں کی پشت پر آثار [illegible] کی سنگین شہادتیں بھی ہیں یا نہیں۔

جہاں تک بھوجپور (آرہ) کے راجہ بھوج کے واقعۂ اسلام کا تعلق ہے اُس کے شاہی محلات اور رصدگاہ (جنتر منتر) اس معجزہ کے مشاہدہ کے امکان کو ظاہر کرتا ہے اور وہاں کے دیہات کے لوگوں کی عمومی روایت اس امکان کو تقویت بخشتی ہے خصوصاً جب اس امر پر بھی غور کیا جائے کہ دریائے گنگا کے جس کنارے پر قاضی پور اور بلیا واقع ہے۔ جس کے متصل بھوجپور ہے یہاں وشوامتر مشہور ہندو رشی کی کٹیا تھی اور اس مشرقی حصے پر کچھ آثار باقیہ سے بڑی ہندو حکومت کا پتہ چلتا ہے پھر اس نواح میں بڑی تعداد راجپوت مسلمانوں کی پھیلی ہوئی ہے وہ بڑے راجہ کے مسلمان ہونے کے واقعہ کی نشاندہی کرتے ہیں مگر اس حکایت کا یہ جملہ معنی خیز ہے۔ کہ راجہ بھوج تخت سے اتار دیے جانے کے بعد گجرات چلا گیا اور اُس کا مزار دھاروار میں ہے سوال یہ ہے کہ راجہ کا معزولی کے بعد گجرات جانا کس مصلحت سے ہوا جب کہ پورا ملک اس مذہب سے بیگانہ تھا اور اسلامی تعلیمات وحدانیت ہندومت کے عقیدوں سے ٹکراتی تھی۔

(۲) پھر دھاروار جس کا مطلب یقینی طور پر دھار نگری ہے وہ مالوہ میں واقع ہے

(۳) مزید یہ کہ اُس وقت ملک ایسی افراتفری کا شکار تھا کہ کسی ایسے راجہ کا پتہ نہیں چلتا جس نے گجرات و مالوہ پر بساط اقتدار بچھا کر دونوں صوبوں کو زیر نگیں کر لیا ہو تاہم وفد گجرات میں پایا ہیں اور ایسی آزاد خیالی کا ثبوت ملتا ہے جو راجہ کے مسلمان ہونے کے بعد اس کو پناہ دینے کا کفیل ہو۔

(۴) یہ امر بھی قابل غور ہے کہ راجہ بھوج مذکور نے عرب میں جس کو تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا اس کا انتقال یہاں آکر ہوا اور اس کی قبر بھی وہیں ہے جہاں خود راجہ بھوج مذکور کی قبر ہے۔ یہاں پہنچ کر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ راجہ کی قبر کہاں ہے جیسا کہ اس روایت میں گزرا کہ وہ دھاروار گجرات میں ہے ہم اس امر پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ صوبہ گجرات میں دھار کوئی جگہ نہیں ہے دھار صوبۂ مالوہ کا مشہور مقام ہے جو مشہور عالم راجہ بھوج کا مدت مدید تک دار السلطنت پچھلے دور میں رہا دھار مالوہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی ولی الہند کی تشریف آوری سے سوا سو سال پہلے مرکز اسلام بن چکا تھا اور جہاں آج بھی اس راجہ بھوج کی قبر ہے جو شاہ ابدال حضرت عبداللہ چنگال کے دست حق پرست پر مسلمان ہو۔ شاہ عبداللہ چنگال کے مزار سے متصل راجہ بھوج کی قبر اور اس کی رانی لیلاوتی معروف بیوی صاحبہ اور اس کے وزیر اعظم بدھی ساگر کی بھی ہے اس خطیرہ میں ان چالیس شہدائے اسلام کی قبروں کا چبوترہ بھی ہے جنھوں نے اپنے خون شہادت سے اس [illegible] پر شجرۂ اسلام کا پودا لگایا اور سینچا اور گہوارۂ اسلام بنانے کی داغ بیل ڈالی۔

یہی وہ سرزمین ہے جہاں سلطان الاولیا محبوب الٰہی نظام الدین کے ایک چھوڑ دو خلیفہ حضرت [illegible] الدین چشتی عرف مٹھا پیر اور حضرت مولانا کمال الدین چشتی حسب حکم مرشد تشریف فرما ہوئے۔ مالوہ کے قدیمی تاریخی شہر اُجین میں حضرت سلطان جی کے ایک خلیفہ شاہ [illegible] الدین چشتی شپرا ندی کے کنارے آرام فرما ہیں اور مالوہ کے پرانے زبردست اسلامی شہر چندیری میں بھی ایک خلیفہ شاہ یوسف وجیہ الدین آسودۂ خواب ہیں مگر دھار میں حضرت اقدس کا دو خلیفہ بھیجنا دھار کے مرکز اسلام ہونے کو ثابت کرتا ہے پھر سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ان ہر دو بزرگوں کی اقامت فرمائی کے بعد بزرگان دین کی آمد کا ایسا تانتا بندھ گیا کہ آج تک یہ شہر پیران دھار کے نام سے مشہور چلا آیا ہے بہر حال راجہ بھوج سکنہ بھوجپور ضلع آرہ کی حکایت شق القمر کے معجزہ جنتر منتر سے

دیکھنے اور بعد تحقیق حال اسلام قبول کرنے کے صرف امکان کو ظاہر کرتی ہے لیکن ایسی تاریخی شہادات جو مالوہ کے راجہ کے بارے میں فراہم ہے وہ بھوجپور کے راجہ کے لیے نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ بھوج دھار بانی بھوجپال کے اسلام کا واقعہ ملک کے کونہ کونہ میں شہرت کے پروں پر سوار ہو کر ایسا پھیلا اور اس عظیم خارق العادت معجزہ اور غیر معمولی واقعہ اسلام نے حق طلب وحق پسند انسانوں کے دلوں میں ایسا گھر کیا کہ جس راجہ کا بھی لقب بھوج ہونا معلوم ہوا عوام وخواص نے اس واقعہ کو اسی کے ساتھ چسپاں کر دیا۔

راجہ بھوج بانیِ بھوپال

راجہ بھوج جو مالوہ کے مشہور حکمراں خاندان بھوج سے گزرا ہے اور جس کے مشہور بندھ کا حال بھوپال کے علاقۂ تال سے آج بھی معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس بندھ کی جگہ پر آج بھی بھوجپور نامی گاؤں مع مندر کے موجود ہے اور خود شہر بھوپال جو اصل میں بھوجپال تھا (بھوج نام راجہ پال بندھ) زبان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ وہ راجہ کس قدر عظیم الہمت خدا ترس اور نیک نفس تھا اور یہ کہ اس بندھ کے باندھنے کی وجہ کیا تھی؟ اور اس عظیم راجہ کے دولت اسلام قبول کرنے کی اصل وجہ کیا تھی؟

ان تمام امور پر مفصل روشنی ڈالنے کے لیے خوش قسمتی سے ہم کو ایک قلمی بیاض میاں فوجدار محمد خاں کے کتب خانہ کی میاں یٰسین محمد خاں کے گھرانے ہاتھ لگی جو اس مشہور زبانی روایت اور تحریری حکایت کی پوری پوری تائید کرتی ہے جو صدیوں سے اہل ہند میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔

میاں فوجدار محمد خاں رؤسائے بھوپال میں ایک عالم وفاضل شخصیت گزری ہے میاں صاحب ہی کے کتب خانے سے دیوان غالب کا مکمل نسخہ دستیاب ہو کر عالمی شہرت کا حامل بن گیا ہے ہم اس عبارت کو جوں کے توں الفاظ میں نقل کرتے ہیں لیکن پرانی اردو کو کہیں سہل زبان کا پیرایہ دے دیا ہے چونکہ اس تحریر کا تعلق ریاست بھوپال کے قیام کے بعد سے ہے اس لیے کاتب تحریر نے بانی ریاست بھوپال اور ان کے والد ماجد وغیرہ کا ذکر تمہید میں کیا ہے اور پھر اصل واقعہ کو بیان کیا ہے۔

معجزہ شق القمر اور ہندوستان

تاریخ بزرگان بھوپال جلد اول

راجہ
بھوج بانی
اول شہر بھوپال کے
ابتدائی درخشاں عہد کے
بعد جب یہ شہر تاریکی وگمنامی کے
اندھیرے میں ڈوب گیا تو اس کی نشاۃ الثانیہ
۱۷۲۲ء میں سردار دوست محمد خاں بانی ریاست
بھوپال کے ہاتھوں اس وقت عمل میں آئی جب کہ سلطنت
مغلیہ کا آفتاب روبہ زوال تھا۔

اس طوائف الملوکی کے دور میں سردار صاحب نے اس چھوٹی سی ریاست کی بنیاد
ڈالی اس افراتفری کے عالم میں ان لٹے پٹے قافلوں کو مالوہ کے اس گوشہ میں لا بسایا جو حوادث
وانقلابات زمانہ کے شکار تھے۔ پھر ان کے جانشین نوابوں اور رئیسوں نے بیرونی اہل علم
وفضل وارباب ادب کو دعوت قیام دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں شہر بھوپال عالموں
فاضلوں ادیبوں اور شاعروں کا گہوارہ بن گیا بے شمار علمائے کرام و مشائخ عظام
نے اپنے علوم و کمالات سے اس خطہ کو جگمگا دیا لیکن ان ارباب
کمال کی سوانح واحوال اور ان کی علمی و روحانی خدمات پردۂ گمنامی
میں تھیں۔ اس کتاب میں ان سیکڑوں باکمال بزرگوں کی
روداد لکھی گئی ہے۔ اسی جلد میں راجہ بھوج اول
وغیرہ کے اسلام لانے کو تحقیقی و تاریخی
شواہد کی روشنی میں ثابت
کیا گیا ہے

اثر خامہ
سید عابد وجدی الحسینی
صدر قاضی بھوپال

بیان ریاست بھوپال

نور محمد خاں دوست محمد خاں ملک تیرہ سے آئے گونڈوانے پر قبضہ کیا اور دوست محمد خاں سردار دوست محمد خاں کے لقب سے مشہور ہوئے ان کے انتقال کے بعد یار محمد خاں ان کے جانشین اور نواب بنے اور نوابی کا خطاب مع ماہی مراتب اور مع سند کے نظام علی خاں والی حیدرآباد سے پایا ان کی وفات پر نواب فیض بہادر جانشین ہوئے اور اپنے ماں جائے بھائی میاں یٰسین محمد خاں کو کامدار بنایا جنھوں نے ملکی انتظام و رسالی نظام درست کیا اور ریاست کے جملہ قلعوں کی دیکھ بھال کی اور ہر طرح ان کو مضبوط و مستحکم کیا چنانچہ جب وہ قلعہ گنور میں پہنچے تو وہاں ایک مکان مقفل در بستہ معائنہ کیا جس کے باہر سلاخیں لگی ہوئی تھیں اس کا دروازہ توڑ کر اپنے چند رفقا کے ساتھ مشعلیں جلا کر اندر داخل ہوئے تو اندر سے وہ وسیع مکان نکلا ایک صندوق وہاں ملا اور ایک چھوٹا سا پلنگ جس کے پائے مونگے کے تھے اور جواہرات سے مرصع ایک ہار تھا جو زمرد کی چوکی پر تھا چھ لڑیاں یاقوت کی لگی ہوئی اور اس پر مہادیو کی مورتی ڈھائی انگل کی جس کو لنگ کہتے ہیں اور ایک پوتھی یعنی جنم پتر اس کو بھوج گل پتر کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ پلنگ تو نواب فیض بہادر خاں کے نذر دربار ہوا جس کو بعد میں نواب قدسیہ بیگم نے مکہ معظمہ کے یہ نذرانہ کر دیا باقی سامان کی بابت نہ معلوم کہ کیا ہوا نواب فیض بہادر شاہ کے یہاں رہا یا قدسیہ بیگم کے خزانہ میں ہے البتہ کچھ سامان سھو جا خاں ابن اسماعیل خاں اس کے گھوڑے کی خورگیر میں تھا جب وہ جنگ میں مارا گیا تو اوروں کے ہاتھ لگا جنم پتر کو جب پڑھوایا گیا تو وہ راجہ بھوج کی نکلی جس کے اندر درج تھا " بھوج کشدر راجہ بھوج اُجین کا راجہ تمام ہندوستان اس کا تابع فرمان تھا یہ اس کا جنم پتر ہے اس کے اندر حوادث ہندوستان کے تحریر ہوئے تھے۔ راجہ نے دیکھا کہ وہ تخت اُجین پر بیٹھا ہے ایک شب تمام گنبد مندروں کے گر پڑے جو مندر خام تھے وہ آگ سے جل گئے، جو بت تھے وہ از خود ٹوٹ گئے اور سومنات کا بت لوہے کا دو گز زمین میں گڑا تھا اور تین گز باہر وہ اندر سے باہر نکل پڑا اور پیٹ اس کا پھٹ گیا جواہرات اس میں سے نکل پڑے اور مندروں کے گھنٹے اور گھڑیالیں اور سنکھ در و دیوار تمام ٹوٹ پھوٹ گئے اور بتوں کے اوپر پوشش جل جلا کر بھسم ہو گئی اور راجہ بھوج نے خواب میں دیکھا کہ بے شمار

خلقت عربی لباس میں نمازیں پڑھ رہے ان کو دیکھ کر ہیبت چھا گئی اور پلنگ پر سے نیچے گر پڑا اس لیے ہندوستان کے نامی گرامی نجومی جتنے تھے سب کو جمع کر کے اپنے خواب کی تعبیر اور اس حادثہ کے احوال پوچھے چنانچہ ان میں سے دو پنڈت جوتشی اور عالم جو ہندوستان میں مشہور اور شہرۂ آفاق تھے ایک ترائن سروپ اور دوسرے بلھو گیان ان دونوں نے دیگر پنڈتوں کے ساتھ زائچہ کھینچ کر اور برج و ستارے کا حساب دریافت کر کے راجہ بھوج سے کہا یہ حادثہ ایک بزرگ کی پیدائش کا ہے جو پنج وقتہ نماز مہینہ بھر کے روزے حج زکوٰۃ عشر و خمس کو جاری کرے گا اور حرام خوری خون ناحق اور جھوٹ سے روکے گا وہ صاحب شمشیر ہو گا اور اس کا دین مشرق سے مغرب تک پہنچ جائے گا۔

دوسرے یہ کہ راجہ بھوج کی پیدائش کے وقت نجومیوں نے کہا تھا کہ اگر وہ اس ساعت میں ہو گا تو جتنی برائیاں دنیا کی ہیں سب اس میں ہوں گی اور کمبخت و بدنصیب اور نامراد ہو گا اور راج جاتا رہے گا اور اگر دوسری ساعت میں پیدا ہو گا تو تمام ہند کا راجہ صاحب نصیب و با اقبال فتح مند، عقل مند و قابل ہو گا اور جگو راجہ ہو گا اور یہ کہ اس کی پیدائش الٹی ہو گی چنانچہ ماں کا پیٹ چیر کر اس کو اوپر سے نکالا جس کی وجہ سے ماں فوت ہو گئی۔

جب یہ جوان ہوا اور باپ نے اس کو راج دے کر سنیاس لیا (تارک الدنیا ہوا) اب راجہ بھوج نے تمام جوتشی اور پرائے پنڈتوں کو جمع کر کے پوچھا کہ میری ماں میری پیدائش کی وجہ سے مری ہے یہ بڑا پاپ ہوا ہے یہ کس طرح دور ہو گا۔

پنڈتوں نے اس کا کفارہ یہ بتایا کہ سات ندیوں کا پانی جمع کیا جائے جس کے اندر ننانوے سوتے ہوں اور اس کا بند باندھا جائے تاکہ وہ پانی انسان و حیوان پی سکیں اور اشنان کریں نہائیں تو آپ کا پاپ دور ہو گا چنانچہ راجہ بھوج نے سب جگہ تلاش کیا ایسی جگہ نہیں ملی اس کے بعد گونڈوانہ میں ایسا مقام ملا اس جگہ سیسہ کا پل (پختہ بند) باندھا اور ایک مندر مہادیو کا بنایا اور اس کے قائل قلعۂ گنور میں رہتے ہیں۔ ایک روز شب آدینہ (جمعرات) لوگ پوجا پاٹ کر رہے تھے اور بت مندر سے باہر رکھے جوتشی پنڈت گانا بجانا کر رہے تھے کہ چاند پارا پارا ہو کر زمین پر گرا اور پھر سے سالم ہو کر آسمان پر اپنی جگہ جا پہنچا۔ سب ماجرا تمام ملک گونڈوانہ اور ہندوستان میں دیکھا گیا۔

راجہ نے تمام پنڈتوں اور جوتشیوں کو جمع کر کے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ حادثہ جو

پہلے گزر! اتھا ہم نے بتایا تھا کہ آخری اوتار نے جنم لیا ہے اب یہ معجزہ اس نے دکھایا ہے اور وہ ملک عرب میں ہے (چنانچہ راجہ بھوج نے تحقیق امر کے لیے) چار وکیل (نمائندے) تیار کیے۔ دو ٹھاکر ایک بدھ سنگھ سورج بنسی دوسرے اوتم سنگھ چندر بنسی اور دو پنڈت برہمن وتشمی ایک کا نام سمرت نرائن دوسرا بلب نرائن ان چاروں کو ہندستانی تحفے دے کر عرب کو روانہ کیا اور ایک عرضی اطاعت کی لکھ کر ان کے سپرد کی اور ان سے کہا کہ

"ہر اوتار انسان وحیوان، چرندو پرند کی زبان جانتا ہے سو وہ تم سے سنسکرت میں بولے گا اور ایک شربتی کمخواب کی دی اور کمر بند جس کے سروں پر موتی کے جھبے لگائے تھے یہ شربتی (پاجامہ) ایجاد راجہ بھوج کی ہے اور (مزید یہ کہا) کہ شربتی تو تم نذر دینا اور کمر بند جب آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) طلب فرمائیں جب دینا۔

یہ چاروں وکیل دریائی راستے سے مکہ پہنچے اور حضور (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہندوستان کے رواج کے موافق ڈنڈوت بجالائے حضور (علیہ السلام) نے ان سے کلام سنسکرت زبان میں فرمایا۔ کیم کسیل یعنی تمہارا مزاج اچھا ہے اور اس کے آباؤ اجداد کے حال بیان فرمائے اور راجہ کا صدق اعتقاد اور جو اس نے وکیلوں سے گفتگو کی تھی سب حضور نے بیان کر دی اور ہر سوال کے جوابات دیے جب انھوں نے شربتی (پاجامہ) پیش کیا تو از خود کمر بند طلب فرمایا اور وہ چاروں طرف (شخص) مشرف بہ اسلام ہوئے پھر حضور نے چند تحفے عرب کے مع دو گھوڑوں کے روانہ کیا اور فرمایا تم لوگ چلا جاؤ اور دیر مت کرو راجہ کی عمر آخری ہے قریب مرگ ہے لیکن تم اس کو زندہ دیکھو گے بعد تمہارے پہنچنے کے تیرہ دن زندہ رہے گا وہ وکیل جب ہندوستان پہنچے اور سرحد ملک مالوہ میں داخل ہوئے راجہ کی بیماری کی خبر ملی جلد از جلد راجہ کے یہاں پہنچے۔ وہ راجہ بھوج پور میں تھا۔ راجہ سے وکیلوں نے ملاقات کی اور جو تحفے حضور نے پہنچائے تھے راجہ کو دے اور گھوڑی دی راجہ بہت خوش ہوا اور قسم کھائی کہ یہ گھوڑی جو حضور کی عنایت ہے اس پر ہرگز نہ چڑھوں گا نہ کسی کو چڑھنے دوں گا اور ہر روز فجر کے وقت اس کا منہ دیکھوں گا دو گھوڑے اچھے یعنی کاٹھیاواڑی اور دکھنی ان کے اوپر ڈال کر اولاد ان کی لوں گا اور بعد صحت مرض حضور کی خدمت میں جا کر اطاعت میں حاضر ہوں گا اور اسباب سفر کی تیاری کا حکم دیا۔ پیش خیمہ جدا ایستادہ کیا یہ حال تمام لوگ اور قوم راجپوتان اور برہمنان اور لواحقان اور برادران اور اولاد راجہ دیکھ پیچ وتاب کھانے لگے اور سب

نے یہ مشہور کیا کہ راجہ مشرف بہ اسلام ہوا اور ہم سب کو مسلمان ہونا ہوگا اور وہ تمام بت خانے مسمار کرے گا۔ اور برہمنوں نے محسوس کیا کہ ہمارے ڈانڈے ہندوستان سے گئے۔ چنانچہ راجہ کو اس بیماری میں زہر دے کر شہید کر دیا اور اس کی تمام رانیاں ستی ہو کر جل گئیں اور اس کا بیٹا تخت نشین ہوا اور چاروں وکیلوں کو بھی شہید کیا۔

"یہ حال کتاب جنم پتری راجہ بھوج میں تحریر تھا فقط ایں تحریر میاں یٰسین محمد خاں و میاں نیاز محمد خاں عرف کولے میاں، میاں گل محمد میاں گوہر محمد خاں فرزند خاں دختر میاں اکبر محمد خاں و فتح محمد خاں و دختر وحسن بی بی دختر مکن بی بی تحریر یافت لاکن دو دمان زوجہ یٰسین محمد خاں وقت موجود بود۔"

راجہ بھوج اور معجزہ شق القمر کے مشاہدہ کے سلسلہ میں یہ متعدد شہادتیں جو مختلف کتابوں سے نقل کر کے یہاں اکٹھی کر دی گئی ہیں ان سب کے بین السطور کے اختلافات کے باوجود جو نقطۂ مشترک حاصل ہوتا ہے وہ ہمارے اس دعوی کو واقعیت کی شکل دینے کے لیے کافی ووافی ہے۔

"تاریخ اور سیر بلکہ اصول حدیث میں یہ امر طے شدہ ہے کہ ایک کمزور قصہ یا ضعیف روایت جب مختلف طریقوں سے منقول ہوتی چلی آرہی ہو اور وہ روات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہوں تو پھر یہ ضعیف و کمزور روایت بھی قوی بن جاتی ہے۔ جزوی وضمنی اختلاف کے باوجود جو مشترک نقطہ حاصل ہوتا ہے اصل واقعہ کی تصدیق کے لیے کافی ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب دور کا یہ واقعہ ہے وہ ہمارے ملک کی ماقبل تاریخ سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ان تاریخی مسلسل شہادتوں کی موجودگی کی بنا پر ہمیں باور کرنا چاہیے کہ یہ واقعۂ عظیم جو مکۂ معظمہ کی وادی میں پیش آیا اس کا مشاہدہ ہمارے ملک میں کیا گیا اور ایک صاحب عرفان نیک نفس صداقت پسند راجا اس کو دیکھ کر روحانی انقلاب سے ہمکنار ہوا اور اس واقعہ نے اپنی عظمت وصداقت کی بنا پر ملک میں شہرت حاصل کی گو امتداد زمانہ سے وہ نقوش مدھم پڑ گئے۔"

بھوج پتری پر ضروری تبصرہ

راجہ بھوج کی یہ پوتھی اور جنم پتری جو اصل میں زبان سنسکرت میں تھی اور جس کا علامہ فیضی نے

سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا اور پرانے کتب خانوں میں جس کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے ہم نے اس کو صاف سلیس انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے پرانے الفاظ کو باقی رکھتے ہوئے نقل کر دیا ہے اس بھوج پتری کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے سے بہت سے اہم واقعات پر روشنی پڑتی ہے (۱) سب سے پہلے تو یہ کہ اس جنم پتری اور بھوج پوتھی کا تعلق راجہ بھوج اول سے ہے جو حضور علیہ السلام کا ہم عصر تھا اور اس نے بھی کدن کلور کے راجہ سامری کی طرح اپنی آنکھوں سے معجزہ شق القمر کا مشاہدہ کیا تھا۔

(۲) اس پوتھی سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر راجہ بھوج نے دنیا کے عظیم عالمی روحانی انقلاب کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ولادت سے رونما ہونے والا تھا ایک سچے خواب کی شکل میں دیکھا جس طرح قیصر روم اور خسرو ایران وغیرہ کے خوابوں کا تذکرہ تاریخ و سیر کی روایات میں ملتا ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہو رہا تھا کہ اس روحانی انقلاب کی لہریں ملک عرب سے اٹھ کر دنیا کی ان دو عظیم شہنشاہیتوں سے ٹکرائیں گی اور ان کو بہا لے جائیں گی۔ راجہ مذکور کا یہ خواب اس بات کی بھی نشاندہی کر رہا ہے کہ عرب کی اس عالمگیر بارش سے سرزمین ہند بھی محروم نہیں رہے گی رہا یہ کہ ان خوابوں کا اس روحانی انقلاب کے واقعہ سے کیا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ فطرت کا عمومی قانون ہے کہ کوئی عظیم حادثہ کوئی زبردست واقعہ دفعتہً برپا نہیں ہوتا اس کے وجود یا ظہور سے پہلے فطرت کے کچھ تمہیدی اشارے پردۂ کائنات پر نمودار ہونے لگتے ہیں جو اس کے منظر کائنات پر جلوہ گر ہونے کی راہ کو ہموار کرتے ہیں۔

ہمارے ارضی کرہ پر جو عظیم انقلاب لیل و نہار کی صورت میں برپا ہوتا ہے اس کے اندر طلوع آفتاب سے زیادہ اہم کوئی واقعہ نہیں کہ اس کے نکلتے ہی تاریک دنیا ضیا بار اور سوئی ہوئی کائنات بیدار ہو کر آہستہ آہستہ سرگرم عمل ہو جاتی ہے لیکن کیا سورج غرفۂ مشرق سے ایکدم جھانکنے لگتا ہے سورج کے نکلنے سے صبح صادق اس کی نقیب بن کر آمد آمد کا اعلان کرتی ہے یہاں تک کہ افق مشرق سے حسین و دلآویز رفتار کے ساتھ روشنی کی پھلجڑیاں چھوٹنے لگتی ہیں۔ آخر میں مشرق کا بادشاہ نیر اعظم اپنی سنہری روایتی رتھ پر سوار ہو کر چہرہ پرداز ہوتا ہے۔

دوسری مثال ہمارے ملک کی حسین و رنگین موسم برشگال کی ہے برسات کی آمد سے پہلے مانسونی ہوائیں تبدیلی فصل کا اشتہار دیتی ہوئی چلنے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کی رحمت کے

جھونکے اپنے آنچل میں بادلوں کو لیے ہوئے فیضان کی بارش سے ساری زمین کو جل تھل کر دیتے ہیں جس طرح مادی کائنات کا موسمی تغیر یعنی آمد کا اعلان تمہیدی اشاروں سے کرتا ہے اسی طرح روحانی عالم میں جب کوئی بڑا انقلاب پیدا ہونے والا ہوتا ہے تو غیر معمولی خوارق عادت عجیب و غریب حادثات کون و مکاں کے پردے پر ظاہر ہونے لگتے ہیں شریعت کی زبان میں ان کو ارہاصات کہتے ہیں چنانچہ ہندوستان کے اس پاک باطن روشن ضمیر راجہ کے قلب پر اس کا انعکاس خواب کی صورت میں ہوا۔

(۳) دوسرے نمبر پر خود راجہ بھوج کی جنم پتری میں اس کا زائچہ بتایا گیا ہے جو اصل نسخہ میں جیوتش کے حساب پر مبنی ہوگا اس کے اندر راجہ کی پیدائش پر سعد و نحس ہونے کا ذکر ستاروں سے کیا گیا ہوگا۔

اس سلسلہ میں جس اہم تاریخی واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے اس کی اصل حقیقت سے عام تاریخیں خاموش ہیں۔

شہر بھوپال ملک مالوہ بلکہ پورے ہندوستان میں قدیم زمانے سے ایک خصوصیت میں شہرۂ آفاق رہا ہے کہ وہ تالابوں کا شہر ہے جھیلوں کا شہر ہے پہاڑیوں پر آباد اس شہر میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تالابوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے پھر جہاں بند باندھا گیا ہے وہاں دو تالاب آج بھی موجود ہیں بڑا تالاب چھوٹا تالاب جس طرح راجہ بھوج کی عظمت و بزرگی ہندوستان بھر میں "کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی" کی ضرب المثل سے شہرت دوام حاصل کر چکی ہے اسی طرح بھوپال کا شہر "تال ہے تو بھوپال سب ہیں تلیاں" کی مشہور کہاوت سے ظاہر ہوتا ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ بھوپال "تال" کیوں معرض وجود میں آیا راجہ بھوج نے جو بند (پال) باندھا جس کی وجہ سے یہ شہر بھوجپال اور اب کثرت استعمال سے بھوپال بن گیا یہ کیوں؟

اس سلسلہ میں مالوہ گزیٹیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا پہلے ذکر کر دینا ضروری ہے تاکہ دونوں وجوہ کا تقابلی مطالعہ کر کے اصل حقیقت تک پہنچنے میں دشواری نہ ہو اور جو واقعیت زیادہ قرین قیاس ہو اس کو مسلم حقیقت کی طرح مان لیا جائے۔ بھوپال تال کے بارے میں جو کچھ اس گزٹ میں درج ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اب سے تقریباً ایک ہزار چھ سو سال پہلے ہندوستان میں ایک راجہ کی حکومت تھی جس کا نام راجہ بھوج تھا۔ راجہ کی غرض

وقت چالیس سال کی ہوئی تو وہ انتہائی موذی مرض (کوڑھ) میں مبتلا ہوگیا جس کا علاج اس وقت تک مشکل ہے اس وقت تو قطعاً ناممکن تھا راجہ نے اپنی حکومت کے بہترین ویدوں طبیبوں کو جمع کیا اور اس مرض کے علاج کے بارے میں گفتگو کی ہر ایک نے اپنی معذوری ظاہر کی ۔ اور راجہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارا علم یہ بتاتا ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہے عام لوگوں کا علاج تو ممکن ہی نہیں ہے لیکن آپ جیسے صاحب اقتدار مہاراجہ کا علاج ہوسکتا ہے جس کے لیے ایک خطیر رقم اور کافی محنت و مشقت درکار ہوگی ایک ایسا تال بنانا پڑے گا جس کے اندر تین سو ساٹھ ندی نالوں کا پانی روکا جائے ان ندی نالوں کے پانی کے اس تالاب میں بھر جانے کے بعد مہاراجہ کو اس میں غسل کرنا ہوگا چونکہ راجہ اس موذی مرض کی اہمیت اور خطرناکی سے واقف تھا اس لیے اس نے ان معالجین کی تجویز سے اتفاق کیا مہاراجہ نے تمام ہندوستان میں ایسی جگہ کے انتخاب کے سروے جانچ کے لیے لوگوں کو مقرر کیا جہاں یہ بندھ باندھا جاسکے اور جس جگہ تین سو ساٹھ ندی نالوں کا پانی روکا جائے الغرض بھوپال سے سترہ میل کے فاصلے پر تیرہ گمر پر یہ جگہ تجویز ہوئی جب بندھ باندھتے وقت ندی نالوں کو شمار کیا گیا تو اس کے اندر چار نالوں کی کمی پائی گئی یہ ایک اہم مسئلہ تھا جس کو کالیا نامی ایک گونڈ نے حل کردیا اور چار ایسے نالے بتائے جس کا رخ تبدیل کرکے بندھ سے پہلے ان نالوں کو بیتوا ندی میں ملایا اس لیے ان بتائے ہوئے نالوں کا نام کلیا سوت رکھ دیا گیا وہ بند آج تک موجود ہے جس کی تعمیر سے کلیا سوت کا رخ تبدیل کیا گیا تھا چنانچہ بند کی تعمیر ہوئی اور اسی تالاب کی وجہ سے شہر کا نام بھوپال ہوگیا ۔ جس کی تفصیل یوں ہے کہ راجہ بھوج نے بند بنوایا بند کو ہندی میں پال کہتے ہیں اس لیے وہ بھوجپال کہلایا بعد میں بھوجپال سے بگڑ کر بھوپال ہوگیا ۔

(بھوپال گزیٹیر)

اب اس کے مقابلے میں بھوج پتری کے سابقہ تفصیل کو دیکھا جائے تو اس مشہور بند تالاب کے بنائے جانے اور بند باندھنے کی جو تحقیقی وجہ بیان کی گئی ہے اس سے تاریخی کتابیں خاموش ہیں جبکہ بھوج پتری اس حقیقت کی اطلاع دیتی ہے کہ راجہ بھوج کی پیدائش عام بچوں کے برخلاف سر کی طرف سے ہونے کے بجائے پاؤں کی طرف سے ہوئی (جس کو ہم پائیلا کہتے ہیں) جس کی بنا پر اس کی مادر مہربان اپنے لخت جگر کو نہ دیکھ سکی بلکہ اس بچہ پر قربان ہوگئی راجہ بھوج جب تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس کو اپنی بدبختی پر سخت صدمہ اور اپنے غیر اختیاری پاپ (گناہ) پر بہت زیادہ حسرت ہوئی چونکہ راجہ رحم دلی اور ہمدردی کا پیکر تھا اس لیے اس

نے ملک کے پنڈتوں کو جمع کرکے اس گناہ کے کفارہ کی صورت کو دریافت کیا مہا پنڈتوں نے اپنے گیان دھیان سے اور اپنی پرانوں کو پڑھ کر یہ کفارہ تجویز کیا کہ راجہ سات ندیوں کا پانی جمع کرے جس کے اندر ننانوے سوتے ہوں اور اس کا بند باندھا جائے جس سے چرند اور پرند ہمیشہ سیراب ہوتے رہیں ۔

چنانچہ مہاراجہ نے اپنے رقبۂ حکومت میں ایسی جگہ کو تلاش کرنے کے لیے لوگوں کو بھیجا خوش قسمتی سے اس مقام پر جہاں اب بھوپال آباد ہے موزوں جگہ پسند آئی اور سب کے پسند خاطر ہوئی راجہ بھوج نے ان دو پہاڑیوں کے درمیان میں (جو آج شملہ پہاڑی اور عیدگاہ پہاڑی کے نام سے موسوم ہیں) بڑا پشتہ بنایا اور اس پشتہ پر قلعہ کی تعمیر کرائی جو آج بھی پرانا قلعہ کہلاتا ہے کیونکہ جب سردار دوست محمد خاں بانیٔ ریاست بھوپال نے ایک نئے قلعہ کی داغ بیل ڈالی اور وہ قلعۂ فتح گڑھ کے نام سے موسوم ہوا تو راجہ بھوج کا بنایا ہوا قلعہ پرانا قلعہ کے نام سے مشہور ہوگیا اگرچہ اب بھوپال مدھیہ پردیش کی راجدھانی بن جانے کی وجہ سے دونوں قلعے برابر ہوگئے اور ان کے نشانات بھی مٹ گئے ۔

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

لیکن آج بھی یہ مقامات (محلے) ان ہی ناموں سے مشہور ہیں بھوپال کا یہ مشہور عالم تالاب اپنے وسیع و عریض رقبہ پر پھیلے ہونے کی بنا پر ایک قدرتی جھیل کی طرح نظر آتا ہے لیکن چونکہ راجہ بھوج کے ہاتھوں تیار ہوا ہے اس لیے بھوپال تال کے نام سے مشہور ہے گویا یہ جھیل بھی ہے اور تال بھی ۔

برسات کے موسم میں جب کہ تالاب اپنی معاون ندیوں نالوں کی وجہ سے بڑھ پر آتا ہے تو اس کا حسین و جمیل منظر سمندر کی طرح خوش نما دکھائی دیتا ہے ۔ اس کے دکنی پہاڑی کی پشت پر آج بھی بان گنگا کے نام سے پہاڑی ندی ہے جہاں باون سوتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باون گنگا کہلائی بہرحال اس جگہ کا انتخاب کرنا راجہ کی نگاہ کی صحت انتخاب کو ظاہر کرتا ہے لیکن بھوپال تال کے بنا دینے کے بعد بھی راجہ بھوج کی دلی خلش دور نہ ہوسکی اور اپنی ماں کے فوت ہوجانے کا اس کی ولادت کی وجہ سے احساس گناہ کا بوجھ ہلکا نہ ہوسکا چنانچہ راجہ بھوج نے شہر بھوپال سے سولہ میل تقریباً جانب مشرق جنوبی سمت میں ایک پر فضا مقام پسند کرکے بہت بڑا پختہ سنگین بندھ باندھ نو ندیوں اور ننانوے نالوں کو روکا جس سے میلوں

میدانی علاقہ بہت بڑا تالاب بن گیا یہ وہ جگہ ہے جہاں مشہور عالم وندھیاچل کی پہاڑیاں آکر ملتی ہیں یہی جگہ بھوجپور ہے آج بھی اسی نام سے مشہور ہے جہاں آج بھی اس کے آثار و نشانات قائم ہیں یہ عظیم الشان تال ملک یمن کے سدِ مارب کی طرح ملک مالوہ کا ایک تاریخی بند تھا، جو بھیم کھنڈ کے نام سے موسوم ہوا اسی بھوجپور بندھ کے قریب پہاڑ پر ایک مندر بھی بنوایا تھا جو فنِ سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ ہے اور ہر سال مکر سنکرات پر اس کا میلہ بھرتا ہے بھوپال کا یہ قدیم تاریخی تال ایک طویل عرصہ تک قائم رہا پھر بادشاہ مالوہ حسام الدین ہوشنگ شاہ غوری نے اس بندھ کو منہدم کرادیا جس کی وجہ سے میلوں زیرِ آب یہ میدانی علاقہ قابل کاشت زمین میں تبدیل ہوگیا، چنانچہ اس علاقہ میں تین سو ساٹھ گاؤں آباد ہوگئے کہا جاتا ہے کہ اس بندھ کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے مالوہ کی آب و ہوا بدل گئی چنانچہ یہ پرگنہ آج بھی علاقہ تال کہلاتا ہے جو کافی زرخیز اور چاول کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ (جغرافیہ بھوپال)

رؤسائے بھوپال کی بے تعصبی اور رواداری کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ انھوں نے بھوجپور کے مندر کے لیے موضع بھوجپور کو بطور جاگیر وقف کر دیا تھا جو ۱۹۵۰ء ریاست کے انضمام تک باقی رہا آج تک بھوجپور کا سنگین مندر اور بندھ کے شکستہ آثار راجہ بھوج کی یادگار کے طور پر آج تک قائم ہیں لیکن سڑک سے دور ہونے کی وجہ سے سیاحوں کا گزرگاہ نہیں بن سکا جس کی وجہ سے اس کو سانچی کی طرح ہندوستان گیر شہرت نہ حاصل ہو سکی بہرحال بھوپال راجہ بھوج کا آباد کردہ شہر ہے جو بھوجپال سے مخفف ہو کر بھوپال بنا اور مسلم فرماں رواؤں کا دارالحکومت ڈھائی سو سال تک رہا اب مدھیہ پردیش کی راجدھانی ہے۔

اب یہاں پہنچ کر ناظرین کی ضیافتِ طبع اور تبدیلِ ذائقہ کے لیے بھوپال تال پر جو نظم راقم الحروف نے کہی ہے اس کا نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جس سے اندازہ ہوگا کہ بھوپال تال کے اس پرسکون سطح پر سے انقلابِ زمانہ اور حوادثِ روزگار کی کتنی لہریں گزریں اور کتنے انسانی قافلے اس کے کنارے آکر اترے اور اپنے تہذیبی آثار اور تمدنی نقش و نگار صفحۂ گیتی پر ثبت کیے اور پھر رختِ سفر باندھ کر یہ سارے قافلے منزلِ اصلی کی طرف روانہ ہوگئے۔

نظم

بھوپال تال

(۱)

اے کہ تو آئینۂ حسنِ خدائے ذوالجلال
اے کہ تو سرچشمۂ عینِ کرم، بحرِ نوال
سرزمینِ مالوہ کی آبجوئے بے مثال
تیری پیشانی منور، تیرا چہرہ خوش جمال
اے حسین بھوپال تال

(۲)

تیرا پانی ہے مصفا جیسے موجِ رودِ نیل
یا زمیں سے پھوٹ کر نکلی ہے نہرِ سلسبیل
خوش سواد و خوش مقام و خوشنما خوش رنگ جمیل
کس قدر ہے صاف ستھرا، تیرا یہ آبِ زلال
اے حسین بھوپال تال

(۳)

تو ہے پانی کا سمندر یا کہ نیلا آسمان
تیرا منظر دن کی تابانی میں ہے جلوہ فشاں
چاندنی رات میں تو ہے مثالِ کہکشاں
رات [illegible] میں ہے درخشاں تیرا حسنِ لازوال
اے حسین بھوپال تال

(۴)

رودِ کوثر کا جہاں میں چشمۂ شیریں ہے تو
سطحِ گیتی پر چمکتی چادرِ سیمیں ہے تو
ان پہاڑوں کے حسیں نظاروں سے رنگیں ہے تو
موجۂ فیضان سے تیرے باغ و صحرا ہیں نہال
اے حسین بھوپال تال

(۵)

ابتدائے آفرینش میں حسیں وادی تھا تو
کوہ وندھیاچل کے صحراؤں کی شہزادی تھا تو
دامنِ کہسار میں محروم آبادی تھا تو
ایک عرصہ تک رہا تو مسکنِ گرگ و شغال

اے حسین بھوپال تال

(۶)

نوعِ انساں کے اُتر آئے یہاں پھر قافلے
ہر طرف پھیلے یہاں آبادیوں کے سلسلے
طے ہوئے سعی و عمل سے ارتقا کے مرحلے
صفحۂ گیتی پر اُبھرا دستِ انساں کا کمال

اے حسین بھوپال تال

(۷)

صبحِ طفلی کی شعاعیں تھیں جبیں سے آشکار
چہرۂ انسانیت ، معصومیت سے تابدار
ہر طرف چھائی ہوئی تھی عہدِ طفلی کی بہار
جامِ جم سے دل رُبا تھا دہر میں جامِ سفال

اے حسیں بھوپال تال

(۸)

رشکِ نظارہ بنی تھی زندگی کی سادگی
تھی فضا میں نغمہ افگن عشقِ حق کی چاندنی
جلوہ گر تھی باغِ عالم میں بہارِ دلکشی
ہر طرف تھا نور افشاں ماہِ فطرت کا جمال

اے حسین بھوپال تال

(۹)

پھر بڑھے موجوں کی طرح حملہ آور کارواں
پھر ہوئے جنگ و جدل سے خون کی دریا رواں
خون کے آنسو رُلا دیتی ہے جن کی داستاں
کوندتی تھی جب افق پر برقِ شمشیرِ جلال

اے حسین بھوپال تال

(۱۰)

تختِ عظمت پر ہوا پھر جلوہ فرما راجہ بھوج
موجزن تھا دل میں شوقِ معرفت کا جس کے کھوج
پھوٹ نکلا نورِ ایمانی کا چشمہ موج موج
ہو گیا مستِ مئے عرفاں وہ مردِ خوش خصال

اے حسین بھوپال تال

(۱۱)

ہو گیا سرشارِ ایماں سے وہ مردِ خوش سیر
دیکھ کر آنکھوں سے اپنی معجزہ شق القمر
ہو گیا نورِ حقیقت جان و دل میں جلوہ گر
عشقِ حق سے اس نے ٹھکرایا تھا جان و ملک و مال

اے حسین بھوپال تال

(۱۲)

اس جواں راجہ کے ایما سے بنا تالاب پھر
ہو گیا شرمندۂ تعبیر اس کا خواب پھر
سطحِ وادی سے ہے اُبھرا منظرِ شاداب پھر
پھر چمک اٹھا جہاں میں تیرا حسنِ بے مثال

اے حسین بھوپال تال

(۱۳)

پھر کنارِ آب انسانوں کی آبادی ہوئی
شوقِ عرفاں کی نواؤں سے یہ بستی جاگ اٹھی
جلوۂ علم و ہنر کی شمع روشن ہو گئی
جگمگایا قعرِ دل میں طلعتِ حسنِ خیال

اے حسین بھوپال تال

(۱۴)

بجھ گئی تھوڑے ہی عرصہ میں یہ علمی روشنی
ہر طرف ویرانیٔ شامِ جہالت چھا گئی
زندگی کی شورشوں پر چھا گئی اک خامشی
آ گیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے دورِ زوال

اے حسین بھوپال تال

(۱۵)
ایک عرصہ تک رہا تو جنگلوں کا پاسباں
جانورِ صحرا کے تجھ میں رہتے تھے خوش شادماں
مٹ گیا لوگوں کے ذہنوں سے ترا نام و نشاں
تو رہا اس دور میں آشفتہ دل آشفتہ حال
اے حسین بھوپال تال

(۱۶)
تیری وادی میں ہوا ، افغانیوں کا پھر ورود
آمد فصل بہاری بن گیا ان کا وجود
مرتسم ہر اک جگہ ان کے ہوئے نقش سجود
چھٹ گئی بادِ صبا کی موج سے گرد ملال
اے حسین بھوپال تال

(۱۷)
اس دلاور قوم کا پھر تو نشیمن بن گیا
مالوہ کی سرزمین میں طورِ ایمن بن گیا
اہل دل کے قافلوں کا پھر تو مسکن بن گیا
اور بدل کر رہ گیا تیرا مزاج حال و قال
اے حسین بھوپال تال

(۱۸)
ان رئیسوں نے کمال زیب و زینت تجھکو دی
مجد و عظمت تجھکو دی ہر طرح عزت تجھکو دی
چار دانگ عالم میں اک پائندہ شہرت تجھکو دی !
قعرِ پستی سے تو پہنچا بر سرِ اوجِ کمال
اے حسین بھوپال تال

(۱۹)
اہل علم و فضل کا یہ خطہ گہوارہ بنا
جلوہ ہائے نو بہ نو سے خلد نظارہ بنا
ہر ستارہ آسماں کا سبو سیارہ بنا
یہ نقشے بنتے ہیں بزمِ جہاں میں خال خال
اے حسین بھوپال تال

(۲۰)
بیگماتی دور، تو نیرِ افق سے جاگ اٹھا
امن و خوشحال کا سورج ہو گیا جلوہ فزا
مٹ گیا رامی، رعایا کا پرانا فاصلہ
بدر بن کر چمکا اس چھوٹی ریاست کا ہلال
اے حسین بھوپال تال

(۲۱)
ملک کے مطلع پر پھر خونیں گھٹا چھانے لگی
صورِ آزادی کی کانوں میں صدا آنے لگی
حریت کی موج تازہ دل میں لہرانے لگی
اسد جہاد حریت پر گزرے چند ماہ و سال
اے حسین بھوپال تال

(۲۲)
پھر جہادِ حریت کا کارواں بڑھتا رہا
جوشِ طغیانی سے بحر بیکراں بڑھتا رہا
بن کے طوفاں پھر ہر ایک پیر و جواں بڑھتا رہا
ہر سپاہی بن گیا بیگانۂ فکر مآل
اے حسین بھوپال تال

(۲۳)
مہر آزادی ہوا پھر ہند میں جلوہ نما
شورشِ طوفاں سے لیکن بھر گئی پوری فضا
ایک نئے سانچے میں ڈھل کر نکل پھر کچھ وسا
شور و شر کی دھوپ سے پیدا ہوا ایک اشتعال
اے حسین بھوپال تال

(۲۴)
صبح آزادی نے پھیلایا اُجالا ہند میں
کھل اُٹھا خونِ شفق سے سرخ لالہ ہند میں
ہو گیا نظمِ حکومت پست و بالا ہند میں
چل رہی تھی گلستانِ ہند میں بادِ شمال
اے حسین بھوپال تال

(۲۵)

رفتہ رفتہ جوش طوفانی فزوں ہوتا رہا
خون کے دھبوں کو ابر آسمان دھوتا رہا
کشت زار دل میں تخم دوستی بوتا رہا
ختم گیا آہستہ آہستہ جہالت کا ابال
اے حسین بھوپال تال

(۲۶)

اس نئے ماحول میں پھر تو نے ایک انگڑائی لی
ایک نئی موج سیاست ملک کے دل سے اٹھی
ایک نئی عزت کی خلعت تجھ کو پھر قدرت نے دی
اوڑھلی اپنے بدن پر تو نے ایک رنگین شال
اے حسین بھوپال تال

(۲۷)

شہر تیرا ایم پی کی راجدھانی بن گیا
پچھلا ہر اک واقعہ قصہ کہانی بن گیا
تو جہاں میں اوج رفعت کی نشانی بن گیا
رشک کے قابل ہوا ہے تیرے مستقبل کا حال
اے حسین بھوپال تال

(۳) اس جنم پتری میں معجزہ شق القمر کے واقعہ کو جس تفصیل کے بیان کیا گیا ہے اس کے اندر نہ صرف راجہ بھوج کا اس معجزہ کا دیکھنا ثابت ہوتا ہے بلکہ پجاریوں کی ایک بڑی تعداد کا بھی اس کے ساتھ شریک مشاہدہ ہونا معلوم ہوتا ہے مزید یہ کہ یہ معجزہ نہ صرف گونڈوانہ میں دیکھا گیا بلکہ پورے ہندوستان میں اس کے مشاہدہ کو صاف لفظوں میں ظاہر کیا گیا ہے اس بنا پر اگر ملبار کے راجہ سامری نے شق القمر کے معجزہ کو دیکھا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

(۴) راجہ بھوج نے اس معجزہ کی تحقیق حال کے لیے جن لوگوں کو اپنے یہاں سے روانہ کیا ان کا ذکر بھی نام بنام ہے ان میں دو ٹھاکر سورج چندر بنسی ذات کے تھے اور دو پنڈت جیوتشی تھے۔ ایسے دور دراز سفر کے لیے ہندوستان سے کسی ایک آدمی کا بھیجنا جیسا پہلی روایتوں میں ہے قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا اور پھر ان کا نام ونشان اور ذات وگوت

کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن اس جنم پتری کی ایسی صاف اور سلیس وضاحت اس معاملہ میں اسی واقعہ کی اصلیت اور صداقت کا پتہ دیتی ہے۔

(۵) پھر جو تحفہ شرعی (پاجامہ) بھیجا گیا اس کی تائید ہندوستان کی اس عوامی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جو زبانی صدیوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔ کہ ہندوستان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو تحائف بھیجے گئے ان میں پاجامہ (جس کا لقب شرعی دیا گیا) اور مالوی پان بطور نذر حضور اقدس میں پیش ہوئے حضور پرنور نے پاجامہ کو بہت پسند کیا اور تاکیداً ارشاد فرمایا پاجامہ پردہ پوش ہونے کے باعث استعمال کیا جائے۔

(انوار آفتاب صداقت ص۳۸۵)

(۶) اس بھوج پوتھی میں راجہ کے چار نمائندوں کا عرب پہنچ کر مشرف با سلام ہونا اور عرب سے واپس ہوکر راجہ بھوج کو دعوت اسلام پیش کرنا اور مہاراجہ کا دعوت اسلام کو قبول کرنا بھی بتایا گیا ہے نیز یہ کہ مہاراجہ کا حضور کی خدمت میں حاضری کا قصد کرنا اور رخت سفر باندھنا بھی ظاہر کیا ہے۔

چونکہ ابھی تک حق کی قبولیت کی عمومی صلاحیت اس سرزمین میں پیدا نہ ہو سکی تھی اس لیے ساری قوم راجہ کے مخالف بن گئی اور راجہ اور اس کے نمائندوں کو شہید کر دیا گیا ظاہر ہے کہ بھوج خاندان کی تاریخ کا یہ ایسا پہلو ہے کہ اس کا مخفی رکھنا ہی مناسب تھا جیسے تاریخ کے اوراق میں اس کی تلاش بے سود ہے مگر بھوج کلنڈر نے اس پردہ کو اٹھا دیا

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

بھوشیہ پران اور راجہ بھوج

راجہ بھوج کے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے ہم ہندو مذہب کی کتاب کی ایک اہم شہادت پیش کرکے اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ وہ ایک زبردست شہادت بھی ہے اور غیر معمولی پیش گوئی بھی تاکہ جو لوگ مذہبی نوشتوں پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اطمینان خاطر اور دلجمعی کا سامان پیدا ہو۔ ویاس جی جو اہل ہنود کے مسلّم رشی ہیں جنھوں نے

مذہبی مضامین کو علاحدہ علاحدہ ترتیب دیا ہے اور تصوف پر بھی ایک بڑی کتاب لکھی ہے مہابھارت اور گیتا بھی انہی کی مرتب کتب ہیں اُن کی بڑی تصنیف اٹھارہ جلدوں میں پُران کہلاتی ہیں اُنہی کی ایک کتاب بھوشیا پران ہے ہندو دھرم کے عقیدہ کے مطابق اسے برہما جی ہی کا کلام سمجھا جاتا ہے اسی کتاب بھوشیہ پران پران کے پرتی سرگ پرو کھنڈ تین ادھیا تین اشلوک پانچ سے آٹھ تک میں یہ عبارت ہے۔ ویاس جی لکھتے ہیں۔

"ایک اجنبی ملک اور روحانی زبان کا معلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ آئے گا اس کا نام محامے ہوگا راجہ بھوج نے اس مہادیو فرشتہ سیرت کو جنگل دیپ (عرب) کے رہنے والے کو آب رود گنگا سے پنچ گوّیہ سے غسل کرا کے یعنی تمام گناہوں سے پاک ٹھہرا کر دلی ارادت سے نذر و نیاز پیش کر کے اُس کی تعظیم کی اور کہا کہ میں تیرے حضور جھکتا ہوں' اے فخر نسل انسانی عرب کے رہنے والے شیطان کے مارنے کے لیے بہت طاقت مہیا کرنے والے دشمن ملیچھوں سے محافظت کیے گئے ہو اے پاک ہستی مطلق اور کامل کے مظہر میں تیرا غلام ہوں مجھ کو اپنے قدموں میں آیا ہوا جانیے۔"

اسی بھوشیہ پران کے اشلوک دس سے اکیس تک میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ مہرشی ویاس نے حضور علیہ السلام کی نعت خوانی کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

وہ عرب کے مشہور ملک ملیچھوں نے خراب کر دیا ہے اس ملک عرب میں آریہ دھرم نہیں ہے یہاں پہلے بھی ایک گمراہ شیطان ہوا تھا جس کو میں نے بھسم کر دیا تھا وہ طاقتور دشمن کا بھیجا ہوا پھر آ گیا ہے ان دشمنوں کی اصلاح و فلاح کے لیے جس نے مجھ سے برہما کا لقب حاصل کیا ہے۔ وہ معروف و مشہور محامد پشاچوں کی بگڑی بنانے میں مشغول ہے۔

۱۲ اے راجہ تجھے بیوقوف پشاچوں کے ملک میں نہیں جانا چاہیے میری مہربانی سے تیرا تزکیہ یہیں ہو جائے گا۔

۱۴۔ رات کے وقت فرشتہ سیرت مدبر کا ہوشیار پشاچ کا بھیس اختیار کر کے یقیناً راجہ بھوج سے وہ بولا

۲۳ اے راجہ تیرا آریہ دھرم تمام مذاہب پر فائق کیا گیا ہے مگر ایشور پرما کے حکم سے میں گوشت خوروں کے مضبوط مذہب کو جاری کروں گا میرا پیرو ختنہ کیا ہوا بغیر چوٹی کے داڑھی والا اور انقلاب پیدا کرنے والا اذان دینے والا سب حلال اشیا کھانے والا ہوگا۔

۲۵ سور کے سوا اور سب مویشی کھانے والا ہوگا مقدس گھاس سے پاکیزگی حاصل کرنے کے بجائے جنگ ہوگا۔ (فارقلیط ص۹۵ تا ص۹۷)

(۱) اس پیشنگوئی میں حضور کا نام محامے یا محامد بتایا ہے جو یقیناً محمد ہے جو سنسکرت زبان میں اگر بدل گیا ہے۔

(۲) آنحضرت کو ملک عرب کا باشندہ بتایا ہے مرو ستھل کے اصلی معنی ریگستان کے ہیں

(۳) آپ کے اصحاب کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا اثر سے زر کامل عیار بن گئے ؎

مس خام کو جس نے کندن بنایا

(۴) ہندوستان کا راجہ (بھوج) کو وہاں عرب جانے میں خطرہ ہوگا اور وہ راجہ ان سے دلی عقیدت رکھے گا اور یہیں اس کا تزکیہ ہو جائے گا۔ اور حضور علیہ السلام اور ان کے دین کی جو جو خصوصیات ان اشلوکوں کے اندر بیان کی گئی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔

اس پیشین گوئی میں جس راجہ بھوج کو برہما جی حکم دیتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور قائم مقام حاضر ہونے کا حکم دے رہے ہیں وہ آنحضرت کا ہم عصر ہوگا اگر کہا جائے کہ بھوج راجہ حضور علیہ السلام کے پانچ سو برس بعد پیدا ہو وہ زیادہ مشہور ہوا تو پیشنگوئی کا مصداق یہ راجہ کیوں کر بن سکے گا اس کا جواب یہ ہے کہ ہندوستان کے متعدد راجاؤں کا لقب بھوج دیا ہے اس نام کے معروف راجہ بھوج سے پہلے بھی کئی راجہ ہو چکے ہیں چنانچہ اتھروید جو نہایت قدیم زمانے کی کتاب ہے اس کا تھیکا آٹھ کھنڈ کا بارہ ورسی کا چودہ کھنڈ کا ستر ہواں راجہ بھوج کا ذکر ہے اسی طرح پانی جو مشہور سنسکرت گرامر کا مصنف ہے اور اسلام سے بہت پہلے گزرا ہے اس میں بھی بھوج کے شہر اور اس کی اولاد کا ذکر ہے۔ (ادھیا یادا سوتر ۷، بحوالہ میثاق النبیین ص۲۳)

راقم السطور کے نزدیک بھوج کسی راجہ کا نام نہیں ہے بلکہ ہر علم دوست راجہ کو اس لقب سے یاد کیا گیا اور پھر وہ خاندانی لقب بن گیا جیسے روم کا ہر بادشاہ قیصر اور ایران کا ہر بادشاہ خسرو (کسریٰ) اور مصر کا ہر بادشاہ فرعون اور حبشہ کا ہر بادشاہ نجاشی اور شام (بابل) کے ہر بادشاہ کا لقب (نمرود) چین کے ہر بادشاہ کو فغفور کہتے تھے اور ترک کا ہر بادشاہ خاقان کے نام سے موسوم تھا ایسے ہی مالوہ کے اس خاندان کے ہر راجہ کو راجہ بھوج کے لقب سے

یاد کیا جاتا تھا اس لیے اس پیشینگوئی کا مصداق وہی راجہ بھوج ہو سکتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاصر ہو اور مکہ مدینہ نہ گیا ہو اور اس نے یہیں ہندوستان میں رہ کر اسلام کو قبول کیا ہو ان وجوہ سے ہمارے نزدیک بھوج اول ہی برہما جی کی اس بشارت کا مصداق بنتا ہے واللہ اعلم

ویدوں کی گواہی

اسلام اور ہندوستان کا رشتہ اگرچہ ڈیڑھ ہزار سال پرانا ہو چکا ہے لیکن اہل اسلام نے یہاں کی مذہبی کتابوں (چاروں ویدوں) اور [illegible] کے بارے میں بہت کم معلومات بہم پہنچائی کچھ تو اس بنا پر کہ یہ دھارمک گرنتھ یا مذہبی کتابیں ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں رہیں جنھوں نے اجنبیوں کو ان کی تعلیم دینا جائز نہیں سمجھا دوسرے یہ کہ یہ کتابیں جس زبان میں ہیں وہ نہایت دقیق و عمیق، سخت و دشوار ہے اس لیے اس کا سیکھنا بھی دشوار رہا اس بنا پر وہ مسلمان اہل علم کی دسترس سے بڑی حد تک دور رہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علمائے اسلام نے اس کی طرف اپنی توجہات کو بھی مبذول نہیں کیا یا اس سلسلہ میں سعی و کوشش کرنے میں کوتاہی کو روا رکھا اس تحقیق و تفحص کے سلسلہ میں جن علماء نے خصوصی توجہ فرمائی انھیں حضرت مرزا مظہر جان جاناں دہلوی، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی، اور مولوی عبدالرحمٰن چشتی عالم سنسکرت مولف مرآۃ المخلوقات، مولوی محمد حسن مولف تصدیق الہنود و کشف الاستار مطبوعہ اجمیر شریف، طالب حسین نومسلم فرخ آبادی، مولوی سیف اللہ گورکھپوری، مولوی عبدالعزیز ابن غلام محمد مولف بشارات احمدیہ (مطبوعہ [illegible] دہلی ۱۳۰۲ھ) کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مولف کشف الاستار مولوی محمد حسن نے صورتاً ہندو بن کر بنارس و اجودھیا میں ایک زمانے تک تحصیل علوم ویدک اور بڑے بڑے پاک نفس برہمنوں اور خدا رسیدہ سادھوؤں کی صحبت حاصل کی انھوں نے دیکھا اکثر جنگلوں پہاڑوں میں تارک الدنیا جوگی کسی بڑی ہستی اور کسی تعریف کی ہوئی ذات کی یاد میں بھجن گاتے اور انہی کی جے مناتے ہیں چنانچہ جب انھوں نے اتھر کھنڈ کا پاٹھ کیا تو انھیں یہ مضمون ملا۔

وہ وہ مخلوق سے بنیں رہے گا اور شجاعت و عرفان والا ہوگا اور اس کا نام مہامت

ہوگا (مہادیوجی) ان مہامت کی وضع کو دیکھ کر لوگ حیران رہیں گے نئی طرح ان کا احوال دیکھیں گے اور جو پوجا ان کی قوم کے لوگ کریں گے وہ نہ کریں گے اور اپنی قوم سے کہیں گے کہ مجھ کو اس قادر ایک ذات کا جس کا شریک نہیں ہے یہ حکم ہے کہ اس طرح کی بے معنی پوجا نہ کروں اور میں سوائے ایشور کی ذات پاک کے اور کسی طرف رجوع نہیں کرتا ہوں تم میری تابعداری کرو اس وجہ سے ساری قوم ان سے جدا ہو جائے گی (مہادیوجی)

پھر مولوی محمد حسن صاحب کشف الاستار میں لکھتے ہیں کہ اتھروید میں اللہ کا لفظ پایا جاتا ہے اور حضور محمد عربی کا نام نامی بھی احمد محمد جس کا اشارہ مہامت میں موجود ہے بلکہ کھنڈ میں یوں آیا ہے "ستری توام سر سوداتی و کالی کماتی احمد نارو پاتی"۔ بجروید میں یوں دیکھا گیا ہے "الانک نج الوجان محمد الانک کرمان جان تیجان تن مانی جان جان کا ہی جیو سان کمان"

(شہادۃ الاقوام ص ۱۳۸)

کیا کلکی اوتار آگیا؟

مولوی محمد حسن نے بڑی تلاش اور دور دراز پیادہ سفر کر کے اور ہندو فقیروں اور سادھوؤں کی صحبت و خدمت میں ایک مرتاض کی حیثیت سے معلوم کیا کہ ہندوؤں کے رشیوں نے اپنے ملفوظات میں دس اوتاروں کے آنے کا عقیدہ ظاہر کیا ہے ان میں بودھ اوتار اور کلکی اوتار کا بھی ذکر ہے چنانچہ ہماری نظروں سے گوتم بودھ کی بھی پیشینگوئیاں گزری ہیں جن سے رسالت محمد عربی کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہندوؤں کے مقدس رشیوں منیوں کا عقیدہ تھا کہ جب دنیا میں گناہوں اور ظلم و زیادتی اور بندوں کی حق تلفی کرنے کی وجہ سے تاریکی پھیل جائے گی اور روحانیت کی روشنیوں کے گل ہونے سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے گا تو ایک بڑا رہنما اور زبردست ہادی پیدا ہوگا جو تمام مفاسد کو مٹا دے گا اور جس کی بعثت و رحمت و مہربانی اور مساوات انسانی کی بشارت دے گی۔ کلکی پران میں جس اوتار کا ذکر ہے اس کے باپ کا نام وشنو دیس ہوگا (وشنو۔ خدا، دیس۔ بندہ یعنی عبداللہ) ماں کا نام سومتی ہوگا سومتی اس کو کہتے ہیں جس پر لوگ بھروسہ کریں اور امن و امان والی ہو یہی معنی آمنہ کے ہیں کلکی پران کا مصنف بتاتا ہے کہ وہ غار میں تپسیا کرے گا۔ یہ چوتھی علامت وہ پرش رام (روح الامین) سے تعلیمی زبان حاصل کرے گا

پانچویں نشانی وہ اپنے وطن سے ہجرت کرے گا۔ چھٹی علامت وہ تمام پاک اور نیک لوگوں کی تعریف و تصدیق کرے گا ساتویں علامت تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول سورج نکلنے کے دو گھڑی بعد کی ہے اس جگہ تصدیق الہنود کے مصنف نے ریاضی اور نجوم کے حساب سے ثابت کیا ہے کہ عرب و ہند میں اتنا ہی فرق ہے جب عرب میں صبح صادق نمودار ہوتی ہے اس وقت ہندوستان میں دو گھڑی دن چڑھ جاتا ہے اس بحث کو زائچہ و ریاضیات سے مصنف نے ثابت کیا ہے۔ (شہادۃ الاقوام صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۷)

شاہ عبداللہ چنگال اور راجہ بھوج

راجہ بھوج اول کا عہد ہندوستان میں تاریخی اعتبار سے تیرہ و تاریک عہد تھا اس لیے کہ مسلمانوں کے قدم اُس وقت تک اندرون ملک نہ پہنچ سکے تھے اور یہاں تاریخ نگاری کا کوئی مذاق تھا اس لیے تمام مورخین کے لیے یہ واقعہ موضوع قلم نہ بن سکا۔ لیکن بھوج ثانی کا دور اسلام کا ترقیاتی دور اور روشن زمانہ ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلامی دعوت و تبلیغ کے قافلے ایشیا و افریقہ کے اندرونی علاقوں میں بے محابا خداوندی پیغام لے کر پہنچ رہے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں دعوتِ اسلامی کا آغاز پہلی صدی ہجری سے ہو چکا تھا۔ لیکن عمومی مقبولیت اور اس ملک کے مشرق و مغرب تک دائرۂ اشاعت کی وسعت ولی الہند خواجہ بزرگ حضرت شاہ معین الدین چشتیؒ کے ذریعہ عمل میں آئی اس لیے اسلام کی عمومی اشاعت کا سہرا حضرت خواجہ بزرگ کے سر ہے لیکن اس تاریخی حقیقت سے بہت کم لوگ آشنا ہیں کہ حضرت خواجہ خواجگان کی تشریف آوری سنہ ۵۳۲ھ سے سوا سو سال پہلے سنہ ۴۲۱ھ میں ایک مردِ حق نے مالوہ کی سرزمین شہر دھار میں وارد ہو کر مخالفانہ ماحول اور معاندانہ فضا میں اسلامی دعوت کے پرچم کو لہرایا اور اپنے انفاسِ قدسیہ سے اس مردہ زمین میں روحانی زندگی پیدا کی بلکہ یہاں کے اقتدار و حکومت کا تاج و اورنگ اس مردِ حقانی کے قدموں میں سرنگوں ہوا یہ سرگروہ اولیاء، شاہ ابدال حضرت عبداللہ چنگال کی ذات گرامی تھی جن کے ہاتھ پر راجہ بھوج ثانی مسلمان ہوا راجہ بھوج مذکور نے اپنا نام بھی اپنے مرشد کامل کے نام عبداللہ رکھا اور اسی نام سے شہرت پذیر ہوا۔

راجہ بھوج کا تاریخی عہد

راجہ بھوج عرف عبداللہ مذکور کا عہد حکومت کیا تھا؟ اس سلسلہ میں بعض مورخین کے نزدیک من ابتداء سنہ ۱۰۱۰ء لغایت سنہ ۱۰۶۳ ہے کیونکہ راجہ بھوج کے بعد راجہ اودیادت ہوا ہے جو کل مالوہ کا راجہ نہ ہو کر چھوٹے اودے پور تک کے علاقوں کا حکمراں رہا اُس کے سنہ ۱۱۱۶ بکرمی کا تعمیر شدہ ایک مندر اس کی شہادت دے رہا ہے (تاریخ مالوہ صفحہ ۲۷۹ تا صفحہ ۲۸۱ جلد ۱) مگر اکثر مورخین نے غیر محققانہ طور پر ان کو مہاراجہ دھیراج قرار دے کر دھارا نگری میں ان کا پایۂ تخت ہونا ثابت کیا ہے۔ (تاریخ مالوہ صفحہ ۲۰۶ ج ۱)

سرتاج ابدال حضرت شاہ عبداللہ چنگال سنہ ۱۱۳۲ بکرمی میں مطابق سنہ ۴۲۱ھ قدیم دھارا نگر تشریف لائے اور راجہ بھوج مع ارکان سلطنت اور اعزہ و اقرباء حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ راجہ بھوج عرف عبداللہ کی یاد ان کی علم دوستی و حق پسندی کے باعث ہندوؤں کے دل سے بھی محو نہیں ہوئی ہے ان کی تعریف آج بھی تمام ہندوستان میں ہر جگہ ہوتی ہے طرفہ تماشا یہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان خود ہندو بھی ان کے ثناخواں اور راجہ بھوج کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں یہ راجہ بھوج عرف عبداللہ صرف نام کے مسلمان نہیں ہوئے بلکہ شریعت و طریقت، معرفت و حقیقت کی تمام منزلیں طے کر کے مراتب ولایت پر فائز ہو کر ولی کامل ہوئے جن کا مزار شاہ ابدال عبداللہ شاہ چنگال کے پہلو میں ہے۔ دروازے پر بیالیس اشعار کا کتبہ نصب ہے۔ بادی النظر میں تو یہ صرف ایک کتبہ ہی ہے لیکن درحقیقت شہیدان خدا کے خون ناحق کی زبردست داستان اور عاشقان الٰہی کی قربانیوں کی مفصل سرگذشت بھی ہے۔ یہ کتبہ پانچ سو سال قبل کی کھلی شہادت جو سنگین حرفوں میں کندہ ہے اس کا کاتب کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ سلطان ناصر الدین محمود شاہ مالوی ہے اور اس مقبرہ کو سلطان علاؤالدین خلجی نے بنوایا تھا اور سلطان محمود خلجی نے پھر اس کی از سر نو مرمت کی۔ (راجپوتانہ کا اتہاس کھنڈ اک صفحہ ۲۰۳)

اسی علاؤالدین خلجی نے (جس کا دور حکومت سنہ ۶۹۵ھ تا سنہ ۷۱۵ھ مطابق سنہ ۱۲۹۶ء تا سنہ ۱۳۱۶ء ہے) اپنے سپہ سالار ملک کافور کو باغیوں کی سرکوبی کے لیے دہلی سے مع افواج قاہرہ مالوہ بھیجا راجہ گوکا چالیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادہ فوج کے ساتھ معرکہ آرا ہوا ایک

بڑی خونریز جنگ کے بعد ملک کافور کو فتح ہوئی اس نے مالوہ کا بندوبست کیا اور اُجین، دھار، مانڈو چندیری میں حاکم مقرر کیے ملک کافور اُجین کے بعد ۱۰ جمادی الاولیٰ ۷۰۵ھ مطابق ۱۳۰۵ء میں دھار نگر تشریف لائے۔

(تاریخ فرشتہ ص۱۴۶ ج ۱ تاریخ مالوہ ص۳۳ ج ۱)

اور اس فتح کی خوشی میں سلطان کی طرف سے دو یادگاریں تعمیر ہوئیں۔ جامع مسجد مولانا کمال الدین (۲) حضرت شاہ عبداللہ چنگال کا مقبرہ یہ دونوں یادگاریں آج بھی موجود ہیں اور اس واقعہ کی بزبان حال ٹوٹی پھوٹی گواہی دے رہی ہیں۔ چنانچہ شاہ عبداللہ چنگال کے دروازے پر لگے ہوئے کتبہ کے پچیسویں اور چھبیسویں شعر اس شہنشاہ ہند کی نشاندہی صاف لفظوں میں کر رہے ہیں ؎

شہ فرخ رخ و سلطان آفاق
بذیل درگہش خاقان و فغفور
علاء الدین والدنیا ابوالمظفر
علی اعداء بنصر اللہ منصور

اس قصیدہ تاریخی کے مصنف قادر الکلام شاعر فردوسی زماں حضرت محمود مرحوم ہیں جنھوں نے اشعار مذکورہ میں شہنشاہ علاؤ الدین خلجی اور سلطان ناصر الدین محمود شاہ خلجی مالوہ کی جن اعلیٰ الفاظ میں تعریف و توصیف نظم کرکے اُن کی تعمیری تاریخ کو بیان کیا ہے ان اشعار کے ترتیب سے دونوں عمارات کی تعمیر کی تاریخ بھی آشکارا ہو جاتی ہے اس طرح کہ پہلے شعر کے مصرعۂ ثانی کے آخر میں خاقان (بادشاہ) فغفور سے مراد بادشاہ علاؤ الدین خلجی ہے کی تکرار اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ پہلی مرتبہ ۷۰۴ھ میں جامع مسجد کمال تعمیر ہوئی اور دوسری دفعہ حضرت شاہ عبداللہ چنگال کا مقبرہ تعمیر ہوا جس کو پنڈت گوری شنکر اوجھا اجمیری مصنف راجپوتانہ اتہاس نے بھی تسلیم کیا ہے۔

حضرت مولانا کمال الدین چشتی شاہ چنگال کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد ۷۰۹ھ مطابق ۱۳۰۹ء حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کے حکم سے پیران دھار تشریف لائے جب کہ پورن مل مالوہ کا راجہ تھا جو حضرت موصوف کی صحبت بابرکت سے مشرف باسلام ہوا۔ مولانا کمال الدین چشتی سے پہلے مولانا غیاث الدین چشتی عرف اودھا بحکم حضرت

محبوب الٰہی پیران دھار تشریف لا چکے تھے۔

(تاریخ مالوہ ص۲۰۶ بحث ۲ و اذکار ابرار ص۵۸۱)

پھر شاہ عبداللہ چنگال کا مقبرہ امتداد زمانہ سے شکستہ و خستہ ہو گیا ہو گیا تو سلطان ناصر الدین محمود خلجی نے اس کو از سر نو سنہ ۸۵۹ھ مطابق ۱۴۵۵ء میں تعمیر کر دیا اور اس کے دروازے پر بیالیس اشعار کا تاریخی کتبہ نصب کر دیا جو ہمارے لیے مالوہ میں اسلام کی آمد پر دبیز پڑے ہوئے پردوں کو چاک کرتا اور ان اجڑے دیار میں شاہان اسلام کے بجائے اولیائے کرام کے ذریعہ خدائے واحد کے دین برحق کے وارد ہونے اور جو صلہ شکن اور جانگسل امتحان میں پورے اترنے پر ڈیرے ڈالنے کو واضح کرتا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس قصیدہ تاریخی کو بعینہٖ نقل کرکے اس کا صحیح ترجمہ اور اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ سلیس انداز میں کر دیں کیونکہ اس قصیدہ کے نقوش امتداد زمانہ سے مدھم پڑ چکے ہیں اور ہماری نئی نسل اب قدیم فارسی سے بےگانہ اور ہندوستان کی نئی پود اپنے پرانے ورثے سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔

تاریخی قصیدہ

تعالیٰ ربنا این قبۂ نور بریں قبر از صفا چوں بیت معمور

اللہ اکبر یہ بقعۂ نور گنبد جس کے اندر شفاف مزار بیت معمور کی طرح ہے جو ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے جس کے اردگرد فرشتے ہمیشہ سرگرم طواف رہتے ہیں۔

ویا مشکوٰۃ مصباح زجاج است فراز کوکب نورٌ علیٰ نور

یا یہ گنبد یا اس کا طاق شیشہ یا نور کا چراغ ہے جو ستارے کی طرح بلندی پر نورٌ علیٰ نور بن کر چمک رہا ہے۔

ویا خود وادیٔ قدس کلیم است کہ بر روئے تجلی می کند طور

یا یہ کہ خود بجائے وادی ایمن کے ہے جس پر کوہ طور اپنی تجلی ڈال رہا ہے۔

بجائے این آستانے شاہباز یست کہ در چنگال آمد دیو ما سور

ہاں یہ اس شہباز معرفت کا آستانہ ہے کہ جن کے پنجہ میں آ کر دیو (شیطان) قیدی بن جاتا ہے۔

سر ابدال عبداللہ چنگال   چہ چنگالے کہ شب حشر تو طور

وہ سب گروہ اولیا شاہ عبداللہ چنگال کہ جن کی روحانیت شب حشر کو (صبح کی طرح) وادی طور بنا دیتی ہے۔

سماعش بانگ ترجیع عنادل   شنیدش صوت لحن و نحل و عصفور

بلبلوں کے چہچہے اُن کے لیے نغمہ سماع بنے اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور چڑیوں کی چہکار ان کے لیے نغمۂ گوش ثابت ہوئی۔

شراب شوق اندر جام و ساغر   کباب عشق اندر دیگ و تنور

اُن کے دل کا پیمانہ اور روح کا ساغر شراب شوق سے لبریز اور دل و جان عشق کی آگ سے کباب بنے ہوئے ہیں۔

مراد جلوۂ وحدت خشت مشکیں   ہم از معجون وجدش عنبر و کافور

ان کی مشکیں عمارت (روح) وحدت و یکتائی کے جلوے سے شیریں ہے اور ان کی وجدانی کیفیات کی معجون خوشبودار کافور سے معطر ہے۔

طوافش می کند ہر دم ملائک   درودش می دہد ہر صبح دم حور

اس روضۂ پاک کا طواف ہر دم فرشتے کرتے رہتے ہیں اور ہر صبح کے وقت حوریں درود پڑھتی ہیں۔

ز قدمت او شدہ مرکز مسلماں   ہم اعلام دیں روگشت منشور

آپ ہی کے قدم مبارک سے یہ مقام (دھار) مسلمانوں کا مرکز بنا اور یہیں سے اسلام کے جھنڈے ہر طرف ہرانے لگے۔

شنیدستم کہ پیش از وے تنے چند   رسیدہ اندریں دیرینہ اُور

میں نے سنا ہے کہ عبداللہ شاہ چنگال کی تشریف آوری سے پہلے کچھ مسلمان اُن اجڑے دیار میں آئے تھے۔

مؤذن چوں ندا از حجرہ برخواست   بلے مستانہ صوتے چوں دم صور

مؤذن نے ایسی قیامت خیز آواز سے صبح کی اذان دی جیسے کوئی مست پہلوان صور پھونکے۔

خروش خواستہ ہر سو ز کفار   دویدہ ہر تن با تیغ و ساطور

اذان کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے کافر لوگ شور مچاتے ہوئے تلواریں اور چھرے لے کر ان مسلمانوں پر دوڑ پڑے۔

بجستند آخر ایں مردان گیں را   پس از کشتن بچاہے کردہ مستور

ان کافروں نے ان مردان حق کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مار ڈالا اور پھر مار کر ایک کنویں میں چھپا دیا۔

کنوں آں مشہد گنج شہیداں   نشاں ماندہ ازاں پاکان مبرور

وہ گنج شہیداں اب تک ان پاک باز مردوں کی شہادت گاہ بن کر ان کی نشاندہی کر رہا ہے۔

چوں وقت آمد، خورشید حقیقت   شود طالع دریں یلدائے بے نور

آخر کار وہ وقت آگیا کہ حقیقت کا سورج اس تاریک رات میں سے طلوع ہو کر اصل حقیقت کو روشن کر دے۔

رسید ایں شیر مرد از مرکز دیں   درایں دیر کہن تا جمع جمہور

بتکدۂ ہند (دھار) میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ شیرانہ وار وارد ہوئے اور پہنچے

بزد برہم تماثیل و بتاں را   مصلے ساختہ آں معبد زور

ں بتخانہ کی مورتیوں اور بتوں کے اقتدار کو درہم برہم کر دیا اور اس جھوٹی عبادت گاہ کو خدا کی حقیقی سجدہ گاہ بنایا

چوں رائے بھوج دیدش از فراست   مسلماں گشتہ با اہل ہمہ شور

راجہ بھوج نے اپنے فہم و فراست سے جب شاہ ابدال کے روحانی کمالات کا مشاہدہ کیا تو تمام ارکان سلطنت کے ساتھ مشرف با اسلام ہو گیا۔

بنور شرع روشن گشت ایں قطر   رسوم شرک شد معدوم و مدحور

یہ خطہ (مالوہ دھار) شریعت کی روشنی سے منور ہو گیا اور شرک کے طور طریقے نیست نابود ہو گئے۔

کنوں ایں روضہ از دیرینہ ایام   مطاف عالم بود است و مشہور

چنانچہ قدیم زمانے سے یہ مزار مبارک ایک عالم کی زیارت گاہ بن کر مشہور ہوا

قبور از کہنگیں ہموار گشتہ   نماندہ پشتہ بر ہیچ مقبور

زمانہ دراز گزر جانے کی وجہ سے وہ قبریں برابر ہموار ہو گئیں اور کوئی نشان ان قبروں کا باقی نہیں رہا۔

مقام ہم بود از بہر خلوت   کہ آساید در درویش رنجور

اس مزار کے پاس ایسی جگہ بھی نہیں رہی کہ خلوت گزینی کے لیے کوئی درویش اور پریشان حال انسان آرام و سکون حاصل کر سکے۔

ازیں شاہِ جہاں فرماں چنیں شد   کہ از سر تازہ سازند ایں سرِ طور

اس بنا پر بادشاہ سلامت کا فرمان جاری ہوا کہ اس مزار کو نئی عمارت سے آراستہ کر کے کوہ طور بنا دیا جائے۔

شہ فرخ رخ و سلطانِ آفاق   بہ زیرِ درگہش خاقان و فغفور
علاء الدین و الدنیا مظفر   علی الاعدا بنصر اللہ منصور

وہ بادشاہ مبارک چہرے والا آفاقِ عالم کا شہنشاہ جس کی بارگاہ سلطنت کے ماتحت خاقان چین اور فغفور ماچین ہیں۔ جس کا نام علاء الدین مظفر ہے اور جو اپنے دشمنوں پر نصرت خداوندی سے کامیاب و فتح یاب ہے۔

شہنشاہِ خلجی محمود شہ آں کہ   شد از عدلش جہاں چوں خلد معمور

بادشاہ محمود خلجی جن کی انصاف پسندی سے دنیا جنت کی طرح معمور و آباد ہے۔

ز سر نو کرد ایں کہنہ وطن را   نوی و سر گرفت از دور مہجور

اسی محمود شاہ خلجی نے اس پرانے مقبرے کو نئے سرے سے تعمیر کر کے نئی عمارتیں کھڑی کر دیں۔

سرِ قبرش چوں وسعت بود حاضر   شد ایں قبہ از آں مضبوط و معمور

اس قبر کے پاس جو کھلا میدان تھا اس پر ایک وسیع قبہ بنا کر نہایت وسیع مقبرہ تیار کر دیا۔

قبالے در شمال و حجرۂ چند   پے شغل و نماز و ذکر مذکور

احاطے کے شمالی رخ پر چند گنبد اور کچھ حجرے نماز و ذکر اذکار کے لیے تیار کرا دیئے۔

صفِ لنگر جگر بر سمتِ قبلہ   کہ آساید درو رہ ماندۂ دور

احاطے کے مغربی جانب قبلہ رخ لنگر خانہ بنوا دیا کہ اس میں دور دراز مسافر آ کر آرام پائیں۔

مگر صاحب دلے روزے دریں جائے   قدم آورد بود یک لحظہ مسرور

اس جگہ کوئی اہل دل قدم رنجہ کر کے ٹھہرے گا تو اس کو روحانی مسرت ہو گی۔

نشیند ساعتے با خاطر جمع   دمِ فارغ ز غم با دوست معمور

جو شخص بھی یہاں آ کر ایک گھڑی دل جمعی کے ساتھ بیٹھے گا تو دنیا کے غموں سے فارغ اور محبوب حقیقی کی یاد میں معمور ہو جائے گا۔

خورد جامے ز دستِ ساقیِ غیب   شود زاں ساعتے سرمست و مخمور

ساقی غیب کے ہاتھ سے اس کو ایسا ساغر محبت ملے گا کہ وہ اس کو پی کر سرمست و سرشار ہو جائے گا۔

کند یاد ہم از تشنہ لباں نیز   بریزد جرعہ در کامِ مہجور را

وہ اس روحانی سرشاری میں دوسرے تشنہ کامانِ معرفت کو یاد کرے اور ایک جرعہ ان کی یاد میں انڈیل دے۔

دعا ہم برائے بانیِ خیر   بقا بادہ بجانش تا دمِ صور

اور اس عمارت کے بانی کو دعائے خیر سے یاد رکھے کہ خدا اس کو تا قیامِ قیامت باقی و سلامت رکھے۔

حیات و ملک او باید بقائے   ہمہ خیرات و سعیش گشتہ مشکور

بادشاہ سلامت کو خدا زندہ رکھے۔ اور اس کی حکومت باقی رکھے اور ان کی رفاہِ عام کی کوششیں مقبول ہوں۔

خدایا تا جہاں باشد بپا دار   بنائے خیر شد تا نقرِ ناقور

اے خدا جب تک دنیا موجود ہے تو بادشاہ کو قائم رکھ اور اس کی یہ نیک تعمیر صور پھونکے تک برقرار رہے۔

ہمائے ظلِّ او بر فرقِ عالم   ہما گسترده بال از خالقِ نور

بادشاہ کا سایہ ہمایونی مخلوق کے سر پر قائم رہے اور اس کے سر پر خداوندی سایہ رہے۔

ہے جنھوں نے اس ویران علاقے میں اپنے نفوسِ قدسیہ کو خاک و خون میں ملا کر اس سرزمین کو عاشقانِ خدا کی عجیب و غریب رسمِ شہادت سے آشنا کیا تھا۔ دھار کے بچے بچے کی زبان پر یہ رنگین داستان ہے جو نسلاً بعد نسلٍ نقل ہوتی چلی آرہی ہے کہ شاہ عبداللہ چنگال سے پہلے فدا کارانِ اسلام کا تبلیغی قافلہ جو چالیس افراد پر مشتمل تھا رات کے اندھیرے میں یہاں فروکش ہوا۔ جب عروسِ سحر نے رات کے ماتمی لباس کو پارہ پارہ کیا اور مشرق سے صبحِ صادق کی شعاعوں کے نیزوں نے اندھیروں ۔ کو لہولہان کر ڈالا۔ اُفق سے سحر نے جھانکا اور زنجیرِ شب نے ٹوٹ کر اعلان کیا ؎

اٹھو وہ صبح کا غرفہ کھلا زنجیرِ شب ٹوٹی   وہ دیکھو پو پھٹی غنچہ کھلے زنجیرِ شب ٹوٹی

اس ہنگامۂ محشر خیز میں جب کہ پرندوں کی چہکار نے مسافرانِ راہِ حق کو خوابِ راحت سے جگایا اور نقیبِ اسلام (موذن) نے صدائے اذان سے ایک ہنگامہ برپا کیا۔ سوئی ہوئی وادی جاگ اٹھی اور پہاڑوں کی صدائے بازگشت نے ان نیند کے ماتوں (دھار کے خوابِ غفلت سے مزے لینے والوں) کو چونکا دیا موذن کی اذان نے صورِ اسرافیل کا کام کیا۔ مُردوں میں زندگی کی رَو دوڑنے لگی۔ لیکن حق ناشناس اس صدائے حق کی سننے کی تاب نہ لا سکے فرزندانِ شرک میں ایک جھرجھری پیدا ہوئی اور وہ ننگی تلواریں، تیز چھریاں لے کر اسلام کے ان درویشوں پر ٹوٹ پڑے اور سب کو خونِ شہادت سے گل گوں قبا کیا اور سب نعشوں کو ایک کنوئیں میں ڈال کر چھپا دیا ؎

آوارگانِ شوق کا پوچھا جو میں نشاں   مُشتِ غبار لے کے صبا نے اڑا دیا

لیکن وہ گنجِ شہیداں جس کے اندر وہ تابندہ لعل و گہر مدفون ہوئے وہ کسی کے چھپائے کس طرح چھپے۔ خونِ شہادت کی خوشبو جو مشک سے زیادہ مہکنے والی ہے وہ آج بھی ان پاکبازوں کی نشاندہی کر رہی ہے۔ عبداللہ شاہ چنگال کے مزار کے متصل وہ چالیس قبریں اور ان کا چبوترہ (رزڈ) خدا کی راہ میں جان قربان کرنے والوں کا پتہ دے رہی ہیں ؎

اک خونِ چکاں کفن پہ کروڑوں بناؤ ہیں   پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

زہجرت ہشت صد پنجاہ و نُہ بود   کہ تاریخ بخش مجدد گشت مسطور

یہ تعمیرِ نو ۸۵۹ھ کی ہے کہ جس کی نئی تاریخ اب لکھ دی گئی۔

گدائے درگہہ شاہ و درِ شیخ   منظم اندر کشید ایں دُرِ منثور

بادشاہ کے درگاہ کا اور شیخ کے آستانہ کے ایک فقیر نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ہار بنا کر لایا۔

مگر در زمرۂ دریوزہ خواہاں   شود محمود کے خستہ مذکور

محمود ناظم (شاعر) کی خواہش اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ محمود کا نام بھی آپ کے ارادت مندوں کی لڑی میں منسلک ہو جائے۔

(تاج الاقبال صفحہ ۱۰۴ جلد ۲۔ وجمال [illegible] صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۴)

قصیدۂ مذکورہ کے تاریخی مضمرات واشارات

راجہ بھوج کے حلقۂ اسلام میں شاہ عبداللہ چنگال کے ہاتھوں داخل ہونے کی جو سنگین شہادت اس قصیدۂ رائیہ سے ملتی ہے اس سے چند اہم امور پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) صوبۂ مالوہ کا سب سے قدیمی اسلامی مرکز یہی دھار ہے جو مسلسل بزرگانِ دین کی آمد کی وجہ سے پیرانِ دھار کے نام سے مشہورِ عالم ہو گیا سب سے پہلے یہیں اسلام کا پرچم بلند ہوا۔ خواہ اس اعتبار سے کہ راجہ بھوج اول نے (جو حضور علیہ السلام کا ہم عصر تھا) بچشمِ خود معجزۂ شق القمر دیکھا اور بعد تحقیق مسلمان ہوا اور اپنی قوم کے ہاتھوں حق پرستی کے جرم میں شہیدِ حق ہوا یا اس لحاظ سے کہ راجہ بھوج ثانی سرگروہِ ابدالاں شاہ عبداللہ چنگال کی صداقت و استقامت اور راہِ حق میں جرأت و ہمت شجاعت و عزیمت سے متاثر ہو کر مع ارکانِ سلطنت کے داخلِ اسلام ہوا اور پھر مخالفت کی ہزار ہا آندھیاں اٹھیں اور عداوت و معاندت کی مخالف ہوائیں بارہا چلیں لیکن وہ علم پھر سرنگوں نہ ہو سکا۔

(۲) دوسرے یہ کہ شاہ عبداللہ چنگال کی دعوتِ حق کی کامیابی و سربلندی میں ان چالیس مردانِ غازی اور شہیدانِ حق کی جانبازی و جاں نثاری کا بھی دخل

خدا کی راہ میں بہایا جانے والا خون رائگاں نہیں گیا اور پردۂ گمنامی سے اس کی روشنیاں چھن چھن کر نمودار ہوئیں جس پر قصیدۂ مذکورہ کے اشعار بزبانِ بے زبانی شہادت دے رہے ہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ ان چالیس شہداء کے واقعۂ شہادت کے کچھ عرصہ بعد مرکزِ اسلام یعنی مدینہ منورہ مدنی آقا کے باطنی اشارے پر حضرت خواجہ بزرگ کی تشریف آوری سے سوا سو سال پہلے [illegible] میں شاہ عبداللہ چنگال خدا کے دین کے منادیوں کی جماعت کے ہمراہ سمت میں ایران و خراسان کے صحراؤں کو قطع کرتے ہوئے درۂ خیبر اور درہ بولان کی گھاٹیوں کو طے کر کے قلبِ ہندوستان (دھار) میں قدم رنجہ فرماتے ہیں اور اپنی روحانی طاقت سے راجہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کفر و شرک کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں ایک مردِ خدا کا ساتھیوں سمیت اپنی کشتی کو ڈال کر لنگر انداز ہونا اور ساحل کی اس پُر شور فضا کو نعرۂ توحید سے گونجا دینا ایسا کرشمہ نہ تھا کہ سعادت مند روحوں میں ہلچل نہ پیدا کرتا۔ اور استقامتِ حق کی زبردست کرامت دلوں پر اثر نہ ڈالتی۔ چنانچہ دینِ حق کی ہیبت اور دعوتِ الٰہی کے رعب و دہشت نے اس بت کدہ کو الٹ پلٹ کر ڈالا اور خود ساختہ معبودوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔

(۴) بھوج ثانی نے جب شاہ عبداللہ چنگال کی کرامتوں اور آپ کے ساتھیوں کی سچی عملی زندگیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اس کی عقل کا چراغ روشن ہوگیا۔ فہم و فراست کی نگاہ چمک اٹھی ایمان و عرفان کا سورج نہ صرف راجہ کے دل میں چمک اٹھا بلکہ اس کے درباریوں کے دلوں میں بھی اس کی شعاعیں پھیل گئیں ان شہدائے حق کی یادیں تازہ ہوگئیں جنھوں نے اس سے پہلے اس اجنبی و نامانوس ماحول میں کلمۂ حق کو بلند کر کے اپنی جانوں کو راہِ خدا میں قربان کیا تھا اور حضرت خباب، حضرت عاصم کی سنتوں کو زندہ کر کے سخت جاں گسل حالات میں بھی حق سے منہ نہ موڑا تھا۔ اور اپنے پاک خون سے اس زمین کو لالہ زار بنایا تھا۔ بہرحال شہدائے حق کی یادیں

سب کے لیے چراغِ ہدایت بن گئیں اور کیا عجب ہے کہ خود راجہ بھوج کو اپنے مورثِ اعلیٰ راجہ بھوج اوّل کے ایمان لانے کا واقعہ صفحۂ ذہن پر منعکس ہوا ہو جس نے بچشمِ خود شق القمر کا معجزہ دیکھا تھا اور حق طلبی کی چنگاری نے حقیقتِ حال معلوم کرنے کا شوق دل میں بھڑکایا تھا اور پھر ایمان کی اس کی قیمت بصورتِ شہادت ادا کی۔ بہرحال حقیقتِ امر جو کچھ بھی ہو راجہ بھوج کو اسلام لانے میں زیادہ تامل نہیں کرنا پڑا اور اس کے مقرب درباریوں کو دینِ حق کے دائرہ کے اندر داخل ہونے میں پہلا جیسا پس و پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

(۵) راجہ بھوج کا اپنے درباریوں سمیت حلقہ بگوشِ اسلام ہونا اس دور میں کوئی معمولی واقعہ نہ تھا عرب کے جدید دین کا ہندوستان کی سرزمین میں قبول کرنا جب کہ وہ یہاں کے قدیمی مذاہب کے اصولوں کے مخالف ہو خدا کی یکتائی تمام انسانوں کی بحیثیت انسان کے برابری یہاں کی سماجی زندگی کو تہ و بالا کرنے والا ہو۔ واقعتاً یہ اسلام کا ایسا معجزہ تھا جو شق القمر کے معجزہ سے کسی طرح کم حیرت انگیز نہ تھا بہرحال دینِ حق خدا کی نشانیوں کی معیت میں انسانوں کے دلوں میں اترتا اور منکروں کے قلوب میں گھر کرتا ہے۔

چنانچہ مالوہ کا یہ مبارک خطہ جو بت پرستی اور تمثال پرستی کا اڈہ تھا اب خدا پرستی کا مرکز بننے لگا شرک و کفر کی غلط رسم و روایات سے پاک ہونے لگا اور شریعتِ اسلامی کی روشنی سے یہ علاقہ جگمگا اٹھا۔

حضرت شاہ عبداللہ چنگال کا دھار میں آنا اور راجہ بھوج کا مشرف بہ اسلام ہونا ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ تاریخ مالوہ میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

"حضرت شاہ چنگال رحمۃ اللہ علیہ بعہدِ مہاراجہ بھوج قدیم دھارا نگر آئے اور بھوج قلعہ کے دروازہ پر آکر اترے۔ مہاراجہ مذکور نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کا مکان اپنے قلعہ کے روبرو بنوایا نیز بعد انتقال آپ وہیں دفن کیے گئے۔ چنانچہ درگاہ مسلم بھوج "عبداللہ چنگال مہاراجہ بھوج عرف عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے بھوج قلعہ کا دروازہ ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔

(تاریخ مالوہ صفحہ ۲۰۵ تا ۲۰۶)

لیکن زمانے کی گردش سے نہایت پائیدار و پختہ، مضبوط و مستحکم بھوج قلعہ ۱۳۴۴ء سے بہت پہلے ٹوٹ پھوٹ کر نیست و نابود ہو چکا تھا اور چونکہ اس زمانہ (۱۳۲۶ء) میں کوئی دوسرا قلعہ موجود نہ تھا۔ اگر اس وقت اور کوئی قلعہ دھار میں موجود ہوتا تو لاکھوں روپے غرب اور برباد کر کے سلطان محمد شاہ تغلق اول بادشاہ دہلی کو موجودہ قلعہ دھار کو ہرگز تعمیر نہیں کرانا پڑتا۔

بہر حال عبداللہ شاہ چنگال کا مقبرہ پہلے سلطان علاءالدین خلجی نے بنوایا تھا۔ اور ۸۵۹ھ مطابق ۱۴۵۵ء میں سلطان محمود شاہ خلجی اول بادشاہ مالوہ نے اس کی از سر نو مرمت کی۔

موجودہ شہر دھار کی آبادی کے باہر جنوب و مغرب کونے میں نو سو سال سے مشہور و معروف تاریخی مقام کا مختصر نام "عبداللہ" "چنگال" اور مسلم بھوج عبداللہ چنگال کے نام سے یہ آستانہ پاک شہرت پائے ہوئے ہے۔

(جمال کمال صفحہ ۱۰ تا ۱۱)

حضور دربار کی منظوری سے راج دھار کا اتہاس سنہ ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔ اس کی تفصیل ۸۲ پر درج ہے۔

> "بھوج ثانی اپنا دھرم چھوڑ کر مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے اپنا نام عبداللہ رکھ لیا تھا۔ مرتے وقت اس نے وصیت کی تھی کہ مجھ کو اپنے گرو (مرشد) کے پاس دفنایا جائے۔ اس لیے وہ اپنے پیر مرشد کے پاس دفنایا گیا۔

(دھار راج کا اتہاس صفحہ ۸۲)

حضرت مولانا کمال الدین چشتی کی دھار تشریف آوری کے انیس سال بعد اصل واقعہ کے چار سو سال بعد مقبرہ مسلم بھوج عبداللہ چنگال بعہد سلطان علاءالدین خلجی بادشاہ دہلی ۷۰۹ھ میں تعمیر ہوا۔

(راجستھان کھنڈائے صفحہ ۳۰۴)

پھر ڈیڑھ سو سال بعد سلطان ناصر الدین محمود شاہ خلجی کے عہد میں مذکورہ مقبرہ از سر نو تعمیر ہوا۔ یہ مقبرے دو ہیں مگر باہر سے ایک معلوم ہوتا ہے۔ دونوں میں داخلہ کا راستہ (دروازہ) ایک ہی ہے۔ اندر داخل ہونے کے بعد جو بڑا مزار ہے وہ عبداللہ شاہ چنگال

کا ہے۔ اور دوسرا مزار مہاراجہ بھوج عرف عبداللہ کا ہے۔ مزارات کے بائیں (قدموں کی طرف) ایک دروازہ ہے جس پر پردہ پڑا رہتا ہے اس کے اندر راجہ بھوج عرف عبداللہ کی مہارانی عرف لیلاوتی عرف بی بی صاحبہ کا مزار ہے۔ گنبد کے باہر دروازے سے متصل دیوار سے لگا ہوا ایک مزار مہاراجہ بھوج عرف عبداللہ کے وزیر اعظم زرنج پنڈت عرف بدھی ساگر کا ہے۔

(تاریخ گلشن فیض)

مہاراجہ اور مہارانی اور اس کے وزیر اعظم کے مزارات کی موجودگی اس حقیقت کی شاہد عدل ہے کہ حضرت شاہ عبداللہ چنگال کے ہاتھوں راج دربار سب کا سب مسلمان ہو گیا۔ راقم سطور کو متعدد بار ۱۹۵۳ء سے سب سے پہلے دھار حاضری کا موقع ملا۔ اس سلسلہ کے مزید حالات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جس سے اس تاریخی واقعہ کی اصلیت و صداقت پردۂ خفا میں

حاشیہ صفحہ ب ۔ : حضرت مولانا کمال الدین چشتی، حضرت بابا بدر الدین کے صاحبزادے اور بابا فرید الدین شکر گنج کے خاندان سے ہیں۔ ان کے پڑدادا حضرت یوسف چنگیزی عہد میں عرب سے ہندوستان آئے۔ قصبہ کوتوالی ملتان میں قیام کیا۔ مولانا کمال الدین کی پیدائش ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء میں دہلی میں ہوئی۔ والد ماجد کے زیر سایہ قرآن کریم حفظ کیا اور فراغت علمی کے بعد حضرت محبوب الٰہی سے بیعت ہوئے ہمیشہ خدمت میں حاضر باش رہے۔ ۱۲۹۱ء میں حضرت محبوب الٰہی نے خلعت خلافت دے کر دہلی سے مالوہ کے لیے روانہ کیا۔ دہلی سے اجینی پہنچ کر چلہ کشی کی اور وہاں سے دھار آ کر جامع مسجد میں قیام کیا۔ اس وقت سلطان جلال الدین خلجی تخت دہلی کے تخت پر متمکن تھا۔ دھار میں راجہ پورنا مل تھا۔ اکتالیس سال ظاہری و باطنی تعلیمات کو جاری رکھا۔ بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ۷۰۵ھ میں بعمر بہتر سال انتقال فرمایا۔ مزار جامع مسجد کے بڑے دروازے کے بائیں طرف ہے۔ چھوٹے بھائی مولانا نور الدین عرف شاہ عالم چشتی ان کے بائیں طرف ہیں۔ دو صاحبزادے مولانا جمال الدین اور مولانا انوار الدین چشتی کے مزارات ان کے سرہانے ہیں۔ مولانا کمال الدین شاہ محمود خلجی شہزادہ جلال الدین خلجی پیران دھار آکر ان کا مرید ہوا جس کا مزار ان کے قدموں میں دائیں طرف ہے۔ اس شہر کو پیران دھار اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں کا چپہ چپہ بزرگان دین کے مزارات سے بھرا ہوا ہے۔ مالوہ کا یہ مشہور شہر جہاں صدیوں پہلے روحانیت کا چرچا تھا ایک تاریخی شہر بن گیا۔

نہیں رہتی اور روز روشن کی طرح ہر ایک سامنے آجاتی ہے چنانچہ ہر منصف مصنف نے اس اہم تاریخی واقعہ کو ٹھوس ثبوت کی بنا پر تسلیم کیا ہے۔

(۱) یادِ پیر اور سوانح الحرمین، گلدستۂ عطا صفحہ ۹۰ تا ۹۳ حصہ دوم۔

(۲) تاریخ مالوہ صفحہ ۲۰۶، جلد ۲ (۳) شاہان مالوہ صفحہ ۶۳۔

(۴) تاریخ مولانا کمال الدین چشتی صفحہ ۱۰ تا ۱۲ پر مہاراجہ بھوج کا [illegible] میں مسلمان ہونا صاف لفظوں میں تحریر ہے۔

(۵) دھار راج کا اتہاس صفحہ ۲۲ دوسرے مزار کا راجہ بھوج کا ہونا بھی گزرا۔

راجہ بھوج کے عہد حکومت کے متعلق مشہور ہندو مورخ ڈاکٹر ایشوری پرشاد الہ آبادی اپنی تاریخ ہند حصہ اول میں تحریر کرتے ہیں کہ راجہ بھوج کا عہد حکومت ۱۰۱۸ء سے ۱۰۶۲ء تک ہے تاریخ مذکور ہندوستان کے سرکاری اسکولوں میں شامل [illegible]

(۲) مشہور ہندو مورخ گوری شنکر اوجھا اجمیری نے اپنی تاریخ راجستھان کھنڈ ایک کے حصہ اول میں راجہ بھوج کا عہد حکومت ۱۰۵۵ء تک بتایا ہے۔ ۱۱۱۲ بکرمی مطابق ۱۰۵۵ء درج کیا ہے۔

(۳) راجندر کمار جوشی پروفیسر مادھو کالج اجین نے راجہ بھوج کا عہد حکومت ۱۰۱۰ بکرمی مطابق ۹۵۳ء سے ۱۰۰۲ء تک بتایا ہے۔ ۱۹۵۶ء شہر اندور میں جو سرکاری نمائش ہوئی تھی اس میں راجہ بھوج عرف عبداللہ کا ۹۵۵ء میں تخت نشینی کا ذکر کیا ہے اور ۱۰۵۵ء میں اسی راجہ بھوج کا دکن پر حملہ کرنا درج کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

بہر حال اس اعتبار سے راجہ بھوج کا مقبرہ اور شاہ عبداللہ چنگال کا مزار جو مسلم بھوج شال کے نام سے خواہ مخواہ مشہور کیا جا رہا ہے۔ چار سو سال بعد منصۂ تعمیر پر جلوہ گر ہوا اور نو سو سال بلکہ تقریباً ایک ہزار سال سے اسلام کی حقانیت کا روشن منارہ بن کر ہر طالب حق کو روشنی اور حق پسند کے سینہ کو جلوۂ تنویر بخش رہا ہے۔

راجا بھوج کے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے ہم ہندو مذہب کی کتاب کی ایک اہم شہادت پیش کر چکے ہیں کہ وہ ایک زبردست شہادت بھی ہے اور غیر معمولی پیش گوئی بھی تاکہ جو لوگ مذہبی نوشتوں پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اطمینان خاطر کا

ویاس جی جو اہل ہنود کے مسلم رشی ہیں جنہوں نے دھارمک مضامین کو علیحدہ علیحدہ ترتیب دیا ہے اور تصوف پر بھی ایک بڑی کتاب لکھی ہے۔ مہابھارت اور گیتا بھی انہی کی مرتبہ ہیں۔ ان کی بڑی تصنیف اٹھارہ جلدوں میں پران ہے ان ہی کی ایک کتاب بھوشیا پران ہے۔ ہندو دھرم کے مطابق اسے برہما جی ہی کا کلام سمجھا جاتا ہے اسی کتاب بھوشیا پران کی پرتی سرگ پرو کھنڈ ۳، ادھیائے ۳، شلوک ۵ سے ۸ تک میں یہ عبارت ہے۔ ویاس جی لکھتے ہیں "ایک اجنبی ملک اور زبان کا معلم روحانی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آئے گا اس کا نام مہامد ہوگا۔ راجہ بھوج نے اس مہادیو فرشتہ سیرت سنگل دیپ کے رہنے والے کو آب رود گنگا اور پنچ گنیہ سے غسل کرا کے یعنی تمام گناہوں سے پاک کرا کے یعنی تمام گناہوں سے پاک کر کے دلی ارادت سے نذر و نیاز پیش کر کے اس کی تعظیم کی اور کہا کہ میں تیرے حضور جھکتا ہوں۔

اے فخر نسل انسانی عرب کے رہنے والے شیطان کے مارنے کے لیے بہت سی طاقت مہیا کرنے والے دشمن ملیچھوں سے محافظت کیے گئے ہو اے پاک ہستی مطلق اور سرور کامل کے مظہر میں تیرا غلام ہوں مجھ کو اپنے قدموں میں آیا ہوا جانئے۔" اسی بھوشیا پران کے اشلوک ۱۰ سے ۲۷ تک میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ مہارشی ویاس نے حضور علیہ السلام کی نعت خوانی کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

عرب کے مشہور ملک کو ملیچھوں نے خراب کر دیا ہے اس ملک عرب میں آریہ دھرم نہیں ہے اس سے پہلے بھی ایک گمراہ شیطان ہوا تھا وہ طاقتور دشمن کا بھیجا ہوا پھر آیا ہے ان دشمنوں کی اصلاح و فلاح کے لیے جس نے مجھ سے برہما کا لقب حاصل کیا ہے وہ معروف مشہور مہامد پشاچوں کو [illegible] بتانے میں مشغول ہے۔

اشلوک ۱۲ —— اے راجہ تجھے بے وقوف پشاچوں کے ملک میں نہیں جانا چاہیے میری مہربانی سے تیرا تزکیہ یہیں ہو جائے گا۔

اشلوک ۱۳ —— رات کے وقت فرشتہ سیرت مدبر کا ہوشیار پشاچ کا بھیس اختیار کر کے یقیناً راجہ بھوج سے وہ بولا۔

اشلوک ۲۳ —— اے راجہ تیرا آریہ دھرم تمام مذاہب پر فائق کیا گیا ہے مگر ایشور پرماتما کے حکم سے گوشت خوروں کے مضبوط مذہب کو جاری کروں گا میرا پیرو ختنہ کیا ہوا بغیر چوٹی کے داڑھی والا اور انقلاب پیدا کرنے والا اذان دینے والا سب حلال

اشیا کھانے والا ہو گا۔

اشلوک ۲۵ سور کے سوا اور سب مویشی کھانے والا ہو گا۔ مقدس گھاس سے پاکیزگی حاصل کرنے کے بجائے جنگ کرے گا۔ (فارقلیط صفحہ ۶۵ تا ۶۸)

(۱) اس پیش گوئی میں حضور کا نام مہامد یا محامد بتایا ہے جو یقیناً محمد ہے جو سنسکرت زبان میں آکر بدل گیا ہے۔

(۲) آنحضرت کو ملک عرب کا باشندہ بتایا ہے۔ مرستھل کے اصل معنی ریگستان کے ہیں جو اصل اشلوک میں آیا ہے۔

(۳) آپ کے ساتھیوں یعنی صحابہ کرام کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا اثر سے زر کامل عیار بن گئے تھے

؎ مس خام کو جس نے کندن بنایا

(۴) ہندوستان کا راجہ بھوج کو عرب جانے میں خطرہ ہو گا اور وہ راجہ ان سے دلی عقیدت رکھے گا اور یہیں اس کا تزکیہ ہو جائے گا۔ اس پیش گوئی میں برہما جی جس راجہ بھوج کو حکم دیتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قائم مقام حاضر ہونے کا حکم دے رہے ہیں وہ راجہ یقیناً آنحضرتؐ کا ہم عصر ہو گا۔

حضور علیہ السلام اور ان کے دین کی جو جو خصوصیات ان اشلوکوں کے اندر بیان کی گئی ہیں وہ محتاج تشریح نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ جو راجہ بھوج حضور علیہ السلام کے پانچ سو برس بعد پیدا ہوا وہ زیادہ مشہور ہوا تو پھر پیش گوئی کا مصداق پچھلا راجہ بھوج حضور کا ہم عصر تھا پیش گوئی کا مصداق کیوں کر بن سکے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہندوستان کے متعدد راجاؤں کا یہ لقب رہا ہے۔ اس نام کے مشہور راجہ بھوج سے پہلے کئی راجہ گزر چکے ہیں۔ چنانچہ اتیریا برہمن جو نہایت قدیم زمانے کی کتاب ہے اس کا تنقیکا ۸ کھنڈ کا ۱۲، ۱۰ اور سدھی کا ۱۴، ۱ اور کھنڈ کا ۱۴، ۱ میں بھی راجہ بھوج کا ذکر ہے۔ اس طرح پانی جو سنسکرت گرامر کا مشہور مصنف اور اسلام سے بہت پیشتر گزرا ہے اس میں بھوج کے شہر اور اس کی اولاد کا ذکر ہے۔

(ادھیائے ۱، پادہ سوترہ ۵، ۶ بحوالہ میرٹھ [illegible])

اس لیے اس پیش گوئی کا مصداق وہی راجہ بھوج ہو سکتا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عصر ہو اور مکہ مدینہ نہ گیا ہو اور یہیں ہندوستان میں رہ کر اسلام کو قبول کر لیا ہو راقم السطور کے نزدیک بھوج کسی راجہ کا نام نہیں ہے بلکہ خاندانی لقب ہے جس طرح بابل کے بادشاہ کا لقب نمرود اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون اور اسکندریہ کے ہر بادشاہ کو مقوقس کہتے تھے۔ روم کا ہر بادشاہ قیصر اور ایران کا ہر بادشاہ خسرو اور ترک کا ہر بادشاہ خاقان سے موسوم ہوتا تھا ویسا ہی اس خاندان کے ہر راجہ کو راجہ بھوج کے لقب سے موسوم کرتے تھے۔ اس بنا پر بھوج اول ہی برہما جی کی اس بشارت کا محل اور اس پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرتا ہے۔

مہاراجہ موتی سنگھ کا قبول اسلام

راجا بھوج کے قبول اسلام کے واقعہ کو اب ہم اس عظیم حقیقت کے اظہار پر ختم کرتے ہیں کہ دین اسلام کی مقبولیت و جہانگیری کے لیے اس نوع کے معجزات صدر اول یا آغاز اسلام کے عہد ہی سے وابستہ نہیں رہے کہ وہ دور رسالت و خلافت روحانیت سے معمور تھا بلکہ اسلام چونکہ دائمی و ابدی مذہب ہے اور قیامت تک کے لیے انسانی زندگی کی مشکلات کا حل لے کر آیا ہے اس لیے ہر زمانہ کے اندر وہ حقانیت اور صداقت کے اس طرح کے معجزے اپنے جلو میں لے کر آگے بڑھتا رہا اور خدا کے حق پرست و صداقت پسند روحوں کو دلی سکون اور قلبی طمانیت کی دولت سے مالا مال کرتا رہا ہے۔ سخت سے سخت ناسازگار ماحول اور ناموافق حالات سے اس نے اپنے روحانی کرشموں سے بے شمار طالبان معرفت کو اپنی طرف کھینچا اور اپنے سایۂ رحمت میں لے کر بے چین دلوں کو روحانی سکون بخشا۔ چنانچہ اس پیوستہ صدی ۱۹۴۵ء میں اسی صوبۂ مالوہ کی سرزمین میں ابتدائی مرکز اسلام (دھار) کے قریب ریاست راج گڑھ کے خود مختار راجہ موتی سنگھ کے قبول اسلام کا اہم واقعہ ہے جس نے نہ صرف ریاست میں ایک زبردست ہلچل پیدا کر دی اور سنٹرل انڈیا کے شہر شہر گاؤں گاؤں میں اس کی صدائے بازگشت سنائی دی بلکہ اس آزادی کے دور میں ایک خود مختار راجہ کے تبدیل مذہب کے عجیب و غریب اور غیر معمولی واقعہ کا چرچا

ملک بھر میں ہوا اور پھر ریاست کا مقدمہ راج دربار سے اٹھ کر گورنمنٹ انڈیا تک اور وہاں سے پریوی کونسل تک پہنچا اور مہاراجہ بہادر کی معزولی کے بجائے راج گڑھ کی راج گدی پر قائم رہنے کے فیصلہ پر اختتام پذیر ہوا۔ اور مہاراجہ موتی سنگھ نواب عبدالواسع خاں کے خطاب سے مفتخر ہو کر ریاست کے مالک بنے رہے اور اس علاقہ کو اسلامی دعوت و تبلیغ کا نشان بنا دیا جس کی تفصیل ہدیۂ ناظرین ہے۔

مالوہ کی ریاست راج گڑھ

قدیم صوبۂ مالوہ جو وسط ہندوستان کا ایک مشہور صوبہ رہا ہے آزادی ہند ۱۹۴۷ء کے بعد تقسیم جدید کے مطابق صوبۂ مدھیہ پردیش کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد اس صوبۂ مالوہ میں قدیم چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ایک وسیع جال بچھا ہوا تھا جن میں اکثر حکمراں راجپوت ٹھاکر مرہٹے تھے۔ چند ریاستیں، جیسے بھوپال جاورہ وغیرہ مسلمان فرمانرواؤں کے ماتحت تھیں۔ انگریز سامراج نے اپنے سیاسی مصالح کے ماتحت ان ریاستوں کو اندرونی خود مختاری کسی درجہ میں دے رکھی تھی۔ ان میں سے اکثر حکمراں اس معمولی خود مختاری کے پردہ میں رعایا پروری کے بجائے رنگ رلیاں مناتے اور دادِ عیش دیتے تھے اپنی رعایا کے لیے نہ کوئی خاص ترقیاتی اسکیم تیار کرتے اور تعلیمی معیار کو بلند کرتے تھے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ راعی اور رعایا راجہ پرجا اور خود ہندو مسلم عوام کے درمیان جو باہمی تعلقات استوار تھے وہ بڑی حد تک فیاضانہ، روادارانہ اور بے حد خوشگوار تھے۔ مذہبی تعصبات کی جو خلیج برطانوی حکومت نے برطانوی ہند کے باشندوں کے درمیان پیدا کر رکھی تھی اس کی پرچھائیاں ان ریاستوں میں بہت کم نظر آتی تھیں۔ بہر حال ان ریاستوں میں راج گڑھ بھی ایک چھوٹی سی ریاست تھی جہاں راجپوت خاندان ایک عرصہ سے حکمراں چلا آ رہا تھا۔ یہاں ایک جوان عمر راجہ موتی سنگھ ۱۸۱۵ء میں راج سنگھاسن پر براجمان ہوا۔ پچھلے مہاراجگان نے راج گڑھ کے جانشین کی حیثیت سے جب تخت ریاست پر بیٹھا تو اس کے دل و دماغ میں انگریزی تواریخ کے مطالعہ سے یہ بدگمانی پیدا ہو گئی تھی کہ ہندوستان میں اسلام بزورِ شمشیر پھیلا اور مسلمان بادشاہوں نے جبر و زبردستی یہاں کے ہندوؤں

کو مسلمان بنایا اس لیے اہل اسلام کی نفرت و عداوت کے جذبات اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے تھے۔ اس بنا پر راج گدی سنبھالتے ہی مہاراجہ نے ریاست میں مسلمان عہدیداروں کو معزول و برطرف اور عام مسلمانوں کی چھٹنی شروع کر دی اور پھر ریاست میں یہ فرمان جاری کیا کہ تین گھڑی سورج چڑھنے تک مسلمان رعایا میں سے کوئی اس کے روبرو نہ آئے۔ اگر اس حکم کی خلاف ورزی ہو جاتی تو اس سامنے آنے والے مسلمان کو جو سزا دی جاتی وہ تو اپنی جگہ پر رہی۔ مہاراجہ دن بھر برت رکھتے اور دل کی پاکی و صفائی کے لیے بہت سی پوجائیں مندر میں جا کر کرتے۔ غرض وہ دن مہاراجہ کے یہاں منحوس مانا جاتا اور خیالی پریشانیوں کا باعث بنتا۔

قضائے الٰہی سے ایک دن مہاراجہ موتی سنگھ صبح سویرے اپنے سواروں کے ساتھ شکار کے لیے گھر سے باہر نکلے۔ جب شہر سے باہر قدم رکھا تو ایک غریب ندّاف (دھنیارہ) کی کیا شامت آئی کہ وہ صبح تڑکے روزانہ کی طرح جنگل میں قضائے حاجت کے لیے گیا وہاں سے ندی پر پاکی حاصل کر کے اور وضو کر کے نماز کے لیے مسجد کا رخ کیا ہی چاہتا تھا کہ اُدھر سے مہاراجہ کی سواری آ گئی دونوں کا آمنا سامنا یکایک ہو گیا۔ راجہ کی جوں ہی نظر اس غریب پر پڑی راجہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا اور سواروں کو اس کی پٹائی کا حکم دے دیا انھوں نے اس غریب بے چارے کی اس قدر پٹائی کی کہ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب اس کے گھر والوں کو پتہ چلا تو وہ آئے اور اس کو دیکھ کر رونے لگے اس کو اٹھا کر گھر لے آئے۔ راجہ کو دل ہی دل میں بد دعائیں دینے لگے۔ راجہ موتی سنگھ کے غیظ و غضب اور اس کے ظلم و ستم سے ڈر کر راتوں رات وہ غریب ندّاف مع بال بچوں کے راج گڑھ چھوڑ کر ریاست بھوپال میں آ بسا۔ ادھر تو یہ غریب بے چارہ اپنا وطن چھوڑ کر با دلِ بریاں و چشمِ گریاں بھوپال ریاست کے ایک گاؤں میں آ کر بس گیا۔ ادھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ راجہ غضبِ الٰہی کا شکار ہو گیا۔ اس طرح کہ اس کے سینہ میں ایک درد اٹھا جو سارے بدن میں پھیل گیا۔ اس کی ٹیسیں مہاراجہ کو بے چین کر دیتیں اسے کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ سارے بدن میں سانپ بچھو ڈنک مار رہے ہوں۔ رہ رہ کر شدید دورے پڑنے لگے کہ زندگی اجیرن بن گئی۔ ویدوں حکیموں اور ڈاکٹروں میں سے ہر ایک کا علاج کیا گیا لیکن بے سود۔ دہلی سے خصوصی طور پر حکیم محمود خاں بلائے گئے

جن کی ایک ہزار روپیہ روزانہ فیس تھی لیکن ان کا علاج بھی کارگر نہ ہوا۔ مہاراجہ درد کی اس سخت تکلیف سے اس قدر بیزار و پریشان ہوا کہ خودکشی کی ٹھان لی۔ راج دربار کے لوگوں نے مہاراجہ کے کمرے سے سارے ہتھیار تلوار، بندوق و پستول ہٹا لیے کہ مبادا کسی وقت ان ہتھیاروں سے خود کو ہلاک کرلے۔ جب ظاہری علاج اور دعا سے ہر طرح مایوسی ہوئی تو راجہ کے ایک خادم نے جو اس کا بہت وفادار اور مقرب تھا ہاتھ جوڑ کر راجہ سے کہا "ان داتا اگر میری خطا معاف ہو تو ایک عرض ہے۔" مجھے ایشور کی کرپا سے آشا ہے کہ اس علاج سے مہاراجہ ٹھیک ہو جائیں گے اور بیماری چلی جائے گی تو مہاراجہ نے کہا تیری ہر خطا معاف، وہ علاج بتا کہ جس سے میں ٹھیک ہو جاؤں۔ نوکر نے عرض کیا کہ اس ندی کے کنارے جس پر ہمارا شہر راج گڑھ آباد ہے ایک بڑا مہاتما فقیر رہتا ہے جو بے حد تپسیا کرتا ہے اور لوگوں کی سیوا کرتا ہے وہ صاحبِ کرامت بھی ہے چمتکار دکھاتا ہے ہر فقیر و امیر اس کی کٹیا پر جاتا ہے اور وہ اس کی خدمت بجا لاتا ہے، لیکن ہے وہ فقیر مسلمان۔ راجہ نے اس نوکر سے پوچھا کہ کیا وہ فقیر ہمارے راج محل میں بھی آسکتا ہے؟ نوکر نے بتایا کہ مہاراجہ کہ وہ نہ کسی کے یہاں آتے جاتے ہیں نہ کسی سے واسطہ اور سروکار رکھتے ہیں۔ حاجت مند لوگ ان کے پاس آتے اور بامراد ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ وہ کسی سے کچھ مانگتے نہیں۔ کسی خوشی سے دے دیا تو لے لیا ورنہ اپنی کٹیا میں رہ کر تپسیا کرتے رہتے ہیں۔ جب اس بات کی سن گن راجہ کی مہارانیوں کو ہوئی تو انھوں نے بھی اس کی تائید کی اور مہاراجہ کو ان کے یہاں جانے پر مجبور کیا۔ مہاراجہ نے نوکر سے کہا کہ اب جو کچھ ہو، وہ مسلمان ہو یا جو کچھ۔ مجھے ان کے پاس لے چلو شاید ایشور کی کرپا سے ان کے چمتکار کے ہاتھوں یہ کشٹ مٹ جائے ایشور نے میرے بھاگ میں یہی لکھا ہو۔

غرض وہ نوکر مہاراجہ موتی سنگھ کو اپنے ساتھ لے کر ان بزرگ درویش کے جھونپڑے پر صبح سویرے پہنچا۔ مہاراجہ کو اس نے باہر کھڑا کر دیا اور خود جھونپڑی کے اندر داخل ہو کر درویش سے عرض کیا کہ مہاراجہ راج گڑھ حضور کو سلام کرنے آئے ہیں۔ اجازت ہو تو حاضر کروں۔ ان بزرگ درویش نے جب نوکر کی درخواست کو سنا تو بے ساختہ مسکرائے اور نوکر سے فرمایا تین گھڑی دن چڑھنے سے پہلے مہاراجہ ایک مسلمان کے پاس پہنچے آئے۔ نوکر نے شرم کے مارے گردن جھکالی اور وہ ان کا مطلب سمجھ گیا۔ شاہ صاحب سے دوبارہ اجازت مانگی۔ اس پر ان درویش نے فرمایا۔ جب تک ایک گھڑی دن نہ چڑھ جائے ہم کسی کافر و مشرک کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ جب خدمت گار نے شاہ صاحب کی یہ گفتگو مہاراجہ کو سنائی تو وہ آبدیدہ ہو گیا اور اس پر ایک سناٹا چھا گیا۔ مہاراجہ نے اپنے آنسو پونچھے اور نوکر سے کہا کہ بیشک یہ فقیر سچا ہے میں خود حاضر ہو کر ان سے معافی مانگوں گا اور شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دست بستہ کھڑے ہو کر چشم پُرنم کے ساتھ شاہ صاحب سے معافی کا خواستگار ہوا اور عرض کیا حضور کے لیے اس قدر غصہ اچھا نہیں۔ مجھ سے جو غلطی ہوئی ہے اس کی دل سے معافی چاہتا ہوں میری التجا ہے کہ میری غلطی کو معاف فرمائیں اور میرے دل کو اپنی توجہ ڈال کر روشن فرمائیں یہ سنتے ہی شاہ صاحب کو ایک دم جلال آگیا اور مہاراجہ سے فرمایا نادانی کی باتیں کیوں کرتا ہے تو نے خدا کا گناہ کیا ہے اور معافی مجھ بندے سے مانگتا ہے جا اسی خدا کے آگے سر جھکا اور اس سے معافی مانگ۔ تو نے خدا کے بندوں پر ظلم کیا جس پر اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ اس پر مہاراجہ شاہ صاحب کے آگے رویا اور گڑگڑایا اور بعد عجز و نیاز عرض پرداز ہوا۔ "داتا میں اسی خدا کے آگے سر جھکاتا ہوں اور اسی مالک سے معافی چاہتا ہوں آپ اس غلطی کی معافی کے لیے خدا سے دعا کریں۔" اس پر شاہ صاحب کا غصہ فرو ہوا۔ انھوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرنی شروع کی۔ "اے میرے پروردگار رب العالمین بارِ الٰہا یہ اپنی کرنی کی سزا بھگت چکا اس کی خطا بخش دے اور اپنے اس سرکش بندے کی توبہ قبول کر لے۔ عفو و رحم کا معاملہ فرما اور اپنے کرم سے اس مرض سے نجات دے۔" تھوڑی دیر کے بعد شاہ صاحب نے آنکھوں کو بند کیا پھر آنکھوں کو کھول کر فرمایا جا یہاں سے بھاگ جا مالک تجھ کو صحت و عافیت دے گا اور تیرا بھلا کرے گا۔ ان درویش سے رخصت ہو کر اپنے محل آیا اور گھر والوں سے اور سب سے کہا کہ مجھے پورا وشواس ہے کہ میری بیماری چلی جائے گی اور مجھے شفا ہو جائے گی۔ تین ماہ اس طرح گزرے کہ مہاراجہ شاہ صاحب کی خدمت میں روزانہ حاضر ہوتا اور طبیعت روز بروز ٹھیک ہوتی جاتی۔ یہاں تک کہ مہاراجہ کو اس بیماری سے پوری پوری نجات مل گئی اور پوری طرح تندرست ہو گیا۔ اب تو راجہ اور رانی ان درویش کے زرخرید غلام بن گئے۔ مہاراجہ نے ایک دن

شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور ، اگر اجازت دے دیں تو یہاں ایک خانقاہ بنوا دی جائے اور ایک لنگر خانہ جاری کر دیا جائے جہاں ہر آنے والا دونوں وقت کھانا کھائے اور ندی کے کنارے ایک مسجد بنا دی جائے جہاں حضور والا عبادت فرمائیں۔ شاہ صاحب نے مہاراجہ کی عرضداشت کو رد فرما دیا۔

اب مہاراجہ کا یہ معمول ہو گیا کہ صبح سویرے محل سے اٹھ کر شاہ صاحب کی کٹیا پر آ جاتے اور تین گھڑی تک وہیں شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھے اور ان کی ایمان و عرفان ، گیان دھیان کی باتیں سنتے رہتے۔

راج دربار کے لوگوں نے مہاراجہ سے کہا کہ صبح تڑکے ٹھنڈے وقت میں اَن داتا کا ندی کنارے آ کر بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔ خدانخواستہ ٹھنڈی ہوا لگ جائے اور پھر بیمار پڑ جائیں۔ مہاراجہ نے ان کو جواب دیا کہ میں نے بیس سال تک دن چڑھے تک کسی مسلمان کا منہ نہیں دیکھا لہٰذا اب عزم کر لیا ہے کہ اتنی مدت تک صبح سویرے سے دن چڑھے تک مسلمانوں کا چہرہ دیکھوں گا۔ جب پانچ سال نو ماہ اسی طرح راجہ پر گزر گئے تو ایک دن راجہ شاہ صاحب کے پاس بیٹھ کر روزانہ کے مقررہ وقت سے پہلے رخصت ہونے لگے تو شاہ صاحب نے مہاراجہ سے پوچھا کہ آج مہاراج اپنے وقت سے پہلے کیوں محل جا رہے ہیں راجہ نے جواب دیا کہ حضور آج میں نے روزانہ کی پوجا پاٹ نہیں کی اس لیے طبیعت میں گھبراہٹ ہے محل پہنچ کر روزانہ کی پوجا کروں گا۔ شاہ صاحب نے دریافت کیا کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟

مہاراجہ نے کہا حضور یہ پوچھنے کی کیا بات ہے شری کرشن بھگوان کی پوجا کرتا ہوں اور ان کی جے دن رات مالا جپتا ہوں۔

شاہ صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن بتاؤ کہ ان کے درشن بھی کبھی ہوئے یا یونہی گھنٹیاں بجاتے رہتے ہو۔ راجہ نے جواب دیا کہ حضور ہم پاپی گنہگاروں کو بھلا کرشن بھگوان درشن کہاں نصیب ہو سکتے ہیں؟ بس ان کی مورتی کے آگے ڈنڈوت کرتے رہتے ہیں اور خیالی کرشن کے تصور سے دل منور کر لیتے ہیں۔ یہ جواب سن کر شاہ صاحب پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوئی اور جذب کے عالم میں بولے۔ اے من کے اندھے اپنی آنکھوں کو بند کر اور سر کو جھکا پھر دیکھ کیا نظر آتا ہے؟ مہاراجہ نے شاہ صاحب کے کہنے کے مطابق

اپنی آنکھوں کو بند کیا اور کچھ دیر بعد جونہی آنکھوں کو کھولا تو اپنا سر شاہ صاحب کے قدموں میں رکھ دیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہونٹوں سے آہ و بکا کی آوازیں اٹھ رہی تھیں زبان سے بے ساختہ یہ جملے نکل رہے تھے۔ آج سب کچھ پا لیا سچائی مل گئی سچائی کی جوت سے (نور صداقت سے) آنکھ کھل گئیں اور میری آتما کو شانتی حاصل ہو گئی (روحانی سکون) بے شک بابا آپ سچے فقیر ہیں باقی سب جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔ آپ کا دین سچا ہے جس کے اندر کوئی شک نہیں۔ غرض اس قسم کے جملے راجہ کی زبان سے نکل رہے تھے۔ اُدھر آنکھوں میں آنسو مچل رہے تھے۔ تب شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا اچھا اپنا حال تو بتاؤ تم پر کیا گزرا اور تمہاری آنکھوں نے کیا دیکھا کیوں رو رہے ہو۔ مہاراجہ موتی سنگھ نے روتے ہوئے اپنا حال اس طرح بتا کہ بابا داتا جونہی میں نے حضور کے حکم سے آنکھوں کو بند کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کرشن بھگوان اپنے نورانی چہرے کے ساتھ سامنے کھڑے بانسری ہونٹوں میں لے بجا رہے ہیں۔ اور وہ ایسے دلکش و دلآویز لے میں بانسری بجا رہے ہیں کہ جس کو سنتے ہی میں مدہوش ہو گیا اتنے میں کرشن بھگوان نے بانسری منہ سے ہٹائی اور میں ہوش میں آ گیا مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ باؤلے مجھے کیا دیکھتا ہے مجھ سے کیا مانگتا ہے یہ دور محمدی نبوت کا دور ہے ان کی نبوت کا سورج نکلا ہوا ہے اور سارے جگ میں انہی کی شعاعیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کی شریعت کی روشنی سے دل کو منور اور آنکھوں کو روشن کر انہیں کی راہ نجات ہے۔ پھر بانسری بجانا شروع فرما دی تو اس میں سے صاف کلمہ لا الہ الا اللہ نغمہ جانفزا بلند ہو رہا تھا اس لیے میں نے کرشن بھگوان کی سُریلی بانسری سے جو کلمہ طیبہ سنا تھا اُسی کو پڑھتا ہوں۔ حضور اپنا ہاتھ بڑھائیں اور مجھے مسلمان کریں میں کھلے بندوں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوں اور اسی ایک خدا پر میرا ایمان ہے۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم نے سچے دل سے ایک خدا کو مان لیا اور یہ بھی مان لیا کہ وہی سارے زمانے کا مالک ہے وہ کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول اور نبی ہیں اور جتنے نبی پہلے گزرے وہ سب سچے تھے ہر ایک نبی کو خدا نے اپنی ہی وحی سے سچے عقیدوں اور [illegible]

کی تعلیم دی تو تم مسلمان ہوگئے اب اپنے محل جاؤ اور مصلحت کو دیکھ کر اس کے اندر تبدیلی نہ اختیار کرو۔ اگر تم اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہ بھی کرو تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ اس پر راجہ نے کڑک کر شاہ صاحب کے سامنے کہا کہ حضور میں قوم کا راجپوت ہوں جو کچھ کہا چوری چھپے کے طور پر نہیں کہا۔ میں ڈنکے کی چوٹ پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہوں اور اب میں اپنا نام موتی سنگھ کے بجائے عبدالواسع خاں رکھتا ہوں اس پر شاہ صاحب نے مہاراجہ کو مبارکباد پیش کی اور انکار نہ فرمایا۔

نواب عبدالواسع خاں والی راجگڑھ

مہاراجہ موتی سنگھ جو اب نواب عبدالواسع خاں کے نام سے ملقب ہو گئے تھے ان کے قبول اسلام کا یہ عظیم واقعہ ۱۸۷۱ء کو پیش آیا مہاراجہ نے شاہ صاحب کے سامنے اپنے اسلام قبول کرنے اعلان کیا بجلی کی طرح یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی راج محل میں کہرام مچ گیا شہر میں اس واقعہ سے ایک کھلبلی مچ گئی راج گڑھ کے ہر گلی کوچہ میں ہر شخص کی زبان پر یہی چرچا ہونے لگا کہ سائیں بابا نے راجہ پر کونسا ایسا جادو کر دیا کہ اس قدر ہوشیار عقلمند راجہ مسحور ہوگیا اور ان کے دام میں پھنس گیا۔ جب یہ خبر راجہ کے محل میں پہنچی تو رانیوں نے قطع تعلق کر لیا۔ عزیز رشتہ دار مخالف ہو گئے۔ خاندان والوں نے مل کر طے کیا کہ راجہ کو محل سے نکال باہر کیا جائے۔ جتنے خدمت گار نوکر چاکر کھانے پکانے والے سب نے راجا کی خدمت سے انکار کر دیا۔ مجبوراً مہاراجہ کو شہر سے باہر ایک خالی محل میں بوریا بستر لے کر ٹھہرنا پڑا۔ یہاں تک کہ خود اپنے ہاتھ سے روٹی پکانا پڑتی اور خود ندی سے جاکر پانی لانا پڑا اولاً تو راج دربار کے لوگوں نے پھر عزیزوں رشتہ داروں نے مہاراجہ کو خوب خوب سمجھایا اور مستقبل کے ہونے والے برے نتائج سے آگاہ کیا۔ پھر راجپوتانہ کے راجے مہاراجوں کو جمع کیا اور انھوں نے راجہ کو ہندو دھرم پر واپس لانے کی بھرپور کوشش کی اور یہ بھی کہا کہ ہم بنارس کے مہاپنڈتوں کو بلا کر ان سے کہہ سن کر اس غلطی کو (مہاپاپ) معاف کرالیں گے۔ پھر آپ کے ساتھ پچھلا معاملہ اختیار کریں گے ورنہ پھر آپ کو راج گدی سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور ہم لوگ ناستک بے دھرم آدمی کے ساتھ جو معاملہ کرتے ہیں اس کو اختیار کریں گے۔ اب آپ کو اختیار ہے ان سب باتوں کو سن کر مہاراجہ ٹس سے مس نہیں ہوئے اور صاف کہہ دیا کہ اگر میری تکا بوٹی کر کے چیل کوؤں کو کھلا دی جائے تب بھی میں اسلام سے نہیں پھروں گا۔ ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔

اس زمانے میں جو اخبار ملک میں چھپتے تھے ان کے اندر بھی اس غیر معمولی واقعہ کو خوب خوب چھاپا گیا اور خوب خوب تشہیر ہوئی۔ جب معاملہ اس نوبت پر پہنچا تو راجپوتانے کے راجوں مہاراجوں اور عزیزوں رشتہ داروں نے دوبارہ جمع ہوکر راجہ موتی سنگھ کے سخت رویے سے مایوس ہوکر فیصلہ کیا کہ ان کو راج گدی سے ہٹا دیا جائے اور ایک معروضہ (درخواست) ریزیڈنٹ بہادر کو سب کے اتفاق کے ساتھ لکھ کر اندور بھیج دی گئی کہ راجہ کا دماغ چونکہ چل گیا ہے اور وہ انتظام سلطنت کے قابل نہیں رہے ایک فقیر مسلمان کے بہکاوے میں آکر انھوں نے اپنا دھرم چھوڑنے کا بھی اعلان کر دیا ہے چونکہ یہ راج گدی قانونی طور پر ہندو دھرم کے لیے ہے لہٰذا ان کو معزول کر کے ان کے لڑکے کو جو ولی عہد ریاست ہے ان کی جگہ پر رکھ دیا جائے۔

یہ محضر نامہ جب ریزیڈنٹ کے پاس پہنچا تو وہ اندور سے آکر مہاراجہ سے ملا اور پوری پوری تحقیقات کی۔ نجی طور پر راجہ کو فہمائش کی یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آپ اپنے دھرم پر واپس نہیں ہوئے تو راج چلا جائے گا۔ لیکن راجہ چٹان کی طرح اپنے عقیدہ و اعلان پر جما رہا اور اسلام سے پھر جانے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ ریزیڈنٹ نے اس درخواست کو اپنے مخالفانہ نوٹ کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دیا اور وہاں سے پریوی کونسل لندن بھیج دیا گیا۔ ریزیڈنٹ نے اپنے نوٹ میں لکھا تھا چونکہ راجہ موتی سنگھ جو راج گڑھ کا راجہ ہے کچھ دنوں سے دیوانہ [illegible] رہ پڑ گیا ہے اور اس نے اپنے دھرم کے بدل دینے کا بھی اعلان کر دیا ہے۔ اس لیے اس کو گدی سے اتار دیا جائے اور اس کے لڑکے کو راج گدی پر بٹھا دیا جائے۔ راج دربار میں اس واقعہ پر بہت خوشی منائی گئی اور سب کو راجہ کی معزولی کا یقین ہو گیا۔

مہاراجہ اپنے خاندان اور راج دربار سے ایک طرح کٹ کر شاہ صاحب کے زیر سایہ اپنے اوقات گزارتے رہے۔ جب مہاراجہ کو اس کارروائی کا علم ہوا تو قدرتی طور پر صدمہ ہوا اور دل پر چوٹ لگی۔ ایک دن شاہ صاحب کی خدمت میں مہاراجہ حاضر خدمت ہوئے تو

غم و رنج کے آثار چہرے سے نمایاں تھے۔ شاہ صاحب نے وجہ دریافت کی۔ مہاراجہ نے یہ واقعہ سنایا اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضور مجھے ریاست جانے کا کوئی غم نہیں لیکن مذہب اسلام کی رسوائی اور جگ ہنسائی کا مجھے غم و ملال ہے۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہم نے تم کو پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا کہ ہیرے جواہرات و لعل و گوہر ہر جگہ پڑے ہوئے نہیں ملتے اس کے لیے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ زمین کھودنی پڑتی ہے پھر مٹی کو صاف کرنا پڑتا ہے تب اس کے ذرّے اور ریزے ہاتھ لگتے ہیں اسی طرح راہِ حق میں کٹھن امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے لہذا تم پھر خواہ اپنے خاندان سے خاندان سے جا ہو تو مل جاؤ۔ چونکہ اسلام کا تعلق دل سے ہے جس کی جڑیں تمہارے دل میں پیوست ہو چکی ہیں۔ اس پر مہاراجہ نے لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر طعن و تشنیع کرنے اور مذاق اڑانے کا ذکر کیا اور کہا کہ مجھ کو صرف اسی کا ملال ہے۔ شاہ صاحب یہ [illegible] ایک دم جوش میں آگئے۔ فرمایا جا اور خدا کی قدرت دیکھ۔ ایک درود شریف خصوصی طور پر تلقین فرمائی اور کہا خدا پر بھروسہ کر اور اس درود کا ورد کر پھر دیکھ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آنے والا ہے۔ مہاراجہ شاہ صاحب کا جواب سن کر مطمئن ہو گیا۔ اور مہاراجہ کی مخالفت میں جو درخواست ریزیڈنٹ کے ذریعہ لندن بھیجی گئی تھی اس کے نتیجے کا اور شاہ صاحب کی بتائی ہوئی درود شریف کا ورد جاری رکھا اور اسلامی احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش میں لگا رہا۔ ادھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ انتظار کرنے کے بعد پریوی کونسل کا یہ فیصلہ صادر ہوا کہ راج گدی راجپوت خاندان کی ہے دھرم یا مذہب تبدیل کرنے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ راجہ موتی سنگھ اب نواب عبدالواسع خاں کے نام سے گدی سنبھالیں گے اور اسی نام سے ان کے احکام ریاست میں چلیں گے۔

جب لندن کا یہ فیصلہ راج گڑھ پہنچا تو اہلِ اسلام میں مسرت و خوشی کی زبردست لہر دوڑ گئی اور مہاراجہ موتی سنگھ کو مبارکبادیاں آنے لگیں۔ دشمنوں کے چراغ ٹھنڈے پڑ گئے۔ راج گڑھ ریاست نواب عبدالواسع خاں کی قبولِ اسلام کی بنا پر مسلمان ریاست بن گئی ایک مسلمان عالم کو خصوصی طور پر دعوت دے کر راج گڑھ بلایا گیا اور اس سے نواب صاحب باقاعدہ نماز و روزہ اور اسلامی احکام سیکھنے شروع کیے۔

مہاراجہ پر شوقِ عبادت اس قدر غالب ہوا کہ اس نے راج محل میں دو مسجدیں بنوائیں

جہاں وہ اکثر نماز پڑھتے تھے۔ شاہی محل سے لگا ہوا ایک بہترین باغ تھا۔ حکم جاری ہوا کہ اس میں شہر کی جامع مسجد بنائی جائے چنانچہ آج بھی وہ راج گڑھ کی جامع مسجد پرانے راج محل سے لگی ہوئی خدا کی کبریائی کی پانچوں وقت گواہی دیتی رہتی ہے اور مسلمانانِ راج گڑھ امیر و فقیر ایک صف میں کھڑے ہو کر خداوند قدوس کی بارگاہ ناز میں سجدۂ نیاز ادا کرتے ہیں۔ یہ بزرگ جن کے فیضِ صحبت سے مہاراجہ موتی سنگھ مسلمان ہوئے حضرت پیارے شاہ صاحب تھے جنھوں نے نہ صرف راجہ کو مسلمان کیا بلکہ شریعت و طریقت اور معرفت کے درس دے کر مہاراجہ کو ولایت کے درجہ تک پہنچا دیا۔ جب تک شاہ صاحب بقیدِ حیات رہے۔ مہاراجہ ان کے صحبت سے مستفید ہو کر شریعت و طریقت کے حقائق و لطائف سے بہرہ ور ہوتا رہا۔

شاہ صاحب نے مہاراجہ کے سوالات کے جوابات صوفیانہ انداز میں ارشاد فرمائے وہ بہت طویل اور مفصل ہیں جن کو ہم قلم انداز کرتے ہیں۔ آخر وہ وقت آگیا کہ جب مہاراجہ کے مرشد اور گرو حضرت پیارے شاہ صاحب نے اس دارِ فانی سے جہانِ باقی کی طرف سفر فرمایا۔ مہاراجہ کو ان کا فراق کا صدمہ ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ وہ ہر وقت انہی کا ذکرِ خیر کرتے اور ان ہی کے گیت گاتے تھے۔ "گرو بن جگ اندھیارا"۔ ان کا حال و قال گیا تھا یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے بعد مہاراجہ پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور ایک وقت مقرر کر کے ساری رعایا اور راج دربار کے لوگوں، راجپوتانہ کے راجوں مہاراجوں کو باقاعدہ مدعو کر کے دعوتِ اسلام مفصل طور پر پیش کی اور اتمامِ حجت کیا یہاں تک کہ خود ان کا وقتِ موعود آ پہنچا۔ اور انھوں نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔ اور اپنے مرشد پیارے شاہ صاحب کے پہلو بہ پہلو آج بھی خوابِ ابدی کے مزے لے رہے ہیں۔

(ماخوذ موتی سنگھ کا اسلام منظوم صفحہ ۷ تا ۲۹)

باب سوم

معجزہ شق القمر پر تفصیلی بحث

ہمارے ملک ہندوستان کے عرب سے قدیمی تعلق پر جو پہلے باب میں ضروری اور سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے اس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عرب بحیثیت دیار ملک ہوتے ہوئے بھی ہمارے ملک سے کس قدر قریب رہا اور نہ صرف بحر عرب کی موجیں بحر ہند کی موجوں سے گلے ملتی رہیں بلکہ ان دونوں ملکوں کے باشندوں کا تعلق بھی زیادہ تر تعلقاتِ محبت و مودت کا آئینہ دار رہا گو کبھی کبھی دونوں سمندروں کی موجوں میں ٹکراؤ کی صورتیں بھی پیدا ہوئیں مگر دیرینہ رشتہ اور باہمی آمد و رفت کے علاقہ نے دونوں قوموں کو ایک دوسرے کے قریب رہنے کی دعوت دی جس طرح عربوں نے ہندی مصنوعات ہندوستانی تلوار کو قدردانی کی نگاہوں سے دیکھا۔ اسی طرح ہندوستانیوں نے عرب سیاحوں اور عرب تاجروں کے قافلوں کی پذیرائی اور مہمان نوازی میں کبھی کوتاہی نہیں کی اس لیے جب اسلام مطلع عرب سے طلوع ہوا اور اس کی زوردار شعاعیں اوّلاً جنوبی ہند پھر اُس سے ملحقہ علاقوں پر پڑنے لگیں تو ان ممالک کے فرماں رواؤں راجاؤں مہاراجاؤں نے اُن سے روشنی حاصل کی جنوب ہند کے راجہ سامری کی طرح مالوہ کے راجہ بھوج نے بھی اس دعوت مبارکہ کو قبول کرنے میں پہل کی خوش قسمتی سے شق القمر کے غیر معمولی معجزہ نے ان پاک باطن اور روشن ضمیر انسانوں کی نگاہوں کے ساتھ دلوں کو بھی روشن و درخشاں کر دیا جس کی تفصیل پچھلے باب میں کر دی گئی ہے اس لیے اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خود اس عظیم معجزہ پر عقل و نقل و روایت و درایت کی روشنی میں مفصل بحث کی جائے اس سے پہلے کہ اس معجزہ پر تفصیلی کلام کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور معجزہ کے درمیان جو قدرتی رابطہ اور نورانی رشتہ ہے اس کو معرض بیان میں لایا جائے۔

مقام نبوت

سب سے پہلے اس حقیقت کو جاننا اور ماننا ضروری ہے کہ نبوت ایک عطیۂ ربانی اور موہبت رحمانی ہے جس کی حقیقت تک رسائی فکر انسانی کے بس سے باہر ہے اگرچہ نبی نوع انسان سے وابستہ ہوتا ہے لیکن وہ عام انسانوں سے اس قدر بلند و بالا مقام پر فائز ہوتا ہے کہ کسی اور انسان کی دسترس وہاں تک نہیں ہو سکتی اس لیے مقام نبوت کو یا تو خود خدا جانتا ہے یا اس کا نبی جان سکتا ہے۔

چونکہ خدا کی ذات و صفات اور اُس کے جملہ کمالات انسانی عقل و فہم، قیاس و وہم کے دائرہ سے باہر ہیں خدا کی ذات یگانہ و یکتا اور تمام صفات میں بے ہمتا وہی خالق و کارساز اور بے نیاز اور مخلوق ہر طرح عاجز و درماندہ اور سراپا نیاز۔ اس لیے خالق و مخلوق، عبد و معبود، بندہ و خدا کے درمیان ربط ہو تو کیوں کر ہو۔

اس لیے اُس ذات کبریا نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان اپنے مخصوص بندوں کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا چونکہ ہر انسان نہ اس منصب عظیم کا اہل ہو سکتا ہے نہ اس کے سر پر تاج نبوت رکھا جا سکتا ہے اللہ یجتبی الیہ من یشاء (الآیہ) خداوند قدوس جس کو چاہتا ہے اس عہدے کے لیے منتخب فرماتا ہے جیسا کہ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ نبوت کا منصب وزارت و سفارت کی طرح ہے جو بادشاہ کے حکم کے بغیر ہر کسی کو نہیں مل سکتا وہ کوئی ڈگری نہیں ہے کہ کسب و محنت یا مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہو سکے وہ ایسا عہدہ و منصب ہے جو حکم شاہی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

(تحفۃ القاری ص ۱۱)

اس لیے نبوت کسبی نہیں ہے بلکہ وہبی ہے بہر حال نبوت کا یہ منصب عظیم اور رسالت کا عہدۂ جلیلہ ایسی شخصیت کو عطا فرمایا جاتا ہے جو تمام افراد انسانی میں بلند ترین صفات کے حامل اور ظاہری اور باطنی کمالات کے مالک ہوں جن کی ذات ایسے امتیازی صفات و خصوصی کمالات سے من جانب اللہ آراستہ ہو کر اس دنیا میں مبعوث ہوتی ہے کہ وہاں تک ہر ایک شخص کی رسائی نہیں۔ نبی اور رسول کچھ ایسی خصوصی صفات کے حامل بن کر آتے ہیں جن کے اندر عام مخلوق میں سے کوئی ان کا شریک اور سہیم نہیں ہوتا وہ صفات جو خدا کے پیغمبروں کو تمام انسانوں سے

ممتاز کرتی ہیں ان میں پہلی صفت عصمت ہے نبی کا پاکیزہ نفس ایسی صاف و شفاف فطرت پر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر ان کی فطرت کا جو ہر نفس کی ناپسند خواہشات سے پاک صاف ہوتا اور بیرونی طور پر شیطانی مکر مد یعنی اس کے فریب کاری و ملمع سازی کے اثرات سے بدو صبا (بچپن) سے لے کر بعثت تک بالاتر ہوتا ہے خدا کے حکم کی خلاف ورزی یا نافرمانی کا صدور اس کی ذات سے محال ہوتا ہے جس کو ہم سمجھنے کے لیے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہر نبی مادر زاد نبی ہوتا ہے لیکن ہر ولی کے لیے مادر زاد ولی ہونا ضروری نہیں چونکہ نبی کی عصمت کا ذمہ دار خود پروردگار عالم ہوتا ہے اس لیے نبی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ نبی کا ہر وقت رابطہ اپنے خدا سے بالواسطہ یا بلا واسطہ ہمیشہ رہتا ہے یہ روحانی لاسلکی نظام کبھی منقطع نہیں ہوتا اور جو واسطہ خدا اور رسول کے درمیان قائم کیا گیا ہے وہ بھی مقدس رابطہ ہے۔ عالم ملائکہ کے سردار و سرتاج خدا کے مقرب و معتمد حضرت روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو خدا کے نبیوں اور رسولوں کو عالم غیب کے پیغام پہنچاتے رہے نبی اور رسول جو عالم ظاہر میں مبعوث ہوتا ہے ان کا عالم غیب سے ربط و ضبط براہ راست بھی ہوتا ہے اور حضرت جبرئیل امین کے ذریعہ سے بھی۔

عالم شہادت ہماری مادی دنیا ہے اور عالم غیب روحانی عالم ایک کا تعلق عالم ظاہر اور دوسرے کا عالم باطن سے ہے ایک عالم سراپا مادہ ہے جہاں ظاہری شکلیں اور صورتیں حواس و ادراک کے پردہ پر نظر آتی ہیں اور ایک سراسر عالم مجرد ہے جسمانیت سے دور دائرہ عقل و حواس سے پرے جو نہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے نہ عقل خالص سے اس کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ بقول علمائے کلام جس طرح جسم حیوانی یا جسد انسانی میں گوشت اور ہڈیاں ایک دوسرے سے مختلف اور یک گونہ متضاد ہیں ایک کی جنس چٹانوں کی طرح خشک و سخت اور ٹھوس اور دوسری جنس دلدلی زمین کی طرح مرطوب و تر اور نرم و ملائم لیکن ان دونوں یعنی ہڈیوں اور گوشت پوست کے درمیان باریک شرائین اور رگوں کا جال خون حیات دوڑا کر ان دونوں چیزوں میں جوڑ کا کام انجام دیتا ہے اگر یہ باریک و مہین رگیں (جو خوردبین کے بغیر انسان کو نظر نہیں آ سکتیں) اس ربط باہمی کا فرض انجام نہ دیتیں تو انسانی ڈھانچہ بے جان ہو کر گر جائے اور یہ مستقیم القامت مخلوق (انسان) رینگنے والے حشرات الارض کی طرح زمین کی سطح پر ماری ماری پھرتی اسی طرح رسول اور نبی کی ذات شبیہ کے انسانوں کے اندر عالم شہادت اور عالم غیب کے

درمیان نورانی رابطہ پیدا کرنے کے لیے تشریف لاتے ہیں اور بندہ کو خدا سے جوڑ دیتے ہیں ورنہ کجا خاک کجا عالم افلاک۔

خدا کا کلام جو بصورت وحی و الہام خدا کے رسول اور نبیوں پر نازل ہوتا ہے وہ رسول و نبی خدا کے اس پیغام کو تمام انسانوں تک پہنچا دیتے ہیں چونکہ خدا کے پیغمبروں کا سلسلہ براہ راست عالم قدس سے پیوستہ ہوتا ہے اور وہ سلک روحانی میں منسلک ہو کر خدا کے پیغام کو سنتے ہیں اس لیے رسولوں اور نبیوں کو جو غیبی پیغام ملتے ہیں وہ اس قدر قطعی اور یقینی ہوتے ہیں کہ ان کے اندر کوئی شک و شبہ بلکہ ذرہ برابر شائبہ وہم کا بھی نہیں ہو سکتا چونکہ حواس و عقل کی حقیقت تک نارسائی کا مسئلہ یا غلط فہمی اور نظر فریبی کا معاملہ حیات انسانی کے اندر روزمرہ کا قصہ ہے اس لیے دنیا کے اس تماشا گاہ حق و باطل میں علم قطعی اور علم یقینی کا ذریعہ وحی الٰہی کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہے جس سے انبیا علیہم السلام سرفراز کیے جاتے ہیں بنابریں نبوت انسانیت کی وہ معراج کمال ہے جس سے بالاتر کوئی انسانی کمال اس عالم امکان میں ممکن نہیں ہے اس لیے نبی کی ذات بشر ہو کر بھی ہر بشری فروگذاشت ہر انسانی نقص و کمزوری سے بلند و بالا ہے لیکن نبی و رسول مافوق البشر نہیں ہوتا ارشاد خداوندی ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ (الآیہ) اے رسول آپ فرما دیجیے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں لیکن مجھ کو خدا نے اپنی وحی سے سرفرازی عطا فرمائی ہے جس کے اندر غیر نبی کا کوئی حصہ نہیں اس ارشاد ربانی نے قدیمی جاہلیت کی [illegible] اور جدید دور کی غلط فہمی کی جڑ کاٹ کر نبوت کے اصل مقام کو نور حقیقت سے واضح و روشن و نمایاں کر دیا ہے۔ پچھلی قوموں کی زبردست گمراہی یہ تھی کہ وہ نبوت و رسالت کی حقیقت سے قطعاً ناآشنا ہو چکے تھے ان کے نزدیک خود خدا اپنے پیغام و احکام پہنچانے کے لیے نعوذ باللہ مخلوق کے پیرایہ میں اتر کر آتا تھا یہی اوتار کا عقیدہ تھا یا خدا کا پیغام لانے والا ان کے نزدیک وہی ہو سکتا تھا جو خداوندی اقتدارات و اختیارات اور ہر طرح کے تصرفات کا مالک ہو اس لیے نبی کی بشری ضروریات کو دیکھ کر وہ نبوت کے منکر ہو گئے تھے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے وقالوا مال هذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق (الفرقان) نبوت کے منکروں نے کہا یہ ایک ایسے رسول ہیں جو ہماری طرح کھانا کھاتے اور بازاروں میں تکمیل ضروریات کے لیے چلتے پھرتے ہیں۔

قرآن حکیم نے انما انا بشر مثلکم کہہ کر نبی کے لیے بشریت کو ثابت کیا اور

اشارہ کیا کہ اے نبوت کے منکرو ابھی تک تم مقام انسانیت سے نابلد ہو اس لیے نبوت کے منصب رفیع کے خلاف گرد و غبار اڑا رہے ہو انسانیت کا مقام اتنا بلند ہے کہ خود عالم افلاک کی نورانی مخلوق (فرشتے) اس کے آگے روز ازل سربسجود ہوئے اور آج بھی حیات انسانی کی ضروریات کی تکمیل کے لیے یہ کارکنان قضا و قدر ہر وقت سرگرم کربستہ ہیں۔

جب انسانیت کا مرتبہ اتنا ارفع و اعلیٰ ہے تو نبوت کا منصب کمالات انسانی کا منتہائے عروج ہے وہاں تک فکر انسانی کی رسائی ممکن نہیں اس لیے قدیمی گمراہی کو اثبات بشریت کے ذریعہ دور کیا لیکن اثبات بشریت سے کچھ نادانوں و نافہموں نے غلط فائدہ اٹھایا کہ جب نبی انسان ہے اور انسان مرکب من الخطاء و النسیان ہے تو اعاذنا اللہ منہ نبی سے کوئی غلطی سرزد ہو سکتی ہے یا کوئی گناہ صادر ہو سکتا ہے اس لیے اس بے ہودہ و پست رکیک خیال کو [illegible] سے صاف کر دیا یعنی نبی کا براہ راست تعلق حظیرۃ القدس سے ہوتا ہے اور خدا کی ذات اس کی [illegible] و حفاظت کی ضامن ہوتی ہے اس لیے ان سے کوئی گناہ کبیرہ و صغیرہ نہیں ہو سکتا۔

چونکہ حضرت حق جل مجدہٗ اپنے علم محیط و قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے انہی نفوس قدسیہ کو نبوت سے ممتاز فرماتے ہیں جو کمالات انسانی کی سب سے اونچی چوٹی پر ہوں اس لیے رسول و نبی تمام انسانوں کے لیے مطاع اور قابل اتباع ہوتے ہیں۔ وہ صورت و سیرت، ظاہر و باطن اخلاق و عادات غرض جملہ کمالات میں ہر طرح کامل و مکمل ہوتے اور عام انسانوں کے لیے قابل تقلید نمونۂ عمل ہوتے ہیں اس لیے ان پر کسی کو مجال انگشت نمائی نہ کسی کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ ان نفوس قدسیہ کے صاف و پاک دامن عصمت پر داغ دھبہ لگا سکے۔

ہاں خداوند قدوس کی ذات جامع الصفات جو ہر وقت ان کے اعمال و افعال کی مربی و نگراں ہے کسی ایسی بات پر جو ان کی بلند و بالا شان کے شایان نہ ہو متنبہ کر سکتی ہے یہ خداوندی انتباہ دراصل ان کے علوِ شان اور عظمت مقام کی دلیل ہے اس لیے کہ نبوت و رسالت انتخاب خداوندی کی مظہر ہے جہاں بندے کو کوئی اختیار نہیں اور جس کے اندر انسانی جد و جہد اور محنت کا کوئی دخل نہیں۔

نبوت و معجزہ

تاریخ انسانیت کے سنہری سلسلہ انبیا علیہم السلام کی تاریخ سے وابستہ ہے جو دنیا کے

ہر خطہ میں اس وقت ستارۂ ہدایت بن کر طلوع ہوتے ہیں جب کہ جاہلیت کا اندھیرا چھا گیا اور مخلوق خدا راہ راست سے بھٹک کر ہلاکت کے گڑھے کے قریب جا پہنچی ہے۔ خدا کے پیغمبروں نے ہر زمانہ کے اندر اس ظلمانی ماحول میں علم و معرفت کا چراغ روشن کیا اور اپنی عملی زندگی کے درخشاں نمونہ سے نجات و کامیابی کا راستہ کھولا اور ان گمراہ انسانوں کو سیدھے راستے پر لگا دیا۔

خدا کے سچے نبی اور پیغمبر اگرچہ بنی نوع انسان کی جنس میں سے ہوتے ہیں مگر ان کی شخصیت غیر معمولی خصوصیات اور خصوصی امتیازات کی حامل ہوتی ہے جس کو اہل معرفت نے اس طرح بیان کیا ہے۔

هو بشر لا کالبشر بل هو	نبی بھی انسان ہوتا ہے لیکن عام انسانوں کی طرح نہیں
کالیاقوت بین الحجر	ہوتا بلکہ اس طرح جیسے پتھروں میں یاقوت ہوتا ہے۔

جواہرات بھی پتھر کی جنس میں شمار ہوتے ہیں لیکن پتھر کے مقابلے میں ان کی قدر و قیمت کا کیا ٹھکانا اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند قدوس اپنے بندوں میں سے رسولوں کو نبیوں کو خاص طور پر اپنے پیغام کے پہنچانے اور اپنے احکام کے نافذ کرنے کے لیے چن لیا کرتے ہیں اس لیے وہ رسول و نبی خدا کے نمائندے بن کر اس دنیا میں آتے ہیں جس طرح آج کل ہم حکومت کے لیے انہیں میں سے کسی ایک فرد کو منتخب کر لیتے ہیں تو وہ فرد واحد اس وقت پوری قوم کا ترجمان بن جاتا ہے بلا تشبیہ کے کہا جا سکتا ہے کہ خدا جب کسی مخصوص بندہ کو چن لیتا ہے تو وہ دربار خداوندی کا نمائندہ بن جاتا ہے اور پوری خدائی اس کی سچائی کی گواہی دیتی ہے جھاڑ پہاڑ اس کے آگے جھکتے ہیں دریا اس کے لیے راستہ دیتے ہیں اور کائناتی عناصر بحکم خدا بلا کسی اسباب ظاہری کے اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں اس لیے کہ وہ خدا کا نشان بھی ہوتا ہے اور خداوندی نشانی بھی لے کر آتا ہے ایسی نشانی جس کو عام و خاص آدمی دکھانے سے عاجز ہوتے ہیں ایسی خاص نشانی ایسا غیر معمولی کرشمہ جب نبی کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے تو وہ معجزہ کہلاتا ہے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا دست مبارک ید بیضا بن کر سورج کی طرح چمکتا اور اہل باطل کی نگاہوں کو خیرہ کر دیتا، ہاتھ کا عصا اژدہا بن کر فرعونی تخت و اقتدار کو الٹ دیتا ہے حضرت داؤد خلیفۃ اللہ کا ہاتھ فولاد کو موم بنا دیتا اور ان کے مقدس ہونٹوں سے ابلنے والا حمد و ثنا کا نغمہ پہاڑوں، خوش چرندوں پرندوں اور جنگل کے جانوروں کی زبانی خدا کی تعریف و توصیف کے زمزموں سے ساری

فضا کو لبریز کر دیتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اشارے پر ہوائیں ان کے تخت کو لے کر چلتیں، اور مہینوں کا راستہ گھنٹوں میں طے کرا دیتی ہیں ایسے ہی حضرت مسیح علیہ السلام کے نعرہ قم باذن اللہ سے مردے زندہ ہو جاتے اور دست شفا سے مادر زاد نابینا بینائی پا لیتے اور لا علاج بیمار اور مریض شفایاب ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ خداوندی نشانیاں ہیں جو موٹی عقل والوں کو حیرت زدہ کر دیتیں اور ان کو اقرار نبوت پر مجبور کرتی ہیں لیکن اہل دل اور ارباب فہم نبی کے چہرہ نورانی اور اس کی صدائے حقانی میں اعجاز خداوندی کا مشاہدہ کرتے ہیں بقول مولانا روم ؎

در دل ہر کس کہ دانش را مزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزہ است

ہاں جن ارباب ظاہر کی نظر اسباب اور مسببات کے سلسلہ میں الجھی ہوئی اور علت و معلول کے دائرہ میں محدود ہے وہ معجزات کا انکار محض اس بنا پر کرنے لگتے ہیں کہ معجزات قدرت کے عام قوانین laws of nature کے خلاف ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ پیغمبر کی خصوصی شخصیت اور عام انسانوں میں سے ان کا خصوصی انتخاب اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ خدا کے عام قوانین کے علاوہ خدا کے خاص قوانین بھی ہیں جو خدا اپنے خاص بندوں کے لیے ظاہر کرتا ہے۔ بقول علامہ عثمانی

عام انسانوں کے لیے تو خدا کے عام قوانین ہیں جن کو ہم فطری قوانین سے یاد کرتے ہیں لیکن اسی خدا کے اپنے مخصوص اور برگزیدہ پیغمبروں کے لیے خصوصی ضابطے ہیں جن کو وہ خدا مخصوص احوال میں اور مخصوص اوقات میں برتتا ہے یہ عام و خاص قانون بارگاہ الٰہی میں ہی نہیں بلکہ ہم ناچیز بندوں کے یہاں بھی ہیں عام لوگوں کے ساتھ ہمارا عام معاملہ اور خاص عزیز و قریب لوگوں کے لیے خصوصی معاملہ ہوتا ہے یہ روزمرہ کی زندگی کے احوال و واقعات ہیں۔

(معجزات و خوارق عادات ص ۱۱)

پس خدا کے یہاں بھی دو قسم کے قوانین ہیں عوام کے لیے وہی قوانین جن کو انسان اپنے عقل و تجربہ کی روشنی سے دریافت کرتا رہتا ہے لیکن خدا کے خاص قوانین وحی الٰہی کی روشنی ہی سے معلوم کیے جا سکتے ہیں ان کے ادراک سے ظاہری عقل عاجز رہ جاتی اور ان کے تعقل سے سطحی فہم قاصر رہتا ہے لیکن جس طرح جوہری توانائی Atomic energy یا نظریۂ اضافت کی حقیقت شناسی

سے عوام کے قاصر رہ جانے کی بنا پر اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اسی طرح انکار معجزات سے خواہ وہ کتنے ہی بڑے سائنسدانوں کی طرف سے ہوں معجزے کی واقعیت متاثر نہیں ہوتی۔ اصل حقیقت کے انکار کر دینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔

بہر حال انبیاء علیہم السلام کے معجزات برحق ہیں ہر پیغمبر کے مقام عالی اور اس کی جلالت قدر کے اعتبار سے معجزات کی نوعیت بھی ہوا کرتی ہے خدا کا جتنا مقرب اور جلیل القدر رسول ہوگا اتنا ہی اس کا معجزہ بھی عظیم و جلیل ہوگا اور جس قدر اس کی نبوت کا دائرہ وسیع ہوگا اسی قدر اس کے معجزات کے اثرات ہمہ گیر اور وسعت پذیر ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ فرعونیت کا تختہ الٹنے کے لیے تشریف لائے تھے اس لیے انفلاق بحر (دریا کو پھاڑ دینے) کا معجزہ ان سے صادر ہوا اور آں جناب نے پوری فرعونیت کو غرقاب قلزم کر دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کو ظاہر پرستی کی دلدل سے نکالنے کے لیے آئے تھے کہ روح شریعت (محبت الٰہی) سے ان کے سینہ ویران ہو چکے تھے اس لیے خدا کے خلیفہ داؤد نے عشق حقیقی کی بانسری کے نغموں سے ان ویران سینوں کو لبریز الفت کر دیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام جب قوم یہود میں مبعوث ہوئے تو پوری قوم روحانی موت میں مبتلا ان کی آنکھیں نور حقیقت سے نابینا اور ان کے کان اعلان حق کی شنوائی سے ناآشنا ہو چکے تھے اس لیے احیائے موتیٰ ابرائے اکمہ و اعمیٰ جیسے عظیم الشان معجزوں سے ان کو سرفراز کیا گیا۔

جب سب سے آخر میں کشتی انسانیت کے ناخدا عالم جن و انس کے مقتدا اور پیشوا سردار انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا عہد سعادت مہد آیا تو تمام دنیا جہالت کی اندھیریوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ وہ دور ہی جاہلیت کے نام سے مشہور تھا اور عملی گمراہیوں نے انسانی زندگی کو اس طرح گھیرے میں لے لیا تھا کہ عیب و ہنر اور گناہ کے کام ثواب کے کام بن گئے تھے۔ خیر و شر کا احساس اندھیرے اجالے کا امتیاز ذہنوں سے مٹ چکا تھا وقت کے فرعون اور نمرودوں نے قیصر و کسریٰ کا لقب اختیار کر کے عام مخلوق خدا کو اپنے پنجۂ اقتدار میں دبا رکھا تھا ہر طرف طاقتوروں، زور آوروں نے بے زبان غریبوں اور کمزور انسانوں کے کاندھوں پر اپنے تخت و اقتدار کو بچھا رکھا تھا۔ عوام معاشی چکروں کا شکار ہو کر اور خواص عیش و مستی کی بھول میں

پھنس کر عشقِ حق کو بھلا بیٹھے تھے اور کیا عرب کیا عجم تمام عالمِ انسانیت پر روحانی موت طاری ہو چکی تھی ۔ دنیا پرستی اور غلط اوہام پرستی نے آنکھوں کو حق کی روشنی سے اور کانوں کو حق کی شنوائی سے اور ہر زبان کو حق گوئی سے محروم کر دیا تھا انسانی دل و دماغ حق فہمی اور حقیقت شناسی سے بے گانہ ہو چکے تھے ۔ خدا نے اسی عام قانون کے مطابق جو کائنات و فطرت میں جاری ہے کہ وہ ہر ضرورت کا بندوبست فرماتی ہے ہر مرض کے لیے اس نے دوا کو اور انسان کی فطری اشتہا اور بھوک پیاس کے لیے اسبابِ خورد و نوش اور غذا کو پیدا فرمایا ہے جب رات کی اندھیریاں گھٹا ٹوپ بن جاتی اور سارے عالم کو اپنی سیاہ چادر میں لپیٹ لیتی ہیں تو اسی پردۂ شب سے صبح نورانی جلوہ آرا ہوتی ہے اور جب زمین دھوپ کی تمازت اور گرمی کی شدت سے تپنے لگتی ہے تپن اُبھر جاتے کھیتی باڑی کی زمین خشک ہو جاتی کنوئیں تالاب سوکھ جاتے ساری کائنات تشنہ لب اور بے جان ہو جاتی ہے تو عین اسی عالم التہاب اضطراب میں رحمتِ الٰہی کے جھونکے چلنے لگتے ہیں باران رحمت سے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔

دنیا پر پانچ سو برس کا زمانہ فترت کا ایسا گزرا کہ حضرت مسیحؑ کی نبوت کی شعاعیں چمک کر ماند پڑ گئیں اور پچھلے نبیوں کی پھیلائی ہوئی روشنیاں بجھ کر رہ گئی تھیں انسانیت روحانی پیاس سے بے دم ہو کر تڑپنے لگی تھی اور نفس پرستی اور خواہش پرستی کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پوری کائنات ڈوب چکی تھی کہ یکایک عرب کی وادیوں میں نورانی سحر چمکی مکہ کے افق نے صبح کی روشنی کا استقبال کیا غار حرا کی چوٹیوں سے آفتاب عالمتاب نکل آیا اور اس کی شعاعیں بلند ہونا شروع ہوئیں چالیس برس گزرنے پر رحمت کی بارش کا آغاز ہوا شروع شروع میں ہلکی پھوار نے زمین کو تر کیا تین برس بعد جب کہ علانیہ دعوت کا حکم صادر ہوا تو وحی الٰہی مینہ بن کر برسنے لگی پھر تو لگاتار جھڑی لگ گئی جس کے اندر وعید و تنبیہ کی کڑک چمک بھی تھی اور انذار کی بجلی کا تازیانہ بھی تھا۔

چونکہ نبی اکرم نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی آخری نشانی بن کر تشریف لائے تھے اس لیے انسانوں پر حجت تمام کرنا اور خدا کی خاص نعمت معرفت و وحدانیت کو عام فرمانا آپ کا خاص مقصد تھا اس لیے پروردگار عالم نے ہر طرح کی نشانیوں کو آپ کے ہاتھوں ظاہر فرمایا ہر نوع کے معجزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائے گئے ، علمی معجزے بھی اور عملی معجزے بھی ۔ علمی معجزوں سے انسانوں کی روح و عقل کو منور فرمایا اور عملی معجزوں سے بنی نوع انسان کی

فکر و نظر کو روشن کر دیا۔

دنیا کا سب سے زیادہ پر آزار روگ خدا کی ذات و صفات اس کے حقیقی کمالات سے جہالت اور مقامِ نبوت و حقیقت و رسالت سے ناواقفیت ہے اس جہل و نادانی کی عمر انسانیت کی عمر سے کچھ ہی کم ہے پھر اس جہالت کا سلسلہ اس وقت تک رہے گا جب تک انسان اس دنیا میں موجود ہے اس لیے ضروری تھی کہ وہ نبوت جس کا سلسلۂ ہدایت قیامت کے دامن سے بندھا ہوا ہے اس کو ایسا علمی معجزہ عطا فرمایا جائے جو سورج کی طرح روشن ہو اور جو اپنی تیز شعاعوں سے جاہلیت قدیمہ کے باطل عقائد و خیالات اور غلط توہمات کی اندھیریوں کو کافور کر دے اور مزعومہ علم کے نام سے آگے چل کر دنیا میں جاہلیت جدیدہ جو فتنے پھیلانے والی ہے ، اس کا قلع قمع بھی اپنی درخشاں علمی حقیقتوں سے کرتا رہے ۔ اس لیے وہ معجزہ زندہ و تابندہ اور قیامت تک کے لیے پائندہ بھی ہو چنانچہ معلمِ انسانیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی الٰہی اتری اس کا افتتاح "اقرأ" سے ہوا۔

تعلیم و خواندگی کے سبق کو شروع کر کے آخری وحی نے اشارہ کر دیا کہ اب علم و عرفان کا سورج طلوع ہو چکا اب دنیا سے جہالت کا اندھیرا چھٹ کر رہے گا اور وحی آخری کے ذریعہ تعلیم و خواندگی کی لہریں عالمگیر طور پر دنیا میں پھیل کر رہیں گی کیونکہ نبوت محمدی کا دور علمی دور ہے اور امت محمدیہ امت علمیہ ہے ۔ پرانے زمانے کی دینی اجارہ داریاں ختم ہو جائیں گی اور علوم و فنون کی خاص افراد یا طبقات کی ٹھیکیداریاں مٹ کر رہیں گی۔

چنانچہ قرآن حکیم حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا علمی ابدی معجزہ ہے جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں انسانی زندگی کے دھارے کا رخ بدل دیا نبی اُمی فداہ ابی و امی کی تشریف آوری کی بدولت عرب کا روحانی انقلاب پوری دنیا کے ظاہری و باطنی انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے نصف صدی میں اس وقت کی عظیم الشان روم و ایران کی سنہنشاہتیں عرب کے مقابلہ میں غبار بن کر اڑ گئیں اس وقت کی دنیا کی سب سے زیادہ پسماندہ غیر مہذب غیر متمدن عرب قوم عالمی تہذیب و تمدن کی مالک اور علمی و عملی محاسن و کمالات کے اعتبار سے قوموں کی سرداری کا تاج ان کے سر پر رکھ دیا گیا اور ساتویں صدی عیسوی سے پندرھویں سولھویں صدی تک اقوام عالم میں اس کی امامت ہر شعبۂ زندگی میں مسلم الثبوت رہی ۔ اعجاز قرآنی کا اعتراف دوست و دشمن ہر ایک نے یکساں طور پر کیا ہے اور آج بھی قرآن اپنے علمی و روحانی تمدنی

و معاشرتی اصول و قوانین کے لحاظ سے جملہ حریف طاقتوں کو چیلنج دے رہا ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والی زندگی کی مشکلات کے حل کے لیے دعوت ھل من مبارز دیتا رہے گا۔

قرآن کے حامل آج قرآن فراموشی کی وجہ سے ذلت و نکبت ادبار و پستی کے گڑھے میں گر چکے ہیں لیکن خداوند قدوس کی یہ عظیم کتاب اپنی عظمت و جلالت کی بنا پر آج بھی ہر اس گرے پڑے کو آسمان رفعت پر پہنچانے کی دعوت دے رہی ہے جو اس کو لے کر کھڑا ہو جائے اور اپنی زندگی کو قرآن کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق گزارنے کا عزم صمیم کرے۔

زندگی کے پرشور سمندر میں ہزاروں قومیں بلبلوں کی طرح ابھریں تھوڑی دیر سطح بحر پر اپنی نمود سے آنکھوں کو دعوت نظارہ دیتی رہیں لیکن وقت گزرنے پر انقلابی ہواؤں کے تھپیڑوں سے بیٹھ کر رہ گئیں مگر قرآن حکیم پر عمل کرنے والے افراد یا قوم کے لیے ابدی زندگی کا پیغام آج بھی موجود ہے اور قرآن کے حقائق قوموں کے عروج و زوال، معاشرہ انسانی کی ترقی و تنزل اور سیاسی زندگی کے رفعت و پستی کے سلسلہ میں اس کے اصول ہمالیہ کی چوٹیوں کی طرح قائم و برقرار ہیں۔

قرآن حکیم کی ہر ہر سورت ایک مستقل معجزہ اور ہر ہر آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے خدا کی نشانی ہے اس لیے وہ ہزاروں علمی معجزات کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہے اس کے عجائبات کا سمندر ہمیشہ ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے اور اس کی موجیں کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

جس طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علمی معجزہ جو اپنے اندر ہزاروں معجزوں کو لیے ہوئے ہے عطا فرمایا گیا اسی طرح سرور عالم کو عملی معجزات بھی لاتعداد و بے شمار مرحمت کیے گئے مثلاً نبوت سے پہلے پتھروں کا آنحضرت کو سلام کرنا اور درختوں کا آپ کے آگے سر جھکانا، دشمن کی مٹھیوں میں کنکریوں کا کلمہ پڑھنا اور سراقہ (آپ کے تعاقب کرنے والے) کے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا اور ریت میں سے روشنی کا نکلنا، بکریوں کے خشک تھنوں کا دودھ سے بھر جانا، اونٹ کا آپ کے آگے سجدہ کرنا اور اپنے مالک کی شکایت بیان کرنا، اُستن حنانہ (ٹیک لگانے والی خشک لکڑی) کا آپ کے فراق میں رونا اور ممبر پر بیٹھنے کی وجہ سے اس کا آہ و زاری کرنا بچوں کی طرح بلبلانا اور تمام صحابہ کا اس کی آہ و بکا کا سننا، مٹھی بھر ریت کے ذروں کا سینکڑوں دشمنوں کی آنکھوں میں پہنچ جانا، حضور علیہ السلام کی بابرکت انگلیوں میں سے پانی کا پھوٹ نکلنا اور بے شمار آدمیوں کا اس سے سیراب ہونا، چند آدمیوں کے کھانے کا حضور انور علیہ السلام کی

ذات بابرکات سے سینکڑوں لوگوں کے لیے کافی ہو جانا غرض ایسے بے حد و بے شمار واقعات ہیں جن کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں بلکہ چند مشہور معجزوں کی طرف میں اجمالی اشارہ کرنا مطلوب ہے یہ وہ معجزات ہیں جن کو دیکھ کر بہت سے منکر و کافر مشرف با اسلام ہوئے لیکن ان عملی معجزات میں شق القمر کا معجزہ، غیر معمولی اہمیت اور عجیب و غریب خصوصیت کا حامل ہے کیونکہ پچھلے پیغمبروں سے اور خود سردار الانبیاء سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی نشانیاں ظاہر ہوئیں ان سب کا تعلق کائنات ارضی (زمینی اشیاء) سے تھا۔

جمادات و نباتات و حیوانات ہوں یا خود اشرف المخلوقات یعنی انسان ہو اس کائنات ارضی پر شعبدہ بازی، نظر بندی، سحر و ساحری اور جادوگری جیسے فنون کثیفہ کے ذریعہ بہت سے مکار و عیار اور شعبدہ باز زمانہ قدیم سے انسانوں کو دھوکا دیتے اور مکر و فریب کے جال میں پھانستے چلے آرہے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مصر کے جادوگروں نے رسیوں کے سانپ بنائے تھے اور نظر بندی سے وہ دیکھنے والوں کو دوڑتے ہوئے سانپ ہی دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن عصائے موسوی کے ڈالتے ہی ان کی قلعی کھل گئی۔

اس لیے معجزہ اور شعبدہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے حقیقت اور مصنوعیت کا تفاوت دونوں میں وہی فرق ہے جو اصلی سونے اور نقلی سونے میں ہے جو سچ اور جھوٹ میں ہے۔

بہرحال اہل باطل کی جعل سازی، فریب کاری عیاری و مکاری اور چالبازی جو کچھ چل سکتی ہے وہ [illegible] چیزوں پر لیکن آسمان یا عالم فلکی پر جادوگری اور شعبدہ بازی کے پر جلتے ہیں وہاں نہ نظر بندی کا [illegible] چل سکتا ہے نہ سحر اور جادو اپنا اثر دکھا سکتا ہے۔ حضرت سرور کون و مکاں سردار دو جہاں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرہ صرف کرہ ارضی تک محدود نہیں بلکہ جس طرح زمین کے ہر خطہ، ہر اقلیم اور ہر براعظم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول و نبی ہیں آپ کی نبوت عالمگیر ہے۔ اسی طرح آسمانوں پر بھی حضور پر نور نبی ہیں کرۂ قمر پر بھی آپ کی نبوت کی نشانی ہے اور جملہ کواکب اور سیارگان میں نور نبوت جلوہ فرما ہے۔ خداوند قدوس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و خاتمیت کے انوار کو اپنی ساری خدائی میں پھیلا دیا ہے۔ حضور پر نور کی نبوت اور خاتمیت نہ زمان کے ساتھ مختص ہے نہ مکان کی حد بندیوں میں محدود آپ کی نبوت کے مقابلہ میں زمان و مکان کا جو کچھ تصور ہے وہ اضافی ہے چونکہ آنحضرت کی نبوت ابدی و دائمی ہے۔ بہرحال سید الاولین والآخرین خاتم النبیین صلوٰۃ اللہ الاجمعین زمین پر بھی نبی ہیں اور آسمانوں

پر بھی ان کی خاتمیت کا جھنڈا لہرا رہا ہے اس لیے جس طرح آپ کو زمینی معجزوں سے نوازا گیا آسمانی معجزے سے بھی سرفرازی بخشی گئی۔ معراج آسمانی میں آپ کی امامت اور سیادت پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء و پیروی سے مہر تصدیق ثبت کرائی گئی اسی خصوصی فضیلت کی بنا پر حضور انور علیہ السلام کو ایسا معجزہ عظیم عطا فرمایا گیا جس نے آپ کی حقانیت و صداقت کا نقش آسمانی کرہ پر بھی قائم کر دیا وہ ہے معجزہ شق القمر اس آسمانی معجزہ کی رفعت و بلندی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اس معجزہ کا ذکر خدا نے پچھلے پیغمبروں سے کیا اور ان پیغمبروں نے اپنی امت کو اس معجزہ سے آگاہ کیا تاکہ پھر آپ کی نبوت کی تصدیق میں کسی کو کوئی شک و شبہ پیش نہ آئے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں کے مصدق بنا کر بھیجے گئے تھے اور یہ بھی آپ کی خصوصی علامتوں میں سے ایک خاص علامت تھی جس سے نبوت کی ساری کڑیوں کا ایک سلسلۂ آسمانی سے متعلق ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہی صداقت انبیاء کا ایک روشن ثبوت ہے چونکہ دنیا کے عام علوم و فنون کے اندر بعد میں آنے والے حکیم و محقق عالم و فاضل پچھلے گزرے ہوئے محقق و فاضل کی تردید کی بنیاد پر اپنے شہرت کے محل کی تعمیر کرتا ہے۔

ہر پچھلا فلسفی و حکیم اگلے فلسفی و حکیم کی نظریات اور خیالات کی تردید کو بنیاد بنا کر اپنی بلندی و ناموری کا منارہ اٹھاتا ہے اور اپنی رفعت و عظمت کا اعلان کرتا ہے بخلاف خدا کے سچے نبیوں کے کہ وہ ایک ہی خدا کا پیغام ایک ہی خدا کے احکام انسانوں میں پیش کرتے ہیں اس لیے ہر نبی دوسرے نبی کی صداقت کا اعلان کرتا ہے چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشینگوئی پچھلے انبیاء علیہم السلام کی زبانی کی گئی اور نہ صرف آپ کی نبوت و رسالت کا ان نبیوں سے اقرار لیا گیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی علامات اور مخصوص نشانیاں بھی پچھلی کتب توریت و زبور اور انجیل میں بیان کی گئیں جس کی تفصیل کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔

معجزہ شق القمر کا ذکر بائیبل میں

یہ معاملہ بھی عجیب و غریب ہے کہ بقول حضرت علامہ عنایت رسول چریاکوٹی "معجزہ شق القمر کی بھی پیشینگوئی کتب سابقہ میں موجود ہے علامہ مرحوم اس آخری دور میں قدما کا نمونہ عربی کے جید فاضل، عبرانی، سریانی، کلدانی، حمیری قدیمی زبانوں کے ماہر اور محقق عالم تھے۔ علامہ موصوف اپنی بے نظیر کتاب بشریٰ میں تحریر فرماتے ہیں "کفار مکہ نے حضور علیہ السلام سے

جب جمادات و نباتات وغیرہ کے معجزات دیکھے تو ایک عظیم معجزہ کی فرمائش کی کہ افلاک پر تصرف دشوار ہے وہ قابل خرق والتیام نہیں تب معجزہ شق القمر طلب کیا اس معجزہ کی فرمائش اگرچہ ابوجہل نے کی تھی لیکن اس نے اس معجزہ کا مطالبہ ایک یہودی کے کہنے پر کیا تھا (حاشیہ بشریٰ ص ۴۳)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل مکہ (ابوجہل) نے یہودیوں کے کہنے سے اس معجزہ کی فرمائش کی اس یہودی نے ابوجہل لعین کو اس معجزہ کو دکھانے ہی کی کیوں تلقین کی؟ اس کا جواب علامہ موصوف کے سوا ہمارے علم و تحقیق کے مطابق آج تک کسی اور نے نہیں دیا ارشاد فرماتے ہیں۔

"چونکہ حضرت موسیٰ کی رحلت کے بعد جب کہ قوم عمالقہ سے حضرت یوشع ابن نون کی سرکردگی میں بنی اسرائیل کا مقابلہ ہوا اور ارض فلسطین کی فتح کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے بتا دیا گیا تھا قوم عمالقہ سے بنی اسرائیل مقابلہ کرتے رہے جب سورج ڈوبنے لگا یوشع ابن نون کی دعا سے ردِ شمس کا معجزہ ظہور پذیر ہوا جیسا کہ صحیفہ یوشع میں باب ۱۰ آیت ۱۲ میں ہے۔"

"چار پہر تک سورج دائرۂ نصف النہار پر قائم رہا"

حضور علیہ السلام کے معجزہ شق القمر کا ذکر یوئیل نبی نے کیا ہے۔ "سورج تیرہ ہو جائے گا اور قمر منشق خدا کے بڑے اور بھیانک دن کے آنے سے پہلے" (یوئیل باب ۲ آیت ۳۱) اس صاف واضح پیشینگوئی کی تصدیق کی یہ مثال واضح و آشکارا ہے اور سیاق کلام نے اس کو صاف ظاہر کر دیا۔ وان یروا اٰیۃ یعرضوا و یقولوا سحر مستمر (سورۃ القمر) یہ آیت کریمہ صاف بتا رہی ہے کہ یہ پیغمبر کے معجزہ کا بیان ہے کیونکہ ان کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا جو معجزہ دکھائے۔

اس لیے آیت کو مستقبل پر محمول کرنا کھلی زیادتی ہے واضح ہو کہ یوئیل نبی نے خبر دی تھی کہ قریب قیامت کے سورج تاریک ہو جائے گا اور قمر شق ہو جائے گا یہ مقصود نہیں کہ دونوں امر ایک ہی وقت میں ہو جائیں گے چنانچہ انشقاق قمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوا رہا یہ کہ یہ واقعہ حسب پیشینگوئی قریب قیامت کے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش علامات قیامت میں سے ہے۔ جامع ترمذی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بعثت انا و الساعۃ کھاتین و اشار الی الوسطیٰ والسبابۃ (بعثت میں اور قیامت دونوں اتنے قریب ہیں جیسے کہ دونوں انگلیاں اور حضور نے درمیانی

[illegible]

انگلی اور کلمہ کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا (بشریٰ ص ۲۳۲)

اور کتاب یوشع باب دس آیت ۱۱ اور ۱۲ میں اس طرح ہے

" کہا یوشع نبی نے بنی اسرائیل کے سامنے شمس مقام کیعون جنت میں ٹھہر جا اور قمر وادی آیالون میں جیسا ٹھہر جائے گا سورج ٹوٹ جائے گا اور چاند یہاں تک کہ سزا دے قوم دشمن کو لوح محفوظ پر یہی لکھا ہے تب ٹھہر گیا سورج نصف سما پر اور جنبش نہ کیا غروب کے لیے قریب دن بھر کے مقام کیعون یعنی جنت میں لڑائی ہو رہی تھی جہاں آفتاب پرستی بڑے زور و شور سے ہوتی تھی تو حضرت یوشع نے شمس سے فرمایا کہ ٹھہر جا اور قمر کو بھی ایسا ہی اشارہ کیا چنانچہ وہ ٹھہر گیا جس کی حکایت آخری آیت میں ہے اور وسط میں جملہ معترضہ کے طور پر بیان ہے کہ جیسا شمس ٹھہر جائے گا اور قمر ٹوٹ جائے گا اس لیے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی ہے کہ کسی زمانے میں ایسا ہوگا اس خبر کے پورا ہونے کے لیے یہ معجزہ دکھایا گیا کہ یہود اس کا خیال و لحاظ کر کے ان کی رسالت کی تصدیق کریں اور عذاب دنیا و آخرت سے نجات پائیں یہود بے بہود اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ بارھویں آیت میں یہ بیان ہے کہ یوشع نے شمس و قمر سے یہ کہا کہ ٹھہر جاؤ اور تیرھویں آیت میں ان کے ٹھہر جانے کا بیان ہے یعنی وہ دونوں حسب ایمائے یوشع ٹھہر گئے جنگ تک اگر یہ معنی ہو سکتے ہیں لیکن اس صورت میں تکرار کی قباحت لازم آتی ہے کیونکہ اس کے بعد یہ مذکور ہے کہ سورج نصف آسمان پر ٹھہر گیا لیکن چاند کے بارے میں آیت خاموش ہے اس کے بعد چودھویں آیت میں لکھا ہے کہ اس دن

پچھلے صفحے کا حاشیہ

حجۃ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ نے واقعہ شق القمر کو حجۃ اللہ البالغہ کو علامات قیامت میں سے قرار دیا ہے جس سے ان کے معجزہ ہونے کا انکار مترشح ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ زاہد کوثری نے اپنے رسائل مطبوعہ میں شاہ صاحب کے انکار معجزہ کو مورد اعتراض بنایا ہے حضرت حکیم الامت تھانوی نے اس کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ شاہ صاحب کا یہ لکھنا کہ شق القمر کا معجزہ علامات ساعت سے ہے، اس سے وقوع شق القمر کا انکار مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے طلوع شمس من المغرب حضور کا معجزہ نہیں بلکہ علامات قیامت سے ہے ایسے ہی شق القمر صرف معجزہ نہیں بلکہ علامات قیامت سے بھی ہے جیسے آیت اقتربت الساعۃ وانشق القمر (رسالہ نور ربیع الثانی [illegible])

کوسا مستجاب الدعوات نہ پہلے تھا نہ پیچھے جب خدا بنی اسرائیل کی طرف سے لڑا

اس مقام پر لفظ سزا جو پیشگوئی میں واقع ہے وہ یہود مدینہ کی اس بد باطنی اور خباثت نفسی کو ظاہر کر رہی ہے جو جنگ خیبر کا باعث بنی چونکہ یہود نے غزوۂ خندق میں مکہ کے بت پرستوں اور مشرکوں سے مسلمانوں اور خدائے ایک ماننے والوں کے مقابلے میں ساز باز کر لیا تھا ان ہی کی مفسدہ پردازی اس جنگ کا سبب بنی بت پرستوں سے موافقت بمقابلہ موحدین اسلام بیجا تھی۔ (بشریٰ ص ۲۳۱)

شق القمر کا اصلی واقعہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم الشان معجزہ کا ذکر قرآن حکیم میں اجمالی اور احادیث رسول کریم میں تفصیلی ہے صحیح بخاری و صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں مفصلاً اس کا ذکر ہے۔

" ہجرت سے پانچ برس پہلے مکہ شریف میں جب کہ حج کا زمانہ تھا اور مقام منیٰ میں کفار عرب جمع تھے چونکہ عہد ابراہیمی سے حج کا سلسلہ برابر چلا آرہا تھا اگرچہ دور جاہلیت نے اس پاکیزہ عبادت کی صورت مسخ کر دی تھی مثلاً ننگے ہو کر طواف کرنا صفا اور مروہ پر اساف و نائلہ دو مورت بتوں کی ڈنڈوت کرنا قریش مکہ کا میدان عرفات میں نہ پہنچنا چونکہ اہل مکہ خود کو اہل حرم سمجھتے اور بیرون حرم جانے کو ناپسند کرتے تھے۔ مگر منیٰ کی وادی میں سب لوگ جمع ہوتے تھے جب موسم حج آتا تو ہادی اکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب کے پاس دین حنیف کی دعوت کو پیش کرنے کے لیے تشریف لے جاتے اور توحید الٰہی کی فہمائش کرتے۔

آدھی رات کا وقت ہوگا حضور علیہ السلام اپنے مقدس مشن کو سر انجام دے رہے تھے اور ابوجہل نے ایک یہودی سے جو اس کے ہمراہ تھا اس سے دریافت کر کے نبوت کی نشانی طلب کی اور چاند کے شق کرنے کی فرمائش نبی کے سامنے رکھ دی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود جو عینی شاہد ہیں وہ اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا چاند پھٹ گیا ایک جبل ابو قبیس پر تھا تو دوسرا کوہ قیقعان پر تھا یعنی ایک مشرق کی طرف تو دوسرا مغرب کے رخ پر اور کوہ حرا ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان تھا جب مجمع نے اچھی طرح نظارہ کر لیا تو اس کے بعد دونوں ٹکڑے مل گئے یہ دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر جادو کر دیا ہے یہودی فوراً مسلمان ہو گیا۔

ابوجہل منکر ہی رہا ان میں سے بعض نے کہا کہ محمد صلی اللہ نے اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو دوسرے اور لوگ جو یہاں نہیں ہیں اُن پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے اور مقامات سے لوگوں کو آنے دو ان سے تحقیقات کی جائے چنانچہ جب دور دور کے لوگ مکہ پہنچے تو ان سے اس واقعہ کی تصدیق حاصل ہوئی اور اس کے ساتھ ہی جبریل امین یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے اقتربت الساعۃ وانشق القمر (۱) وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر (سورۃ قمر) ابوجہل اور کفار مکہ کی ہٹ دھرمی اور خدا کی اس بے مثال اور واضح نشانی کو دیکھ کر اس کی ڈھٹائی کو رد کرنے کے لیے پروردگار عالم نے سورۂ الحجر میں ارشاد فرمایا ہے ولو فتحنا علیہم بابا من السماء فظلوا فیہ یعرجون

مطلب یہ ہے کہ شق القمر کچھ دیر تک رہا اگر ہم آسمان پر دروازے کھول دیتے اور وہ کفار لوگ دن بھر اس کا نظارہ کرتے تب بھی وہ سحر پر ہی محمول کرتے حالانکہ آسمان کو خداوند قدوس نے ہر شیطان سے محفوظ رکھا اس پر سحر کا اثر نہیں ہو سکتا (حاشیہ بشریٰ ص۲۳۴)

اصل واقعہ شق القمر صحیح مسلم میں تفصیل ہے مزید یہ کہ حضرت انس ابن مالک سے روایت ہے کہ انشقاق قمر دوبارہ ہوا پہلے مقام منیٰ میں یہ معجزہ دکھایا گیا پھر کفار نے یہ خیال کر کے کہ قمر زمین سے قریب ہے کسی دوسرے کوکب ستارے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شق کریں تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اقمار زحل میں سے ایک قمر کے چار ٹکڑے کر دیے کہ وہ اب تک چاروں ٹکڑے بدستور موجود ہیں اس وقت سائلین (کفار) کو ایسا حدید البصر (تیز نظر) کر دیا کہ اقمار زحل بلا آلہ دوربین کے جو نظر نہیں آسکتے سب کو نظر آئے۔

سبحان اللہ وہ کیسی ذات بابرکات تھی کہ اب تک جس کا معجزہ قائم ہے جس کا بھی جی چاہے دوربین سے دیکھ لے۔ (بشریٰ ص۲۳۵)

معجزۂ شق القمر قرآن کے آئینہ میں

ہماری بیسویں صدی جہاں بہت سی حیرتناک ایجادات اور غیر معمولی اختراعات ہوائی سواریوں جمبو جیٹ، راکٹ، میزائیل کو اپنے دامن میں لے کر آئی جو انسانی عظمت و ارجمندی کی کھلی نشانیاں ہیں وہیں تسخیر قمر (چاند تک انسان کے پہنچنے کا واقعہ) جو اس صدی میں ظہور پذیر ہوا: بھی انسانی رفعت و بلندی کی دلیل ہے پچھلے قدیم مذاہب جو مظاہر پرستی و عناصر پرستی

کی تعلیم دیتے اور انسان کے سر بلند کو آسمانی اور زمینی مخلوق کے آگے جھکنے کی تلقین کرتے انسانی شرف و مجد کو خاک میں ملا رہے تھے موجودہ صدی کے اس واقعہ نے جہاں ان کے باطل عقیدوں فرضی خیالوں کو ہوا میں غباروں کی طرح اڑا دیا۔ وہاں دین فطرت اسلام کے ماننے والوں کے سر نیاز کو اونچا کر دیا اور پیغمبر اسلام کے سیر آسمانی کی صداقت پر مہر لگا دی، پچھلے زمانے میں مختصر سے وقت میں دور دراز فاصلوں کو برق رفتاری سے طے کرنے کو ثابت کرنا خود آسمانی سیاروں کی تیز رفتاری اور اُن کی غیر معمولی گردش جولانی سے ممکن ہو سکتا تھا ان کی سریع الحرکتی سے معترض لوگوں کا منہ بند کیا جاتا تھا لیکن خالق کائنات نے اس بیسویں صدی میں اسلام کے مخالفین کے ہاتھوں ایسے عجیب و غریب ہوائی و خلائی کرشموں کو ظاہر کیا کہ اب کسی منصف مزاج حق پسند انسان کو معراج جسمانی کے انکار کرنے کی گنجائش نہیں رہی اور حضور علیہ السلام کے دست مبارک سے جو زبردست معجزات صادر ہوئے خصوصاً شق القمر کا عظیم معجزہ موجودہ سائنس نے اپنی بڑھتی ہوئی تحقیقات کی روشنی میں اُس کی نفی امکان کو زبان حال سے مسترد کر دیا چونکہ جدید تحقیق کے مطابق چاند ہماری اسی زمین کا ٹکڑا ہے جو اس سے ٹوٹ کر الگ ہو گیا ہے اور اپنی مادر مہربان کے ارد گرد چوبیس گھنٹے طواف کر رہا ہے اگرچہ ہماری اس کتاب کا موضوع قرآن اور سائنس نہیں ہے لیکن قرآن نے اپنے حقائق عالیہ سے تخلیق کائنات کے بعض گوشوں پر عجیب و غریب روشنی ڈالی ہے جس سے سائنسی مسائل کی بھی تائید ہوتی ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ چاند و سورج کے متعلق قرآن نے کیا اجمالی اشارے کیے اور قرآنی آیات کے بین السطور سے ہم کو کس قدر روشنی ملتی ہے اس کو مختصراً پیش کریں۔

اسلامی حقائق کا موجودہ سائنسی تجربات و مشاہدات کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے تو ہم کو چاند سورج کے متعلق واضح اشارے ملتے ہیں چاند سورج زمین و آسمان کی پیدائش کے متعلق سائنس نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات آج سے دس ملین پہلے ایک گیس (دخان) کی شکل میں عظیم گولہ بن کر رونما ہوئی اور اس گولے کے سیال مادہ نے پھیلاؤ اختیار کیا جو حصہ بھاپ بن کر اوپر جا کر ٹھہر گیا اس نے اجرام علوی کی شکل اختیار کی اور جو نیچے رہ گیا وہ کرۂ ارضی بن گیا چونکہ زمین و آسمان ایک آتشیں کرہ کی صورت میں نمایاں ہوئی تھی اب قرآن حکیم کی سورۂ فاطر کو پڑھیے فاستوی الی السماء وھی دخان (الآیۃ) یعنی خدا نے آسمان کو جو ابتداً دخانی حالت میں ایک تھا اس کو دو دن میں سات طبقوں کے اندر

تقسیم کر دیا اور ہر طبقہ کے لیے ایک کام سپرد کر دیا۔ آسمان اور زمین دونوں کو اپنے کام بجا لانے کا حکم دیا خدا نے آسمانوں کو چراغوں (ستاروں اور کہکشاؤں) سے آراستہ کیا فقال لہا پھر ارادہ کیا کہ ان دونوں زمین و آسمان کے ملاپ سے دنیا بسائے خواہ وہ دونوں اپنی طبیعت سے خوشی خوشی آئے۔ آسمان سے سورج کی شعاعیں آئیں جس سے گرمی کی لہریں پیدا ہوئیں ان سے ہوائیں ظاہر ہوئیں اور بخار دخان (سحاب) کی شکل میں اوپر چڑھیں پھر پانی ہو کر مینہ برسا جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں پیدا ہوئیں اور چار دن میں زمین بنائی گئی اور دو دن میں آسمان بنائے کل چھ دن ہو گئے

(حم السجدہ موضح الفرقان)

یہاں ہم قرآنی آیات کی جو تفسیر پیش کر رہے ہیں وہ علامہ عثمانی کی تحریر کے مطابق ہے علامہ عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ دو روز میں زمین بنی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست کیا گیا جو تخلیق کائنات کی بابت پوچھنا چاہتے ہیں ان کو بتلا دیا جائے کہ یوں مل کر پورے چار دن بغیر کسی کمی بیشی کے ہوئے پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں دن سے موجودہ معروف دن تو مراد ہو نہیں سکتے کیونکہ زمین اور آسمان کی پیدائش سے پہلے ان کا تصور ہی نہیں ہو سکتا تھا لامحالہ ان دونوں کی مقدار مراد ہوگی اور ایک جگہ قرآن ایک دن کو ایک ہزار اور سورۃ معارج میں پچاس ہزار سال کا دن قرار دیا ہے۔ لیکن نامعلوم حقیقت کے معلوم کرنے کا جو کھوج فطرت انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے اس بتائی گئی تفصیل پر قناعت نہیں کرتا بلکہ ذہن انسانی مزید اس سوال کو اٹھاتا ہے کہ آیا شروع ہی سے زمین و آسمان ساتھ ساتھ پیدا ہوئے تھے یا یکے بعد دیگرے منظم ترتیب سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے قرآن حکیم اس پیچیدہ گتھی کو سلجھاتا اور اس طرح اس حقیقت کو کھولتا ہے جو سورۃ الانبیا میں ہے اولم یری الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا (الآیہ) فرمایا جا رہا ہے کہ تم نے قدرت خداوندی کے اس امر پر غور نہیں کیا اور کیا نہیں دیکھا کہ زمین و آسمان کے منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا اور پانی سے ہر اس چیز کو بنایا جس کے اندر جان ہے اور زمین کے اندر لیے بھاری بوجھ پہاڑ رکھ دیے جو زمین کو تھامے رہیں علامہ عثمانی فرماتے ہیں رتق کے اصل معنی ملنے اور ایک دوسرے میں گھسنے کے ہیں ابتداً زمین و آسمان دونوں ظلمت عدم میں ایک دوسرے سے غیر ممتاز تھے وجود کے ابتدائی مرحلے میں دونوں خلط ملط رہے گویا سائنسی زبان میں وہ سب سیال مادے

تھے پھر قدرت کے زبردست ہاتھ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا ہر ایک کو علاحدہ علاحدہ صورت امتیاز بخشی پھر اس امتیاز کے سبب ہر ایک کے طبقات الگ بنے اس پر بھی منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین میں روئیدگی آخر خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لیے دونوں کے منہ کھول دیے اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا نیچے سے زمین کے مسامات کھل گئے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں پیدا کیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے آسمان کو بیشمار ستاروں سے مزین کر دیا جن میں سے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدا ہے اور وہی خدا ہے جس نے دن رات بنائے اور سورج چاند ہر ایک اپنے مدار پر چکر لگا رہا ہے۔

چاند سورج کا ذکر قرآن میں

قرآن حکیم نے جن سات مقامات پر چاند سورج کا سورج کا ذکر کیا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے سب سے پہلے تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنی قوم کو جو ستارہ پرستی کی لعنت میں گرفتار تھی دعوت الٰہی کو پیش کیا فلما جن علیہ اللیل رای کوکبا جب رات کی سیاہی نے دن کی روشنی کو ڈھانپ لیا تو فلک پر ایک ستارہ طلوع ہوا جو اپنی چمک دکھا کر افق میں ڈوب گیا خدا کے سچے موحد نے لا احب الافلین کا نعرہ لگا کر قوم کو چونکا دیا کہ جو خود ڈوب رہا ہے وہ دوسروں کو کیا تیرا سکتا ہے پھر بزم فلک پر چمکتا ہوا چاند نمودار ہوا لیکن وہ بھی تھوڑی دیر بہار دکھا کر غروب ہو گیا تو چونکہ چاند بہت حسین اور چمکیلا سیارہ ہے اگر خدا دستگیری نہ فرمائے تو ضعیف انسان اس کی چمک دمک پر مفتون ہو کر رہ جائے اس لیے خدا کے دوست نے فرمایا کہ اگر میرا پروردگار مجھے صحیح راستہ نہ دکھاتا تو میں بھی عرفان حقیقت سے بھٹک جاتا اب رات نے اپنی بساط لپیٹی اور صبح نے نورانی صورت دکھائی۔ شہنشاہ خاور (سورج) نے اپنا پرجلال چہرہ مشرق سے نکالا چونکہ نظام فلکی میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ فیض رساں یہی سیارہ ہے عالم کی کوئی چیز بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کے فیض تاثیر سے بے نیاز و مستغنی نہیں ہو سکتی اس لیے حضرت خلیل اللہ نے اس کے شاندار طلوع کے بعد عبرت انگیز غروب کو دیکھ کر اظہار بیزاری کیا اور خدائے وحدہٗ کی توحید کا نعرہ بلند فرمایا چاند سورج کی یہ منظم گردش اور ستاروں کے قافلے کی اپنے مقررہ مداروں پر حرکت و جولانی ایسی کھلی اور واضح حقیقت ہے جو انسان کی دعوت فکر و نظر دیتی ہے بقول علامہ عثمانی عالم کا یہ کامل ترین بہترین

نظم و نسق ایسی حقیقت ہے جس کو دیکھ کر ہر عقلمند کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان مشین کو بنانے والا اور چلانے والا اور اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب اور سلیقے سے جوڑنے والا اور ہزاروں لاکھوں برس سے اس کی حفاظت کرنے والا بڑا زبردست صانع قدیر و حکیم ہے جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ و اقتدار سے مشین کا کوئی چھوٹا سا پرزہ باہر نہیں جا سکتا یہ کام یونہی بخت و اتفاق یا بے شعور طبیعت (فطرت) یا اندھے بہرے مادے سے نہیں ہو سکتا۔

یورپ کا مشہور و معروف حکیم نیوٹن لکھتا ہے کہ کواکب کی موجودہ حرکات ممکن نہیں کہ محض عام قوت جاذبہ (قانون کشش) کے فعل کا نتیجہ ہوں قوت کشش تو کواکب کو سورج کی طرف ڈھکیل رہی ہے اس لیے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا کوئی خدائی ہاتھ ہے جو باوجود اس زبردست قوت کشش کے انکو اپنے مداروں پر قائم رکھے یعنی اگر صرف قوت کشش پر ستاروں کا دارومدار ہوتا تو ان کو سورج سے جا ملنا چاہیے تھا لیکن وہ آفتاب کی طرف کھینچنے کے باوجود اپنے مدارے باہر قدم نہیں رکھ سکتے کوئی عقلی توجیہ اور وجہ یا طبعی سبب ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر رکھا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد ہی چکر لگاتے رہیں اور ہمیشہ معین مداروں پر اور ایک خاص جہت ہی میں حرکت کرنے پر مجبور کرے جس کے اندر کبھی ذرہ برابر فرق نہ پیدا ہو پھر کواکب کی حرکات اور ان کی رفتار کی سرعت کے درجات میں ان کے اور سورج کے درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے کوئی فطری وجہ اور طبعی سبب نہیں جن سے ہم ان منظم اور محفوظ نوامیس طبیعت (اسرار فطرت) کو اس کے ساتھ وابستہ کر سکیں چونکہ فطرت تو خود شعور سے محروم ہے ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست علیم و حکیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرام سماوی کے مادوں اور ان کی مقداروں سے پورا پورا واقف ہے وہ جانتا ہے کہ کس مادے کی کس مقدار سے کتنی قوت کشش صادر ہوگی اسی نے اپنے صحیح اندازہ سے آفتاب اور کواکب کے درمیان مختلف مسافتیں اور گردش و حرکت کے مختلف مدارج مقرر کیے ہیں

کہ نہ ایک دوسرے سے تصادم اور تزاحم ہو ورنہ عالم ٹکرا کر تباہ ہو جاتا ہر چھوٹا بڑا سیارہ مضبوط نظام کے ماتحت وقت پر طلوع و غروب ہوتا ہے جب کوئی ستارہ غروب ہو کر دنیا کو اپنے فیض تاثیر سے محروم کر دے جو طلوع کے وقت حاصل تھا تو نہ اس ستارہ کی اور نہ

کسی مخلوق کی قدرت میں ہے کہ ایک منٹ کے لیے اس کو واپس لے آئے یا غروب سے روک دے یہ اسی پروردگار عالم کی شان ہے کہ کسی وقت بھی کسی قسم کے فیض رسانی سے وہ عاجز و قاصر نہیں یہ علویات کا حال ہے سفلیات کا اس سے اندازہ کر و سے قیاس کن زگلستان من بہار مرا

یہی تکوینی عجائبات اور تخلیقی کمالات ہیں جن کے دیکھنے سے ابراہیمؑ کی زبان پر

لا احب الآفلین اور انی وجهت وجهی الخ بے ساختہ جاری ہو گئے

(موضح الفرقان ص [illegible] مع زیادہ)

اب قرآن حکیم کی ان سات آیات کو ہم درج کرتے ہیں جن کے اندر خالق کائنات نے چاند سورج کا اجمالی و تفصیلی تذکرہ فرما کر اپنی خالقیت و ربوبیت اور قدرت و حکمت کو ثابت کیا ہے اور جن پر غور کرنے سے وحدانیت اور رسالت کے عقدہ کھل جاتے ہیں، قرآن حکیم کی وہ پہلی آیت جس کے اندر ان دونوں سیاروں کی بابت اجمالی اشارہ کیا گیا ہے وہ بھی سورۃ الانعام کی ہے۔ فالق الاصباح وجعل اللیل سکنا والشمس والقمر حسبانا ذلک تقدیر العزیز العلیم وہ خداوند قدوس رات کے سینے سے صبح کی روشنی کو چیر کر نکالنے والا ہے اور اس نے رات آرام کے لیے بنائی اور سورج اور چاند حساب کے لیے یعنی رات کی تاریکی سے پو پھٹکر جو صبح صادق نمودار ہوتی ہے اس کو نکالنے والا وہی ہے اور رات دن چاند سورج کا جو حکیمانہ نظام اور ان کی رفتار کا جو حساب مقرر فرمایا ہے جس کے اندر ذرا بھی کمی بیشی نہیں۔

(۲) دوسری آیت کریمہ سورۃ اعراف میں ہے ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام (الآیہ) بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا وہی رات سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے اور دن رات کے پیچھے دوڑتا ہوا لگا آتا ہے اور اسی نے سورج چاند تارے پیدا کیے جو اس کے حکم کے تابعدار ہیں یہاں دن سے عالم شہادت کے دن تو مراد نہیں ہو سکتے کہ جب آفتاب پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو دن رات کہاں سے آئے اس لیے یا تو عالم غیب کے دن رات مراد ہیں جیسے کسی عارف نے کہا ہے ؎

غیب را ابرے و آبے دیگر است   آسمانہا آفتابے دیگر است

پھر علما کا اختلاف ہے کہ ہمارے چھ دن کی مقدار مراد ہے، یہاں ہزار برس کا ایک ایک دن مراد لیا گیا ہے آخری قول راجح ہے بہر حال مقصود یہ ہے کہ آسمان و زمین دفعۃً قائم نہیں کیے گئے اولاً ان کا مادہ پیدا فرمایا ہو پھر ان کی استعداد کے مطابق بنایا پھر اس کو بتدریج

مختلف صورتوں شکلوں میں منتقل کرتے رہے ہوں یہاں تک کہ چھ دن (چھ ہزار) میں موجودہ عالم مرتب شکل میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا جیسے کہ آج بھی انسان کل حیوانات و نباتات کی تخلیق و تولید کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے اور یہ امر خدا کی شان کن فیکونی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ کن فیکون کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ خدا جس چیز کے وجود کو جس درجہ میں لانا چاہے اس کا ارادہ ہوتے ہی وہ اس درجہ میں آجاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی چیز کو وجود کے مختلف مدارج سے گزارنے کا ارادہ نہیں کرتا وہ اس کی شان قدرت ہے اور یہ اس کی شان حکمت۔

(۳) تیسری آیت هو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا

اس آیت کریمہ کے اندر سابقہ اجمال کو تفصیل کا پیرایہ دیا گیا ہے وہ خدا ہی ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو چاندنی عطا فرمائی چونکہ ضیا اس روشنی کو کہا جاتا ہے جو ذاتی اور تیز پھیلنے والی ہو اور نور اس روشنی کو کہتے ہیں جو دوسرے سے مستفاد ہو اس لیے اس آیت مذکورہ میں اس حقیقت کی طرف کھلا اشارہ ہو گیا کہ کرۂ شمسی کی شعاعیں اور اور اس کی روشنی براہ راست اللہ نور السموات والارض سے مستنیر ہے لیکن چاند کی روشنی سورج سے مستعار اور اس سے مانگی تانگی ہے جب تک اور جتنا جرم قمر یا کرۂ قمر قرص آفتاب کے مقابلہ میں ہوگا اس سے روشنی حاصل کرے گا اور جس قدر اس سے ہٹ جائے گا سورج کی روشنی کا انعکاس اس (چاند) کے آئینہ میں نہ ہوگا۔ بہرحال چاند کے لیے جو منزلیں مقرر کی گئی ہیں وہ اسی مقصد کے لیے ہیں کہ سالوں اور مہینوں کا حساب اس سے لگایا جائے۔ اس لیے اس آیت کریمہ سے سورج کا مرکز نور اور روشنی کی حیثیت سے اولین اور چاند کا ثانوی حیثیت ہونا ثابت ہوتا ہے اسی رمز کو والشمس وضحٰها والقمر اذا تلٰها مزید وضاحت کی گئی ہے قسم سورج کی اور اس کے دھوپ کے چڑھنے کی اور چاند کی جب کہ سورج کے بعد آئے لہٰذا حرارت و حدت روشنی اور تابندگی کے لحاظ سے سورج کا مقام اولین اور چاند کا مقام ثانوی ہے (واللہ اعلم)

(۴) چوتھی آیت سورۂ انبیاء کی ہے وهو الذی خلق اللیل والنهار والشمس والقمر كل فی فلک یسبحون

اور وہی خدا ہے جس نے دن رات بنائے اور سورج چاند ہر ایک اپنے مدار پر چکر لگاتا ہے

قرآن حکیم نے چاند سورج بلکہ جملہ ستاروں کے مداروں کو ایک دوسرے سے علاحدہ علاحدہ ہونے کو صاف لفظوں میں بتایا ہے والشمس تجری لمستقر لها سورج اپنے مقررہ راستہ پر چلتا رہتا ہے سورج کی چال اور اس کا راستہ مقرر ہے ایک انچ ایک منٹ اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانہ پر اسے پہنچنا ہے پہنچتا ہے پھر وہاں سے حکم خداوندی کے مطابق نیا دور شروع کر دیتا ہے قیامت تک وہ اسی طرح اپنے دورہ کو جاری رکھے گا۔ سورج اپنے مدار پر گردش کرتا ہوا سالانہ چکر (تین سو پینسٹھ دن) پورا کرتا ہے۔ سورج کی یومیہ گردش سے دن رات اور سالانہ گردش سے سال کا حساب اسی خلاق عالم کا مقرر کیا ہوا (ذالک تقدیر العزیز العلیم) پھر سورہ یٰسین کے اندر والقمر قدرنا ہے جس کے اندر بتایا گیا ہے کہ سورج کی طرح چاند ہمیشہ ایک طرح نہیں رہتا بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا ہے اس کی اٹھائیس منزلیں اللہ نے مقرر کی ہیں جن کو ایک معین نظام کے درجہ بدرجہ طے کرتا ہے پہلی آیت میں رات دن کا بیان تھا پھر سورج کا ذکر کیا جس سے سالوں اور فصلوں کی تشکیل ہوتی ہے اب چاند کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا وجود وابستہ ہے چاند سورج مہینہ کے آخر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے پھر منزل بمنزل چلا جاتا ہے اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے آخر رفتہ رفتہ اسی پہلی حالت پر آ پہنچتا ہے اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا اور خمدار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر (الآیہ) سورج کی سلطنت دن میں ہے اور چاند کی رات میں یہ نہیں ہو سکتا کہ چاند کی لمعہ افشانی کے وقت سورج اس کو دبا لے یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑا لے یا رات سبقت کر کے دن کے ختم ہونے سے پہلے آجائے جس زمانہ اور جس ملک میں جو اندازہ رات دن کا رکھ دیا ہے ان کروں کی مجال نہیں کہ ایک منٹ آگے پیچھے ہو سکیں ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں پڑا چکر کھا رہا ہے اس سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں ہو سکتا باوجود اس تیز رفتاری اور کھلی ہوئی فضا کے ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور نہ اپنے مقررہ انداز سے تیز یا سست ہوتا ہے۔ شاہ عبد القادرؒ نے لا الشمس ینبغی لها میں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ سورج چاند آخر مہینہ میں آملتے ہیں تو چاند تو سورج کو پکڑ لیتا ہے لیکن سورج چاند کو نہیں پکڑ سکتا (واللہ اعلم)

بہر حال چاند سورج بلکہ تمام سیاروں کے مداروں پر گردش کرنے کو کئی مقامات میں واضح کیا گیا ہے پھر سورۂ حٰم سجدہ میں ومن اٰیاتہ اللیل و النھار والشمس والقمر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور چاند سورج ہیں۔ نظامِ شمسی کی عظمت اور ساری کائنات میں اس کی جلوہ فرمائی دیکھ کر پچھلی قوموں نے ان کو معبود و مسجود بنا رکھا تھا اور ان کے آگے نذر و نیاز اور چڑھاوے چڑھاتے اور ڈنڈوت کرتے اس جگہ خداوند قدوس نے اس کی تردید فرمائی اور لا تسجدوا للشمس ولا للقمر کہہ کر شرک کی نفی کر دی (السبا)۔

پھر سورۂ حٰم سجدہ میں دعوت الی اللہ کے ساتھ چند دلائل ارضی و سماوی کو بیان فرمایا گیا جس سے خداوندی دعوت کے پیش کرنے والے کے لیے خدا کی عظمت و وحدانیت اور مقصد دعوت کے پیش کرنے میں اس کو مدد حاصل ہو سکے جس کے اندر یہ اشارہ بھی ہے کہ جس طرح خدا کے بندے خدا کی طرف انسانوں کو بلاتے ہیں اسی طرح چاند سورج بھی بندوں کو خداوندی معرفت کی دعوت دے رہے ہیں پھر سورۂ نوح میں الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا وجعل القمر فیھن نورا وجعل الشمس سراجا کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ خداوند قدوس نے سات آسمانوں کو کس طرح طبق در طبق پیدا کیا اور چاند کو ان میں روشنی کے لیے اور سورج کو چراغ بنایا اس آیت کریمہ میں سورج کے مرکز حرارت و حیات ہونے کو نوح پیغمبر کی زبانی صاف طور پر واضح کر دیا ہے اور آگے چل کر سورۂ نبا میں جعل الشمس سراجا وھاجا کہہ کر اس کی اصل حقیقت اور حیثیت کو کھول دیا گیا ہے۔

چاند سورج اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے دن رات کا ذکر قرآن کے بے شمار مقامات پر قرآن نے مقام شہادت میں پیش کیا ہے جیسے کلا والقمر واللیل اذ ادبر۔ خدا اجسام سفلی کیا اجسام علوی کو بھی کٹھ پتلیوں کی طرح اپنے حکمت و قدرت سے بھرے اشاروں پر چلا رہا ہے اور جب یہ کائنات اپنے مقصد اصلی تک پہنچ جائے گی اور سفر حیات کی منزل آجائے گی تو وہ اس سلسلۂ حرکت کو ختم کر دے گا چونکہ ساری کائنات کی ڈوریاں اسی کے دست قدرت میں ہیں جن کو وہ ہلا رہا ہے جب اس کی حکمت کا تقاضا ہو گا تو اس سلسلۂ حرکت کو بند کر دے گا اُسی کا نام آخرت ہے اس لیے عالم کا ذرہ ذرہ اور کائنات کا گوشہ گوشہ قیام قیامت اور بعثت و آخرت کی حقیقت کبریٰ کو ظاہر کر رہا خصوصیت سے چاند سورج اور سیارے اس کی طرف واضح رہنمائی کر رہے ہیں پھر جس طرح یہ محفل عالم خداوند قدوس

کی شان وحدت و یکتائی کی روشن برہان اور درخشاں دلیل ہے اس طرح رسالت کا ثبوت بھی اس کے ہر ہر گوشے سے ملتا ہے چونکہ خدا نے اپنی شان ربوبیت کو اس عالم میں بالواسطہ ظاہر کیا ہے چاند کو زمین کو اور تمام ستاروں کو درخشانی بخشی لیکن سورج کی روشنی سے وہ جلوہ تاب ہیں جب تک یہ اشیاء ماہتاب آفتاب کے مقابل ہو کر اکتساب نور نہیں کرتے نہ خود وہ روشن ہو سکتے ہیں اور نہ دوسری چیزوں کو روشنی پہنچا سکتے ہیں اسی طرح ماہتاب رسالت آفتاب حقیقت سے مستنیر اور فیضیاب ہو کر انسانوں کے سینوں کو درخشاں بناتا ہے خدا کے برگزیدہ بندے جن کو زبان شرع میں نبی و رسول اور پیغمبر کہا جاتا ہے وہ ہمہ وقت خداوندی تجلیات سے کسب نور کرتے ہیں اور پھر نور خداوندی کی شعاعوں سے ایک عالم کو منور کرتے ہیں۔ بلا تشبیہ کے کہا جا سکتا ہے کہ جو نسبت چاند کو سورج سے ہے وہی خدا اور اس کے نبیوں کے درمیان جلوہ فرما ہے۔ یا فلا اقسم بالشفق واللیل وما وسق والقمر اذا اتسق لترکبن طبقا عن طبق (سورۂ انشقاق) یا جیسے والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا (سورۂ الشمس)

غرض بیسیوں مقامات پر مقام شہادات میں ان آیات بینات کو ذکر کیا گیا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کیونکہ ہماری بزم کائنات آئینۂ ذات و صفات ہے اس لیے آسمان و زمین کی گردش چاند و سورج کی گردش اور رات دن کے الٹ پھیر کو وحدانیت و رسالت اور آخرت کے اثبات کے لیے پیش کیا گیا ہے کہ پروردگار عالم کے کمالات کی جھلکیاں ان آئینوں میں نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں اور ان کے پس منظر میں خداوندی قدرت و حکمت صاف طور پر جھلکتی ہوئی نظر آتی ہیں چونکہ ہر نقش کے پردے میں نقاش اور ہر عکس کے حجاب میں عکاس جلوہ فرما ہوتا ہے جبکہ ہر نقش پائی تو خود اس کے رفتار خرام کا پتہ دیتی اور ہر جلوہ کے پردہ میں آفتاب کی عکس ریزی یقینی ہے تو یہ ساری مصنوعات صانع حقیقی کے وجود کی روشن دلیلیں کیوں نہ ہوں اور کائنات کے نظام کی یکسانی اور زمین سے آسمان تک قانون وحدت کی جلوہ فرمائی خلاق عالم کی وحدانیت و یکتائی کا ثبوت کیونکر نہ ہو پھر چاند سورج اور تمام سیاروں کی گردش و حرکت اور اپنے اپنے مداروں پر مسلسل سیر و جولانی اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ ان حرکت کرنے والے کروں کے پیچھے کوئی محرک ضرور ہے جس کے قبضۂ اقتدار میں ان سب کی باگ ڈور ہے اور وہ قادر مطلق محرک کل ہے کیا اجرام فلکی جس پر والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا ایک گونہ شاہد ہے۔ پس پروردگار عالم نے اپنی ہدایات کی تجلیات کو انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے اس

عالم میں ظاہر فرمایا گو ہادی اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واسطۃ فی الثبوت اور بقیہ تمام انبیاء علیہم السلام واسطۃ فی العروض ہیں لیکن بہرحال جملہ انبیاء ورسل واسطہ ہی ٹھہرتے ہیں۔ ان انبیاء کرام کے واسطے سے بندوں کا رشتہ خدا سے جڑ جاتا ہے اسی لیے قرآن حکیم نے خدا کے رسولوں نبیوں کو مہتاب وسیارگان کے ساتھ تشبیہ دے کر خدا کی وحدانیت کے ساتھ ان کی رسالت کو ثابت کیا ہے چنانچہ شق القمر کے معجزہ کے ذریعہ اسی دعوت انبیاء کو قرآن نے پیش کیا ہے معجزہ شق القمر کی جلالت وعظمت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ قرآن نے اس واقعہ عظیم سے ایک سورت کا افتتاح فرمایا اور اس سورۂ مبارکہ کا نام ہی سورۃ القمر رکھا

اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر (القمر)

یعنی وقت آگیا اور چاند پھٹ گیا اور کفار جب کوئی بڑی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیرا کرتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا رہا ہے۔

قرآن حکیم نے یہاں یَقْتَرِبُ کے بجائے اِقْتَرَبَ کا صیغہ اختیار فرمایا جو اس واقعہ کے واقع ہو جانے کی تاکید کو واضح کر رہا ہے کہ چاند کے پھٹ جانے کا واقعہ ہو چکا۔ مُلّا علی قاری نے زجاج کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے اس معجزہ کو قرب قیامت سے وابستہ کیا ہے وہ راہ حق سے ہٹ گئے" (مرقات)

کچھ نافہم لوگوں نے ان آیتوں میں شق القمر کے واقعہ کو قیامت کے قریب ہونے والا واقعہ قرار دینے کی سعی بیجا کی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہاں انشق القمر صیغۂ ماضی سے ذکر کیا جا رہا ہے جو حقیقی معنی پر محمول ہے کہ یہ واقعہ ہو چکا یہاں مستقبل تنشق القمر کا صیغہ نہیں ہے جو قیامت کے قریب اس واقعہ کے ہونے کو بتائے بقول امام شوکانی صاحب فتح القدیر کہ اگر یہاں انشق القمر کے معنی کو مستقبل کے ساتھ وابستہ کیا جائے تو پھر بعد والی آیت کا مطلب کیا ہوگا وان یروا اٰیۃ یعرضوا کہ اگر کافر کوئی نشانی دیکھ لیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں یہ تو جادو ہے جو سدا ہوتا چلا آ رہا ہے کیونکہ قیامت کے آجانے کے بعد کسی کو بھی انکار کرنے یا منہ پھیرنے کی گنجائش نہیں رہتی قیامت کے دن دم مارنے کی بھی مہلت نہ ہوگی اُس وقت کوئی بھی خواہ وہ کافر ہو یہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ واقعہ قیامت پہلے سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ میدان قیامت میں کافروں اور منکروں کے لیے قطعاً مجال انکار قیامت باقی نہ رہے گا اسی لیے حضرات صحابہ وتابعین اور سلف صالحین غرض خیر القرون میں اس معجزہ کے سلسلہ میں کسی

قسم کا شک وشبہ نہیں پیدا ہوا نہ کوئی اختلاف ہوا لیکن بقول مولانا امیر علی صاحب مواہب الرحمان جب مسلمانوں کے یہاں یونانی فلسفہ وہیئت کی قدیمی کتابیں ترجمہ ہو کر آئیں اور ان کے بیجا خیالات اہل اسلام میں پھیلے تو بہت سے مدعیان عقل ودانش (معتزلہ وغیرہ) نے معجزات سے تاویلات کے پردہ میں انکار کیا جس طرح آج کل کے مغرب زدہ دانشور بہت سے غیبی حقائق اور انبیاء کے معجزات کے منکر ہیں اگر نعوذ باللہ یہ معجزہ شق القمر رونما نہ ہوتا تو کفار عرب کے اوپر اس طرح آیتوں میں جھوٹا دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا تھا دوسری بات یہ ہے کہ الساعۃ سے یہاں کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد قیامت لی جائے جیسے کہ قرآن حکیم کے مختلف مقامات میں الساعۃ سے مراد قیامت لی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چاند کا حضور کے دست مبارک سے پھٹ جانا اس انقلاب عظیم کے خبر دینے والے واقعات میں سے اہم واقعہ ہے جیسا کہ انقلاب لیل ونہار اور ستاروں کا طلوع وغروب اور زمینی وآسمانی تغیرات قیام قیامت کی نشانیاں ہیں اور اگر الساعۃ سے مراد وقت موعود یا وقت مقررہ ہے جو روز ازل سے علم الٰہی میں واقعہ شق القمر کے لیے طے ہو چکا تھا تو پھر ان نافہم لوگوں کی باطل تاویل پہلے ہی دھلے میں ہباءً منثورا (ہوا بن کر اڑ جاتی ہے) ہو جاتی ہے رہا یہ کہ اس معنی کا اطلاق قرآن حکیم سے ثابت ہے یہ سوال ضرور پیدا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ساعت کا لفظ مطلق گھڑی کے معنی میں متعدد مقامات پر آیا ہے لم یلبثوا من نہار یا ایک جگہ ہے مالبثوا غیر ساعۃ لیکن ان مقامات پر ساعت معرف باللام نہیں ہے (رحمۃ للعالمین ص ۱۶۳ جلد ۳)

شق القمر احادیث شریفہ کی روشنی میں

معجزہ شق القمر کے روایت کرنے والے افراد عہد صحابہ سے لے کر تدوین احادیث کے زمانہ تک ہمیشہ بہت بڑی تعداد میں رہے ہیں لیکن عہد صحابہ میں خصوصیت سے جن صحابہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے بقول علامہ ابن حجر عسقلانی حسب ذیل ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت جبیر ابن مطعم نوفلیؓ حضرت انس بن مالک انصاریؓ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہم ہیں (فتح الباری)

علامہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب تمہید میں ارشاد فرمایا ہے کہ حدیث شق القمر

صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہے جن سے تابعین نے روایت کی پھر اس کے بعد تو ایک جم غفیر نے اس روایت کو نقل کیا یہاں تک کہ وہ ہم تک پہنچی اور قاضی بیضاوی نے تو اجماع تک کا دعوا کر دیا بہر حال حضرت عبد اللہ ابن مسعود جو صاحب المطہرۃ والسفر اور صاحب النعل والسواک ہیں اور سابقون الاولون میں شمار کیے جاتے ہیں وہ اس معجزہ کے عینی گواہ ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

انشق القمر على عهد رسول الله فرقتين فرقة فوق الجبل وفرقة دونه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اشهدوا (بخاری ص [illegible] ج ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا ایک ٹکڑا پہاڑ کے ادھر اور دوسرا دوسری طرف حضور علیہ السلام نے فرمایا دیکھو گواہ رہنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہ رہنا اس لیے فرمایا کہ یہ معجزہ کفار کی فرمائش پر واقع ہوا تھا اس لیے جناب رسالت مآب نے لوگوں کو گواہ بنایا۔ بخاری شریف کی روایت میں فرقتین کے الفاظ ہیں اور بعض روایت میں فلقتین (دو پھٹے ہوئے حصے) مطلب ایک ہے البتہ مسلم شریف اور مصنف عبد الرزاق نے مرتین کے لفظ کو علما نے راوی کے وہم پر محمول کیا ہے۔

صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایت میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی روایت شریفہ میں انشق القمر ونحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم کی صراحت بھی ہے جس سے اُن کا حضور علیہ السلام کی معیت میں ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح امام بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت جبیر ابن مطعم سے جو روایت کی ہے اس میں بھی صاف لفظوں میں ہے۔

انشق القمر ونحن بمكة ہم مکہ میں تھے جب شق قمر کا واقعہ ہوا ہے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی روایت بھی چشم دید شہادت کی ہے البتہ عبد اللہ ابن عمرؓ کی روایت جو صحیح مسلم میں ہے اس کے اندر دونوں احتمال ہو سکتے ہیں ان کا اسلام اپنے والد گرامی حضرت فاروق اعظم کی ہمراہی میں ستہ نبوت کا ہے اس لیے چشم دید شہادت ہو سکتی ہے کیونکہ آخری الفاظ یہ ہیں۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم اشهدوا اے اللہ گواہ رہنا کہ میں نے کفار کو یہ نشانی دکھا دی ہے۔

ہاں حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت انس ابن مالک کی روایت یقیناً بالواسطہ ہے چونکہ ہر دو صحابی اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے تھے حضرت انس ابن مالک کی روایت صحیحین میں اس طرح ہے۔

ان اهل مكة سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يريهم آية فاراهم انشقاق القمر شقتين حتى راوا حراء بينهما (بخاری مسلم) اہل مکہ یعنی کفار نے حضور علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ان کو ایک بڑی نشانی دکھائی جائے نبی نے چاند کا پھٹنا دکھلایا اس کے دو ٹکڑے کوہ حرا کے درمیان تھے۔

یہاں بھی بقول قاضی سلیمان صاحب شبہ کرنے والے شک و شبہ پیدا کرنے سے نہیں چوکا کرتے وہ کہتے ہیں کہ دراصل قمر میں انشقاق نہیں ہوا تھا بلکہ حسب روایت کفار کی آنکھوں کو چاند کے دو ٹکڑے ہونا دکھلایا گیا تھا حالانکہ ان عقل کے اندھوں کو سألوا ان يريهم کے الفاظ پر نظر ڈالنا چاہیے تھا نعوذ باللہ کیا کفار کا یہی سوال تھا کہ چاند خواہ شق ہو یا نہ ہو مگر ہم کو شق شدہ یعنی پھٹا ہوا نظر آ جائے نہ ان کا یہ سوال تھا اور نہ اراهم کا یہ مطلب ہو سکتا ہے۔ الغرض شک و شبہ پیدا کرنے کے بعد بھی واقعہ اپنی جگہ میں ثابت ہے۔

(رحمۃ للعالمین ص ۱۶۰)

بقول شخصے چاند پر خاک اڑانے سے اپنے منہ پر ہی خاک آتی ہے

شق قمر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے

فلسفہ قدیمہ [illegible] مشہور مذہب دو ہی ہیں فلسفۂ اشراق جن کا سرخیل افلاطون ہیں دوسرا مسلک مشائیہ [illegible] جس کا سرگروہ ارسطو ہے چونکہ حقائق کا ادراک یا تو فکر و نظر کے ذریعہ کیا جاتا ہے یا ریاضت باطنی [illegible] عرفان حقیقت ہوتا ہے ان دونوں صورتوں میں جو ادراک یا جو عرفان حاصل کیا جائے یا تو کسی آسمانی مذاہب کے تابع ہو کر کیا جائے گا یا قید مذہب سے آزاد ہو کر دریافت حقیقت تک پہنچا جائے گا اگر آزادانہ عقل کے ذریعہ حقیقت رسی کی کوشش کی جائے تو وہ طریقۂ مشائیہ کہلاتا ہے بصورت دیگر طریقۂ اشراق کہلاتا ہے اور اگر آسمانی مذاہب کے تابع ہو کر ادراک حقائق فکر و نظر کے راستے سے کیا جائے تو ایسے لوگوں کو ارباب کلام یا متکلمین کہتے ہیں بصورت دیگر باطنی ریاضت سے حقیقت تک رسائی حاصل کرنے والے صوفیۂ صافیہ کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔

چنانچہ متکلمین کے نزدیک تمام اجسام ایسے اجزاء سے بنے ہیں جن کی تقسیم نہیں ہوسکتی جو یونانی فلسفی حکیم دیمقراطیس کا مذہب ہے اور حکمائے ہند بھی اسی کے قائل ہیں ان کے مذہب کے مطابق شق قمر کے امکان میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔

اہل اشراق (افلاطون) کے نزدیک جسم بسیط تقسیم وحدانی کے ہر طرح قابل ہے اس لیے اس صورت میں امکان شق القمر میں کوئی محال لازم نہیں آتا کیونکہ اہل اشراق کے یہاں اجسام حقیقت واحدہ ہیں ان میں جو کچھ اختلاف ہے وہ خواص واعراض کے لحاظ سے ہے اس شق قمر کے وقوع (واقعہ) نے ان کے نزدیک اعتراض کی گنجائش نہیں لے دے کے جو کچھ اعتراض شق قمر کے سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے وہ مشائیہ یا ارسطو کے مذہب پر ہی پیدا ہوتا ہے چونکہ وہ اجرام علوی میں خرق والتیام کو محال مانتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اجرام میں فرق والتیام کیوں محال ہے؟ جن دلائل سے ارسطو نے اس امتناع کو ثابت کیا ہے وہ باد ہوائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ متکلمین نے علم کلام میں مفصل طور پر ایک ایک دلیل کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔

مزید برآں سائنس جدید کی ایٹمی تجربہ نے اس خیال فاسد کو گرد وغبار بنا کر اڑا دیا ہے

شق القمر سائنسی زاویۂ نگاہ سے

فلسفۂ قدیم کی طرف سے شق القمر کے امکان میں جو کچھ گرد وغبار اڑائی جا رہی تھی وہ اجرام سماوی کے خرق والتیام کے محال ہونے پر مبنی تھی لیکن سائنس جدید نے اس کے امکان ہی کو نہیں بلکہ اس کے وقوع کو اپنے تجربات سے ثابت کر کے ہم کو ایٹمی دور میں لا کھڑا کر دیا اس لیے اب وہ نزاع باقی رہی نہ وہ آسمان رہا۔ پرانے سارے اعتراضات جو فلاسفہ کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے پادر ہوا ہوگئے۔ مگر سائنس جدید کا اس واقعہ کے اوپر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر شق قمر واقع ہوتا تو نظام ارضی درہم برہم ہوجاتا کیونکہ سارا نظام کائنات قانون جذب وکشش پر قائم ہے جس کو سب سے پہلے سر اسحاق نیوٹن نے دریافت کیا اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو یہ کہ قانون کشش خود ایک نظری قانون ہے جو تجربہ سے زیادہ قیاس پر مبنی ہے اس کی عقلی دلیل کیا ہے جب وہ ہمارے سامنے آئے گی تو ہم اس پر غور کرنے کے بعد جواب دیں گے دوسری بات یہ ہے کہ جدید نظریہ جوہری توانائی (ایٹمک انرجی)

سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ ہر ہر جزو کائنات اپنے اندر نظام شمسی کا حامل ہے اس لیے جوہر بسیط میں جزو وکل کی طبیعت (فطرت) ایک ہے اگر جذب وکشش اس کی فطرت میں ہے تو کل کے ہر ہر جزو میں بھی یہ فطرت کارفرما رہے گی اس لیے کسی چیز کے انشقاق (پھٹ جانے) سے نظام میں کوئی بگاڑ پیدا نہیں ہوگا خود زمین پر نظر ڈالیے کہ وہ زلزلہ میں برابر شق ہوجاتی ہے لیکن اس کی کشش ختم نہیں ہوتی زلزلے کے جھٹکے سے ہموار زمین میں غار پڑ جاتے ہیں اور پھر وہی غار دوسرے جھٹکے میں ہموار شکل اختیار کر لیتے ہیں اس کی دوسری مثال مقناطیس میں ہے کہ مقناطیس کے کئی ٹکڑے کر دیئے ان میں قوت کشش برابر قائم رہتی ہے اور اس کے اندر کسی قسم کا قوت جذب کے اعتبار سے کمی نہیں پیدا ہوتی۔ جدید سائنس کی نظر میں ہماری زمین ایک سیارہ ہے اور چاند اسی زمین کا نکلا ہوا ایک کرہ ہے جو زمین کے تابع ہے اس لیے کرۂ قمر زمین کے طواف میں لگا ہوا ہے اس لیے ارض قمر پر انسانی کا خلائی پرواز کے ذریعہ قدم رکھنا اہم کارنامہ اور سائنسی ترقی کا زبردست شاہکار سہی لیکن جب اس کو دیکھا جائے کہ چاند زمین ہی کا ایک ٹکڑا ہے تو ابھی ہم اپنی زمین سے باہر نہیں جا سکے ہیں ہاں ہم نے زمین سے نکلے ہوئے ایک ٹکڑے پر اپنا نقش قدم ضرور ثبت کر دیا ہے۔

بہرحال جدید سائنس کے نقطۂ نظر سے شق قمر کے معجزہ سے کوئی امر محال لازم نہیں آتا۔

یوں تو معجزہ کہتے ہی ہیں ایسے عجیب وغریب امر کو جس کے کرنے سے انسان عاجز اور جس کے شعور سے عقل عوام قاصر ہو۔

شق القمر اہل مذاہب کی نظر میں

جو دانشور عقل اور فکر ونظر یا تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ حقائق اشیا کی دریافت کے دعوے دار ہیں ان کے لیے امکان واقعہ کو ثابت کرنا کافی ہوتا ہے۔ البتہ خود واقعہ کا ثبوت ضرور قوی ذرائع اور مستند روایات سے ہونا چاہئے۔ جو لوگ کسی بھی مذہب کو مانتے اور خدا کے قائل ہیں ان کے نزدیک شق القمر کے معجزہ میں اعتراض اس لیے نہیں ہوسکتا کہ ہر مذہبی آدمی خداوند قدوس کو مختار کل اور قادر مطلق تسلیم کرتا ہے اس لیے کسی معجزہ کے امکان کے ثبوت کے بعد بحث اس قدر رہ جاتی ہے کہ واقعتاً ایسا واقعہ ہوا یا نہیں ایسے واقعات صرف صحیح روایات اور صحیح خبروں کے ذریعہ ہی ثابت ہوسکتے ہیں۔

ان روایات کو معیارِ صداقت پر جانچا جائے اور سچائی کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لیا جائے تب اُن کے تسلیم کر لینے میں کسی قسم کے پس و پیش کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے چنانچہ جب ہم شق القمر کے واقعہ کو میزانِ صداقت پر تولتے ہیں تو اس کے تسلیم کر لینے کے علاوہ ہمارے لیے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا۔

چنانچہ اس واقعہ کی روایات اسلام کے عہدِ اولین یعنی صحابۂ کرام کے زمانہ میں حدِ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اس اعتبار سے اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ بقول علامۂ جیرا کوئی کہ پہلے یوشع ابن نون نے خبر دی کہ قمر شق ہو جائے گا پھر یوئیل نے بیان کیا کہ قمر قبلِ قیامت کے شق ہوگا۔ (رحمانیہ شرعی ص ۳۴۸)

یہ واقعۂ عظیمہ مکی زندگی میں اس وقت پیش آیا جب کفارِ مکہ نے [illegible] یہود کی فرمائش پر حضور پرنور سے اس غیر معمولی نشانی کو طلب کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کی وادی میں ہزاروں انسانوں کے درمیان تشریف فرما تھے انگشتِ مبارک سے آنحضرت نے اشارہ کیا چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے سینکڑوں لوگوں نے اس کو دیکھا آنحضرت نے ان کو گواہ بنایا قرآن کریم نے اس معجزہ کی عظمت و جلالت کی بناء پر مستقل سورۃ القمر کو نازل کیا اور اس عظیم معجزہ کے ذکر سے اس کا آغاز فرمایا پھر صحابہ کی مقدس جماعت نے اس کو روایت اور ہر دور میں اس کے راویوں کی اتنی بڑی تعداد رہی کہ درجۂ تواتر تک پہنچی چنانچہ مشہور امام طحاوی اور علامہ ابن کثیر نے تو اس واقعہ کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے جب نقلِ صحیح سے اس واقعہ کا ثبوت ہے تو خدا اور اس کی قدرت و حکمت ماننے والے انسانوں کے لیے جو کسی بھی مذہب یا دھرم کے قائل ہوں مجالِ انکار نہیں رہتا اور اس واقعہ کے وقوع میں شک و شبہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

شق القمر پر آخری اعتراض اور جواب

اس معجزۂ مذکورہ کے بارے میں مشہور اعتراض یہ ہے کہ اگر چاند پھٹا ہوتا تو تمام دنیا کے لوگ اس کو دیکھتے اور اس واقعۂ عجیبہ کا ذکر تاریخ میں ضرور ہوتا اور ہندوؤں اور عیسائیوں کی کتابوں میں ضرور مذکور ہوتا۔

(۱) اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ معجزہ جیسا کہ احادیث شریفہ کی بحث میں تحریر کیا گیا۔

رات کے ابتدائی حصہ میں نہیں بلکہ نصفِ شب کے بعد ہوا جبکہ لوگ عموماً سوتے ہوتے ہیں اور جہاں بیدار ہوں گے تو بہت سے گھروں کے اندر ہوں گے اور جو کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوں تو بقول علامہ عثمانی یہ ضروری نہیں کہ وہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں۔

(۲) پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر جگہ مطلع بھی صاف ہو اور اگر مطلع صاف بھی ہو اور زمین پر چاندنی پھیلی بھی ہو تو چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۳) پھر یہ کہ تھوڑی دیر کا یہ قصہ تھا ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گرہن ہوتا ہے اور دیر تک گرہن میں رہتا ہے لیکن لاکھوں انسانوں کو خبر نہیں ہوتی اور اس زمانہ میں آج کل کی طرح رصدگاہیں اور مہر و ماہ اور سیاروں کی حرکت و گردش اور کسوف و خسوف کے مشاہدہ کے ایسے وسیع انتظامات بھی نہیں تھے اور نہ تقاویم (جنتری) کی اس قدر اشاعت تھی (موضح الفرقان)

بہر حال یہ معجزۂ شق القمر کچھ دیر تک رہا جن لوگوں نے اس کی فرمائش کی تھی۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھ لیا پھر قمر بدستور ہو گیا اتنی دیر تک نہیں رہا کہ جس کی بنا پر اہلِ نجوم اپنی یادداشت یا کتابوں میں درج کرتے ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کو خطائے نظری پر محمول کیا ہو رہا یہ کہ اہلِ ہند کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے یہاں تاریخ نگاری کا عمومی رواج نہیں رہا جس ملک میں سرے سے تاریخ موجود نہ ہو یا ملک و قوم کے واقعات کی یادداشت نہ ہو ان کا اعتراض کہاں تک چل سکتا ہے خود مصریوں کو دیکھیے جو تہذیب قدیم کے بلند دعووں میں ہندوؤں سے بڑھے ہوئے ہیں مگر ان کی کتابوں میں حضرت موسیٰ کے عصا سے دریا کے پھٹ جانے کا جیسا اہم واقعہ موجود نہیں جس ملک کی تاریخ ایسے اہم واقعاتِ ارضی سے خالی ہو ان سے یہ توقع کرنا کیونکر صحیح ہے کہ آسمانی واقعات اور وہ بھی معجزات کا ذکر ان کے یہاں ہوگا۔

الحمد للہ ہم نے پچھلے تاریخی حوالوں سے اس معجزۂ شق القمر کے مشاہدہ کو راجہ ساموی اور مہاراجہ بھوج کے لیے ثابت کر دیا ہے جس سے ہندوستان کے بارے میں یہ اعتراض بے وزن ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اختلافاتِ مطالع کا مسئلہ بھی اس معجزہ کے عمومی مشاہدہ کے لیے بڑی رکاوٹ ہے اس لیے کہ اس وقت حجاز میں اگر آدھی رات کا وقت تھا تو بعض ملکوں آخری رات اور کچھ مقامات پر دن ہوگا۔

صاحب رحمۃ للعالمین نے اس سلسلہ میں دنیا کے ممالک کے اوقات کا بہت اچھا

نقشہ بنایا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"اب ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ مکہ معظمہ میں نو بجے رات وقوع پذیر ہوا تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں اوقات کیا تھے

نام ملک	منٹ گھنٹے	ساعت	نام ملک	منٹ گھنٹے	ساعت
(۱) ہندوستان	۵۰ - ۱۲	شب	(۱۲) انگلینڈ فرانس	۰ - ۶	دن
(۲) ملیشیس	۳۰ - ۱۱	"	بیلجیم اسپین		
(۳) ترکی رومانیہ بلگیریا		دن	پرتگال الجیریا		
پولینڈ جرمن ڈنمارک	" "	"			
		"	(۱۳) پیرو جمیکا	۳۰ - ۱	شب
سویڈن	" "	"	امریکہ		
(۴) آئرلینڈ نیریا	۳۰ - ۵	دن	(۱۵) سورا	۳۰ - ۶	دن
(۵) مشرقی برازیل	۰ - ۲	آدھی رات	(۱۶) نیوزی لینڈ	۵۰ - ۶	دن
(۶) متوسط برازیل اور چلی	۳۰ - ۳		(۱۷) تسمانیہ وکٹوریہ	۲۲ - ۵	صبح
(۷) برٹش کولمبیا	۳۰ - ۱۰	قبل دوپہر دن	ساؤتھ		
(۸) برہما	۵۰ - ۱	آدھی رات	(۱۸) جنوبی آسٹریلیا	۵۰ - ۴	صبح
(۹) کولون	۲۲ - ۹	قبل دوپہر دن	(۱۹) جاپان کوریا	۳۰ - ۲	دن دوپہر
(۱۰) صومالی لینڈ	۳۰ - ۱۰	رات	(۲۰) مغربی آسٹریلیا	۳۰ - ۳	دن دوپہر
مڈغاسکر	" "	"	شمالی بورنیو		
(۱۱) بیلیٹ جنوبی ملایا	۳۰ - ۲	آدھی رات	فلپائن		
لانڈنیشیا			چین		
[illegible]	۵۰ - ۷	دن		(رحمۃ للعالمین	ص ۱۲۹ ج ۳)

معجزہ شق القمر کی عظمت وجلالت

حضور علیہ السلام کا یہ معجزہ آسمانی اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے اس لیے کہ

معجزہ کا تعلق جیسا کہ تفصیل سے عرض کر دیا گیا اجرام فلکی میں کرۂ قمر سے ہے اور پچھلے انبیاء علیہم السلام کو جس قدر معجزہ عطا فرمائے ان کا تعلق تو ان کے نفوس قدسیہ سے رہا یا زمینی چیزوں سے تھا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا معجزہ ید بیضا جب اپنا ہاتھ جیب میں لے جا کر نکالتے تو سورج کی طرح وہ چمکتا تھا یا حضرت داؤد علیہ السلام کا دست مبارک کہ لوہا فولاد اس میں آکر موم ہو جاتا اور جدھر چاہتے اس کو موڑ کر زرہ بنا دیتے تھے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبارک ہونٹوں سے قم باذن اللہ کا نکلنا جو مردوں کو زندہ کر دیتا اور بیماروں کا آپ کے ہاتھ سے چھو دینا ان کو شفا بخشتا تھا وہ معجزہ جن کا تعلق زمینی چیزوں سے تھا حضرت موسیٰ کا عصائے مبارک کہ وہ تھا تو منجملۂ نباتات لیکن عجیب وغریب کرشموں کا حامل تھا کہ جب پتھر پر مارتے تو اس میں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے اور پانی پر اس کی ضرب لگاتے تو دریا خشک ہو جاتا اور پتھر بن جاتا یہ معجزہ دن میں ثمر دار درخت بن کر بنی اسرائیل کو راحت پہنچاتا تو رات میں فروزاں شعل بن کر میدان تیہ کو روشن کر دیتا تھا۔

البتہ حضرت یوشع ابن نون کے معجزہ کا تعلق آفتاب عالمتاب سے تھا آنجناب کی دعا کے نتیجے سورج کو جو غروب ہو رہا تھا خدا نے اس کو واپس لوٹا دیا اور ایک گھڑی بھر چمکتا رہا لیکن جب اس کا مقابلہ شق قمر سے کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی عظمت وجلالت کا قائل ہونا پڑتا ہے جیسا کہ امام قاسم العلوم نانوتوی نے ارشاد فرمایا ہے کہ رد شمس کے معجزہ کا شق القمر کے معجزہ سے مقابلہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ رد شمس نے سورج کی حرکت فلکی میں صرف تغیر یا اس کی تبدیلی ہے لیکن یہاں تو پورے کرۂ قمر کو شق کر کے دوبارہ ملا کر قدرت عظیمہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ (حجۃ الاسلام)

لیکن اس معجزہ کو بطور عام وعالمگیر نہیں کیا گیا کہ ہر ایک کو دیکھنے کا موقع ملتا اور ہر جگہ دکھائی دیتا بقول علامہ خطابی "اگر یہ معجزہ ایسا عمومی کر دیا جاتا کہ رات بھر رہتا اور عوام وخواص اور جملہ ممالک کے باشندے اس کا مشاہدہ کر لیتے اور پھر ایمان نہ لاتے تو سب کو ہلاک کر دیا جاتا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں سنت خداوندی یہی ہے کہ جب کسی قوم کی فرمائش پر معجزہ ظاہر کیا جائے اور پوری قوم انکار پر اتر آئے تو پھر ان کے لیے منجانب اللہ ہلاکت مقدر ہو جاتی ہے۔ ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا

چونکہ امت محمدیہ امت رحمت ہے اس کے پیغمبر رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لیے حضور انور علیہ السلام کے خصوصی معجزہ (قرآن حکیم) کو عقل سے وابستہ کر دیا ہے تاکہ قیامت تک ارباب فکر اس پر غور و فکر کرتے رہیں اور ایمان و عرفان کا دروازہ اس وقت تک کھلا رہے جب تک در توبہ بند نہ ہو اور آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(معالم السنن)

آخری شہادت

اس سے پہلے کہ ہم اس نورانی مضمون کو ختم کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس معجزہ کا تعلق جن دو کروں (زمین و چاند) سے رہا ان کی بابت مختصر معلومات پیش کر دیں۔

زمین کا سیارہ

زمین کا قطر یا عرض سات ہزار نو سو میل ہے اور خط استوا پر اس کا محیط پچیس ہزار میل ہے زمین کا سورج سے فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ دوری کا ہے سورج کی روشنی کو زمین تک پہنچنے میں آٹھ منٹ لگتے ہیں انسان زمین کے اندر زیادہ سے زیادہ ایک میل کی گہرائی تک جا سکا ہے اور آبی خطہ یعنی سمندر میں اس کی رسائی زیادہ سے زیادہ دس میل تک ہو سکی ہے ابھی تک انسان کو خشکی کے اس حصہ کی نسبت زیادہ معلومات نہیں ہو سکی ہیں جسے انٹارکٹیکا کہا جاتا ہے چنانچہ اکاڈیمشن سیدوف صدر بین الاقوامی فلکیاتی جہاز رانی کمیشن نے اعتراف کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان کو خود اپنے سیارہ کرۂ زمین کی چھان بین کرنے میں ہزارہا برس لگے ہیں اور آج بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے خصوصاً نصف جنوبی کرۂ انٹارکٹیکا کا مطالعہ پوری طرح کیا جا چکا ہے یہ تو صرف سطح زمین کی بات ہوئی اور اس سے نیچے کا حال تو ہمیں اس سے بھی کم معلوم ہے (سوویت دیس مئی ۱۹۶۱ء)

بہرحال زمین بھی سائنس کی نظر میں فضا کے اندر خلا میں گردش کرنے والا سیارہ تسلیم کیا جاتا ہے اس کا سب سے قریبی پڑوسی چاند ہے اس لیے اس کی بابت بھی ضروری معلومات درج کی جاتی ہے۔

کرۂ قمر یا چاند

پرانے ہیئت داں چاند کو سات سیاروں میں پہلا سیارہ قرار دیتے تھے جو پہلے آسمان پر قائم تھا تحقیق جدید نے اس کو سیاروں میں سے نکال کر خود زمین کو ایک سیارہ ٹھہرا دیا اور اب چاند پر انسان کے نقش قدم ثبت ہو جانے کے بعد آسمان اول ہونے کا قدیمی فلاسفہ کا نظریہ غلط ثابت ہو گیا۔

چاند کا قطر یا عرض دو ہزار دو سو میل ہے اس کے اندر ہوا نام کو بھی نہیں اسی طرح نمی یا کہر یا بادل یا آتش فشانی کیفیت میں سے کوئی چیز بھی نہیں اس لیے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس کی تخلیق کے وقت اس کے اندر جو کیفیات و حالات ہیں وہ ویسے ہی غیر متغیر اور اپنی اصلی حالت پر باقی ہیں۔

کرۂ قمر پر سردی اس قدر شدید ہے کہ قطب شمالی کا تو تذکرہ ہی کیا اندازہ کیا گیا ہے کہ درجۂ صفر پر جہاں پانی جمنے لگتا ہے اس سے کوئی دو سو درجہ نیچے کی سردی ہو گی۔

چاند سورج سے چار سو گنا چھوٹا اور زمین سے کوئی گیارہ سو گنا زائد چھوٹا ہے اس کی کشش ثقل زمین سے چھ گنا کم ہے چاند ہماری دنیا سے ملتی جلتی سرزمین ہے جس میں نشیب و فراز، پہاڑ اور میدان ہیں اس کی سطح پر چیچک جیسے داغوں کی کیفیت ہے۔ اس کے اندر غار بھی ہیں دوربینوں سے جو صاف نظر آتے ہیں۔

چاند پر ایسی پُر اسرار چیزوں کا مشاہدہ ہوا ہے جن کو دیکھ کر اہل سائنس شش و پنج میں مبتلا ہیں بعض مقامات پر درزیں Rees پائی جاتی ہیں جن کے متعلق ان کا خیال ہے کہ جس وقت چاند ٹھنڈا ہو کر سکڑ رہا تھا اس زمانہ میں یہ شگاف پڑ گئے جو ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ سیلاب کے بعد زمین خشک و شق ہو جانے سے نظر آتی ہے ان درزوں سے زیادہ عجیب و غریب وہ چمکتی لکیریں ہیں جو چاند کے کوہ و صحرا کو مسلسل طے کرتی ہوئی میلوں تک چلی گئی ہیں، ساتویں رات کے بعد جیسے جیسے چاند بڑھتا جاتا ہے وہ لکیریں نمایاں طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں یہاں تک کہ چودھویں رات کو ان کا واضح اور صاف مشاہدہ ہوتا ہے چاند کے جنوبی سرے پر ایک دہانہ ہے جس کا نام ٹائی کو Tycho رکھا گیا ہے یہاں سے یہ لکیریں شروع ہو کر چاند کے کرہ پر اسی طرح پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ

دنیا کے نقشہ پر طول بلد کی لکیریں کھنچی ہوئی ہیں ان لکیروں کو دیکھ کر خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ سائنسداں اس کے قائل ہیں کہ چاند اپنی تخلیق کے وقت سے اپنی اصلی کیفیت و حالت پر قائم ہیں اس کی سطح میں زمین کی طرح کوئی تغیر کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی ایسی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ لکیریں روشن و واضح معجزہ شق القمر کے باقی ماندہ آثار اور یہ پُر اسرار شگاف اس واقعۂ عظیمہ کی یادگاریں تو نہیں ہیں جو خداوند قدوس نے اپنے آخری نبی اُمّی فداہ امی وابی کے دست مبارک کی انگلیوں کے اشارہ سے چاند کے اس حسین کرہ پر بطور نقش کے قائم ہوئیں جس دن سائنس جدیدان پُراسرار یادگاروں پر سے پردہ الٹ دے گا اور اصل حقیقت برافگندہ نقاب ہوگی وہ حضور پُرنور کی اس عظیم معجزہ کی آخری شہادت ہوگی۔

ماذالک علی اللہ بعزیز

ہمارا دور قمری دور ہے

موجودہ بیسویں صدی اس کو جہاں اٹمی (جوہری) دور کہا جاتا ہے وہاں اس کو دور قمری بھی کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ سلطنت ارضی کا شہزادہ (انسان) اپنے عہد طفولیت سے زمین سے سب سے قریب کرۂ قمر پر پہنچنے اور اس نورانی کرہ کی روشن و تاباں وہاں کے منور و درخشاں میدانوں اور پہاڑوں اور غاروں کی سیر کرنے کا جو خواب دیکھتا چلا آرہا تھا اور جس کو شیخ چلی کا خواب سمجھا جاتا تھا سائنس جدید کی بدولت وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوگیا۔ موجودہ دنیا کی دو بڑی حکومتوں روس و امریکہ نے اپنی سائنسی فتوحات کے بل بوتے پر اس کے اندر کامیابی حاصل کی سب سے پہلے ہوا بازوں نے خلاؤں تک پہنچنے کے ناقابل عمل خیال کو عملی جامہ پہنایا اور خلائی پرواز میں کامیابی حاصل کی اس خلائی سیر میں اس قدر دلکش و دلآویز مناظر فطرت سامنے آئے جس نے اس زبردست محنت و مشقت کی کلفت کو کافور کر دیا جو اس راہ کے طے کرنے میں ان کو پیش آئے تھے خلاؤں کو فتح کرنے کے بعد اُن کا دوسرا قدم چاند پر تھا چاند کی سطح پر عصری انسان نے نقش قدم ثبت کرکے اس نورانی کرہ پر فتحیابی کا پرچم لہرادیا۔ انسان کی اس فتحیابی پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے کیونکہ اصلی سائنس نے خلائی تحقیقات پر اولاً برسوں غور و فکر کیا پھر ابتدائی تجربات کیے اور خلائی پرواز کے لیے بے شمار منصوبے تیار کیے آخر میں جان جوکھم میں ڈال کر اس عظیم

معرکہ کو سر کیا اس لیے سائنس کی بیسویں صدی کے اس کارناموں میں اس سے بڑھ کر اور کیا کارنامہ ہوگا کہ آج سائنسی ایجادات و اختراعات کی بنا پر ہمارا یہ خاکدان ارضی جو اپنی وسعت و پہنائی کی بنا پر عہد قدیم کے انسانوں کی نگاہ میں بے پایاں و بے کراں تھا جدید رسل و رسائل نے زمین کی طنابوں کو کھینچ کر ایک دوسرے کے قریب کر دیا اور اس ربع مسکوں (زمین) کے پھیلے ہوئے علاقہ جو کبھی انسان کے لیے ناقابل عبور سمجھے جاتے تھے نئی سواریوں نے بڑی حد تک ایک دوسرے سے ملادیا ہے گویا دنیا سمٹ کر ایک براعظم بن گئی ہے خشکی کے ساتھ تری یعنی سمندروں کے طویل و عریض اور وسیع آبی خطوں کو بھی ایک جھیل کی حیثیت دے دی ہے پانچوں براعظم یا پرانے زمانے کے ہفت اقلیم جو اپنی مسافتوں اور فاصلوں کے اعتبار سے الگ الگ دنیائیں بھی جاتی تھیں ایک ملک بن گئے اور ان براعظموں کے اندر انسانی آبادیوں سے معمور خطہ ایک شہر کے مختلف محلے ہوگئے قدیم فاصلوں کا تصور دھندلا ہوکر رہ گیا اور دور دراز مسافتوں کا پرانا تخیل ذہنوں میں ہوا ہوگیا غرض پوری انسانیت ایک عالمگیر برادری اور ساری دنیا ایک ملک کے شہریوں کے دائرہ بننے کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے پھر حیات انسانی کے آسائش و آرائش، آرام و راحت زیب و زینت کے لیے جو شاندار کارنامے روز بروز ظہور پذیر ہوتے جارہے ہیں اور انسان ان مسلسل کوششوں سے آگے بڑھ رہا ہے اور نت نئی نعمتوں و لذتوں سے بہرہ اندوز ہو رہا ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے ؎

عیاں را چہ بیاں

اس دور قمر پر ایک نظر

ان سائنسی کارناموں میں تسخیر کائنات قمر کا کارنامہ ایک درخشاں روشن و تاباں کارنامہ ہے جو انسانی عظمت و سربلندی کی روشن نشانی ہے مگر تصویر کے اس روشن پہلو کے ساتھ ساتھ اس کا تاریک رُخ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

اس بیسویں صدی میں عالم انسانیت کا انحطاط و ادبار اور اس کی معاشرتی و اخلاقی نکبت و پستی بھی انتہائی عبرت انگیز ہے انسان کا جو اصل جوہر انس و محبت کا تھا افسوس ہے کہ سائنسی ترقی کے ساتھ وہ اپنی آب و تاب کھوتا جارہا ہے فطرت بشری کا جو اخلاقی حسن و جمال انسانی نگاہوں کو روشن کرتا تھا وہ بتدریج مدھم پڑتا جارہا ہے سائنس جدید نے

فلسفۂ ارتقا کی تشریح میں فطرت انسانی کا جو تجزیہ کیا ہے اس کے اندر حیوانی جبلت خودغرضی اور خود مطلبی کو اس قدر ابھارا گیا کہ انسان کی حقیقت ایک بڑھیا حیوان (High animal) کی حیثیت پر پردۂ فکر پر نمایاں ہوئی۔ اس خودغرضی کے باطل فلسفے نے نظریۂ ارتقا کے شاخسانے کے طور پر تنازع للبقا کے نظریہ کو جنم دے کر ہماری دنیا کی اس بہشت ارضی کو مسلسل معرکہ آرائیوں، باہمی لڑائیوں کا جہنم زار بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو بیسویں صدی عیسوی کا سائنسی دور قوموں کے درمیان تباہ کن جنگوں لگاتار لڑائیوں کے تلخ ثمرات کا حامل ہے جس نے انسانیت کے مزے کو بدمزہ کر دیا ہے جو لطف و راحت، آرام و سہولت ان ایجادات نے معاشرہ انسانی کو بہم پہنچائی ہے ان مہلک ہتھیاروں (ایٹم بم، ہائیڈروجن بم) کی ہلاکتوں کے اندیشے نے ان سب کو ملیا میٹ کر دیا ہے اطمینان و دلی سکون کی نعمت چھن چکی ہے اور مستقبل کے خطروں سے انسانیت لرزہ براندام ہے آج تہذیب و اخلاق سے پہلو تہی اس عہد کا خصوصی مزاج اور مفاد پرستی کی خاطر اپنے بھائیوں کو اغراض کی کند چھری سے ذبح کرنا ہمارا مستقل شعار بن گیا ہے۔ موجودہ فاسقانہ سیاست نے خدمت خلق کا لبادہ اوڑھ کر انسانیت کو گمراہ کر رکھا ہے کہیں آمریت کے عفریت نے معاشی مساوات کا نعرہ بلند کر کے خلق خدا کو غلامی کے شکنجہ میں کس لیا ہے تو کہیں استبداد کا دیو جمہوری قبا پہن کر لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اٹلی کے رسوائے عالم مصنف میکیاولی کے نظریۂ سیاست نے قافلۂ انسانیت کو عیاری و مکاری جھوٹ فریب کاری کے خار دار جنگل میں ڈال دیا ہے۔ یہ خودغرضی بین الاقوامی سطح سے اب اندرون خانہ (سماج اور سماجی زندگی تک پہنچ چکی ہے۔ اولاد ماں باپ کے خلاف اور ماں باپ اولاد سے بیزار، بھائی بھائی کا دشمن، اپنے خاندانی سانچے ٹوٹتے جا رہے ہیں اور انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے والے پرانے بندھن شکست ہوا چاہتے ہیں۔ شرافت و مروت اور بھلمنساہٹ کی روشنیاں بجھ چکی ہیں۔ اکا دکا افراد میں کہیں کہیں اس کے چکارے نظر آتے ہیں اس لیے انسان کا انسان پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے جو نظام انسانی حریت و مساوات کا دعویدار ہے وہ اخلاقی نظام سے بیگانہ اور جو نظام معاشی مساوات کی بنیاد پر استوار ہے وہ بنی نوع انسان کی آزادی و خود مختاری کے شرف پر ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ غرض انسانی معاشرہ Society کو آزاد خیال، "آزادی" تحریر و تقریر اور دوسری طرف معاشی آزادی کی گرداب بلا میں مبتلا ہے۔ پیغمبر اسلام نے قرب قیامت کی جن علامتوں

کی نشاندہی فرمائی تھی وہ علامتیں اس نبی صادق کی صداقت کی نشانیاں بن کر صفحۂ عالم پر یکے بعد دیگرے چہرہ پرداز ہو رہی ہیں ان کے اندر سب سے بڑی علامت نااہلوں کی امارت و حکومت اور غیر مستحقوں کی سرداری و سربراہی ہے جو آج آنکھوں کے سامنے ہے آج علم و عرفان عنقا، تقویٰ و طہارت مفقود، امانت و دیانت اٹھ چکی ہے بے ایمانی اور خیانت کاری کا ہر طرف زور شور ہے۔ شرافت و مروت کا جنازہ نکل گیا ہے۔ ہرج مرج یعنی بیجا مردم کشی کا بازار گرم ہے۔ بدکاریاں اور بے حیائیاں سربازار عام ہوتی جا رہی ہیں ناقص العقل مخلوق ہر جگہ برسر اقتدار۔ غرض شیطنت نے ایک عالم آشوب مصیبت اور قیامت خیز ہنگامہ برپا کر رکھا ہے شاید لسان الغیب حافظ شیرازی نے اپنے عارفانہ کلام میں جس دور قمر کی پیشینگوئی کی تھی وہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور اقتربت الساعة وانشق القمر کی نئی تفسیر نگاہوں کے سامنے ہے ؎

(۱) این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

(۲) ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام
مشکل این است کہ ہر روز بتر می بینم

(۳) جاہلاں را ہمہ شربت ز گلاب و قند است
قوت داناں ہمہ از خون جگر می بینم

(۴) اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوق زریں ہمہ در گردن خر می بینم

(۵) دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر
پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

(۶) ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را باپسر می بینم

(۷) پند حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن
زاں کہ ایں پند بہ از در و گہر می بینم

---

(۱) یہ کونسا شور و غل ہے جو دور قمر میں دیکھ رہا ہوں ساری دنیا کو فتنہ و شر سے بھرا

ہوا دیکھ رہا ہوں

(۲) ہر ایک زمانے سے بہتری اور بھلائی کا طالب ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ ہر روز بد تر سے بد تر ہوتا جا رہا ہے۔

(۳) بے وقوفوں کو گلاب و قند کا شربت مل رہا ہے اور عقلمند آدمی کو خون جگر پینا پڑ رہا ہے۔

(۴) اصلی عربی گھوڑا پالان کے نیچے زخمی ہے اور گدھے کی گردن میں سنہرا طوق پڑا ہوا ہے۔

(۵) لڑکیاں اپنی ماؤں سے جنگ و جدال پر آمادہ ہیں (تلی ہوئی ہیں) اور لڑکے باپ کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔

(۶) بھائی کو بھائی سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا ہے اور باپ کو اپنی اولاد سے کوئی شفقت نہیں۔

(۷) اے صاحب حافظ کی نصیحت سنو اور نیکی کرتے ہوئے چلو (آگے بڑھو) اس لیے کہ ان کی اس نصیحت کو لعل و گہر سے بہتر سمجھتا ہوں

راقم الحروف کو سائنس جدید سے نہ بیر ہے نہ اس کی طرف سے کوئی بدگمانی وہ تو عہد نو کی انسانی محنتوں کا خوشگوار ثمرہ ہے۔ سائنس نے جب ہوش و شعور کی آنکھیں کھولیں تو ہسپانیہ عظمیٰ کے موروں (مسلمان عربوں) نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا جب اس نے ایک طفل نو خیز کی طرح اپنی اتھر چال سے دلوں کو موہ لیا تو اہل ہسپانیہ کے مسلمان سائنسدانوں و عالموں ابن رشد، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن الہیثم، ابن صائغ اور زہراوی وغیرہ نے اپنے سینہ سے لگایا اور اس کی تربیت میں خون پسینہ ایک کر دیا۔ سائنس کی بدقسمتی یا خود مسلمانوں کی کم نصیبی ہے کہ جب اس نے عنفوان شباب میں قدم رکھا تو اس کے پرانے نام لیوا عاشق رخصت ہو چکے تھے علم کے ان سچے عاشقوں نے اس علم (سائنس) کو غیر متعصبانہ مزاج کی بنا پر اپنے نوجوان شاگردوں (یورپ کے طالب علموں) کے سپرد کر دیا جب یہ استاد بوڑھے ہو چکے تو ان نوجوان شاگردوں نے ان بوڑھے استادوں کی گردنیں مروڑ دیں اور بنی نوع کی یہ متاع مشترک (سائنس) ان کے قبضہ میں چلی گئی جب یہ اتھر نوجوان یورپ کے ہاتھ لگا تو ان مغرب کے علماء سائنس نے اس

اتھر نوجوان کو بے لگام چھوڑ دیا اس نو عمر نوجوان نے نفسیات شباب کے مطابق آوارگی کی راہ اختیار کی اس نے تہذیب و شرافت، مذہب و اخلاق کی ہر قید کو توڑ پھینکا اور ایسا خود مختاری کا علم بلند کیا کہ اپنے پرانے سرپرستوں سے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے نئے دوستوں کے اشارے پر خم ٹھونک کر پرانے سرپرستوں کے مقابلہ میں آ کھڑا ہوا یہاں سے معرکۂ مذہب و سائنس کا آغاز ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ سائنس جدید کے مقابلہ میں سینٹ پال کی من گھڑت عیسائیت اور پرانے خود ساختہ مذاہب شکست کھا گئے لیکن اسلام جو دین فطرت ہونے کا مدعی ہے اس کا فطری طور پر اس علم (سائنس) سے قریبی تعلق رہا بقول امام العصر علامہ انور شاہ صاحب کشمیری فلسفۂ قدیمہ کے مقابلہ میں سائنس جدید اسلام سے بہت قریب ہے بہر حال سائنس علم فطرت ہے علم مشاہدہ و تجربہ ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ لگا ہے انھوں نے اس کا استعمال غلط کیا ان کے غلط استعمال نے اس وقت عالم انسانیت کو تہ و بالا کر رکھا ہے۔

ایک آبدار تلوار جس کی کاٹ کا جواب نہ ہو دشمن سے مدافعت اور اپنی حفاظت کے لیے اس سے بہتر پچھلے زمانہ میں کوئی ہتھیار نہیں تھا لیکن اگر کوئی طفل ناداں دشمن سے مقابلہ کرنے کے بجائے اس دو دھار دار آلہ سے اپنی گردن کاٹنے لگے اور اس تلوار کو اپنے گلے ہی پر چلانے لگے تو اس کی [illegible] اچھائی پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔

سائنس انسان کے لیے بہتر سے بہتر سامان تیار کر سکتا ہے لیکن اس کے استعمال کا صحیح طریقہ اس کے موضوع سے خارج ہے اس کے صحیح استعمال کے لیے ایک اچھے نیک نفس خیر اندیش معلم کی ضرورت ہے جو اس کے صحیح طریقۂ استعمال کو بتلائے

اچھا سامان بنانا سائنس کا کام ہے اور اچھے انسان بنانا نبیوں کا کام ہے۔

حیات انسانی کے لیے ہر ایک کے لیے ہر ایک خوبی اور ہر ایک اچھائی کی ضرورت ہے اچھے سے اچھا ساز و سامان میسر ہو لیکن انسان اس کا طریقۂ استعمال نہ جانتا ہو تو وہ بیکار ہے اور انسان کتنا ہی اچھا ہو لیکن خالی ہاتھ اسباب راحت سے محروم ہو تو اس کو کیا لطف زندگی حاصل ہو سکتا ہے اور کیونکر وہ اپنی زندگی کو قائم رکھ سکتا ہے ان دونوں اچھائیوں (اچھے سامان اچھے انسان) دونوں میں اگر ربط باہمی پیدا ہو گیا تو انسانی زندگی حقیقی کیف و بہجت اور اصل لطف و مسرت سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں جب تک ظاہر و باطن میں باہمی رابطہ معاش و معاد کا ایک دوسرے سے رشتہ استوار نہ ہوگا دنیا میں خوشی و مسرت محبت و مودت کا سورج طلوع نہ ہو سکے گا۔

زندگی کے ترازو کے دونوں پلڑوں (معاشی تقاضوں اور اخلاقی قدروں) کے درمیان توازن کی اشد ضرورت ہے۔ عالم انسانیت فطری جہالت کی وجہ سے افراط و تفریط کی گرداب بلا میں پھنسا ہوا ہے۔ دین فطرت (اسلام) نے علم الٰہی (وحی خداوندی) کے ذریعہ اعتدال پیدا کی ہے۔ جب تک انسان کی داخلی صلاحیتیں (عقل و حواس) کا رشتہ خارجی قوت وحی سے قائم نہ ہوگا۔ اس وقت تک حیات انسانی کامیاب طریقے سے منزل تک نہیں پہنچ سکے گی۔

اسلام قدرت کے ہمہ ایک پھیلے ہوئے ذخیروں اور زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں سے نہ آنکھیں بند کرتا ہے نہ ان کے صحیح استعمال پر قدغن لگاتا ہے اور نہ انسانی افکار و خیالات اور اعمال کو بے لگام چھوڑتا ہے جو اس کو عقل کی داخلی طاقتوں سے کام لینے کے ساتھ خارجی رہنمائی (وحی الٰہی) استفادہ کی ضروری دعوت کو پیش کرتا ہے۔ ظاہر و باطن میں عملی مطابقت حقیقت میں صحیح توازن کے بغیر انسانیت صلاح و فلاح سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ جس دن سائنس (علم) کا اسلام کے عملی پروگرام سے نورانی رابطہ پیدا ہو جائے گا عالم انسانی امن اور خوشحالی فارغ البالی اور مسرت سامانی کا گہوارہ بن جائے گا۔

ہمارے اس قری دور کی دعوت خصوصاً ایسے افراد کا پیدا کرنا ہے جو علم و عمل کے جامع اور سائنس و مذہب کے حامل ہوں ایسے جامع اور کامل افراد کی رہنمائی جب قافلہ انسانیت کو پوری طرح میسر آجائے گی تو اس کی منزل مقصود اس کے سامنے ہوگی۔

آخری سخن

انسانی تہذیب جو حیات بشری کی مسلسل ضروریات کی تکمیل کے نتیجہ میں پیدا ہوئی اس کے اندر کچھ بنیادی ضرورتیں اور کچھ جمالیاتی ذوق کی فاضل و زائد قدریں ہیں بنیادی ضرورتیں حیوانی زندگی میں مشترک ہیں اور فاضل قدریں انسانیت کی زائد فاضل خصوصیات کا ثمرہ ہیں جوں جوں نسل انسانی کے قافلے مختلف ممالک میں منتقل ہوتے گئے وہاں کے مقامی حالات اور جغرافیائی اثرات نے انسانی خصائل و عادات کو متاثر کیا ایک طرف موروثی خصائص نے موسیو لیبان کی تحقیق کے مطابق قوموں کے اندر مزاج عقل پیدا کیا تو دوسری طرف وہاں کے ماحول نے تہذیب کے شانچوں

میں ڈھالنے کا تاریخی عمل جاری رکھا اس لیے انسانی تہذیب کچھ بنیادی امور میں مشترک ہونے کے باوجود بہت سی باتوں میں مختلف و ممتاز ہوتی چلی گئی۔ تہذیب انسانی کی عمارت کی پہلی اینٹ کہاں رکھی گئی اور پھر اس نے ایک قصر عالیشان کی شکل کس طرح اختیار کی ایک زبردست عظیم موضوع ہے ہم کو یہاں صرف اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ موجودہ مغربی عصری تہذیب جس نے اپنی ظاہری چمک دمک سے پچھلی تہذیبوں کو ماند کر دیا اور اپنی عظمت و رفعت کی جگمگاہٹ سے نگاہوں کو خیرہ بنا دیا یہ تہذیب جدید خود کو یونانی تہذیب کے شجر عظیم کی خود کو براہ راست ایک شاخ قرار دینے پر اصرار کرتی ہے قرون وسطی کا وہ تاریک زمانہ جس کے اندر یونانی تہذیب کا چراغ بجھ کر رہ گیا اس چراغ مردہ سے یورپ نے اپنا چراغ کس طرح جلایا اس پر کوئی غور کرنے کو تیار نہیں حقیقت حال یہ ہے کہ چھٹی صدی سے سولھویں صدی تک جب اسلامی تہذیب عالم وجود میں آئی تو عربوں نے دنیا کی تمام تہذیبوں کے صالح اجزا کی خوشہ چینی کر کے معاشرہ انسانی کو توحید، یکسانی اور مساوات نوع انسانی کی بنیادوں پر کھڑا کیا اور اسلامی تہذیب نے اس قافلہ کو آگے بڑھایا۔ عروس البلاد بغداد نے مشرق میں اور گلستان اندلس کے شاداب خیابان قرطبہ نے مغرب میں اقوام عالم کے مفید اور اہم علوم و فنون کو محفوظ رکھ کر سنوارا اور نکھارا اس طرح روم و ایران، یونان و ہندوستان کے بہ منفعت بخش علوم و حکمت اسلامی تہذیب میں سمو دیئے گئے۔ یونان کے مردہ فلسفہ و حکمت کو از سر نو زندہ کیا اور روم و ایران کے اخلاق کو نئی طرح سے مہذب بنایا ہندوستان کی نجوم و ریاضی و ہندسہ اور فلسفہ کو از سر نو درست کیا یورپ جب قرون مظلمہ کے وحشت و بربریت کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ عربوں نے ہسپانیہ عظمی (اسپین) میں حکومت قائم کی قرطبہ اور غرناطہ میں تعلیمی یونیورسٹیاں کھولیں جن کے دروازے ہر مذہب و ملت کے باشندوں کے لئے کھلے ہوئے تھے یہاں سے یورپ میں تحقیق علمی کی نئی لہر چلی اور نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا سینٹ پال کی من گھڑت عیسائیت کے خلاف رد عمل پیدا ہوا۔

اندلس میں مسلمانوں نے علوم طبعی کو مشاہدہ و تجربہ کی راہ پر لگایا اور قدیم یونان کے تخیلاتی و قیاسی فلسفہ کے جال سے باہر نکالا اس کو اہل مغرب لے اُڑے جس کے نتیجہ میں تہذیب جدید عالم وجود میں آئی غرض مسلمانوں ہی کے ذریعہ یونان و روم کے علوم یورپ تک پہنچے مگر مغربی مورخین یونان کی تہذیب قدیم اور یورپ کی تہذیب جدید کے سلسلہ کی اس درمیانی کڑی (اسلامی تہذیب) کو حذف کر کے اپنا تعلق براہ راست جوڑنا چاہتے ہیں جو تاریخی واقعیت کے خلاف ہے۔ قدیم یونانی تہذیب اور جدید مغربی تہذیب کے درمیان مسلمانوں کی تہذیب پل [illegible] نمودار ہوئی اور کل سے درمیانی خلا پُر کر کے ارتقا کے عمل کی [illegible] تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیا ہے جو کہ تہذیب انسانی ہمارے نزدیک عالم انسانیت کی

مشترک میراث ہے مسلمانوں نے انسانی تہذیب کے اس قافلے کو آگے بڑھایا بلکہ صدیوں تک وہ قافلہ سالار بھی رہے اس لیے بقول مشہور محقق راجر بیکن موجودہ تجرباتی سائنس موروں یعنی عربوں کی ایجاد ہے۔ کیمسٹری کی داغ بیل تو عہد اموی میں خالد ابن یزید ابن معاویہ نے ڈال دی تھی۔ پھر جابر ابن حیان، زکریا رازی، ابن الہیثم، ابن رشد، ابن طفیل وابن باجہ سائنس کے اولین مربی ہیں خود اسلام مطالعہ فطرت، مشاہدۂ قدرت کا داعی اور تجرباتی ومشاہداتی علوم کا حامی ہے۔

خاتمۃ الکتاب

قلم کے مسافر نے جب اس نورانی موضوع پر سفر کا ارادہ کیا تھا تو اس کو منزل دور دراز نظر آ رہی تھی لیکن خداوندی نصرت نے مسافر کی قدم قدم پر رہنمائی کی اور جب کہ اس کے سامنے منزل تاباں و درخشاں نظر آ رہی ہے تو ضرورت ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نورانیت اور آپ کا بابرکت وجود باوجود کا تعلق اس نورانی معجزے سے کیونکر ہے اس پر آخری روشنی ڈالی جائے۔

خوش قسمتی سے اس ناکارہ انسان کے شفیق ومہربان بزرگ سلالۂ قاسمی کے چشم وچراغ مولانا طاہر القاسمی مرحوم نے اس حقیقت کو لطیفۂ غیبی کی صورت میں بیان فرمایا ہے اس کو ہم اپنی کتاب کا نقطۂ اختتام بناتے ہیں۔

• حضور پر نور کی ذات گرامی جس طرح ساری کائنات کے لیے مطلع الانوار ہے اسی طرح منبع الانوار بھی خدا کا نور مطلق حسن آئینہ حق نما میں جلوہ فرما ہوا وہ نور محمد ہے اس لیے تمام انبیا علیہم السلام عالم ارواح میں حضور انور سے خوشہ چیں ہوئے اور تمام اگلوں پچھلوں کو جس قدر انوار الٰہی مبدأ فیاض سے تقسیم ہوئے اس کے لیے واسطہ حضور ہی تھے اس لیے آپ کی ذات بابرکات سب سے افضل آپ کی امت تمام امتوں میں اعلیٰ اور آپ کا وطن و ہجرت گاہ مکہ ومدینہ تمام مقامات میں اشرف ٹھہرا۔ جس طرح رات کی تاریکیوں میں آفتاب عالمتاب کا نور ماہتاب ہی میں سے ہو کر زمین پر پھیلتا ہے اسی طرح نور خداوندی بھی ہر دور گری میں آنحضرت صلعم کے ذریعہ تمام عالم پر محیط ہوا اور اسی نور محمدی نے نور آفتاب وماہتاب کی طرح تدریجی طور بڑھنے اور عالم کی استعداد کے موافق پھیلنے کے لئے حضرت آدم کے قالب میں بالاتوالد وتناسل ظہور کیا پھر یہ نور حضرت نوح وابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام میں منتقل ہوتا ہوا فاران کی چوٹیوں سے افق رسالت سے طلوع ہو گیا اور چالیس برس میں یہ بدر کامل بن کر تمام عالم کے لیے نور رحمت بن کر جلوہ گر ہوا جب یہ نور محمدی مکمل ومختتم حالت میں دنیا میں پھیلا

گیا تو اس مہتاب رسالت نے آفتاب جلال وکمال احدیت سے اکتساب نور فرماتے ہوئے کائنات کو انوار خداوندی کے تحمل کے قابل بنا دیا اور آفتاب نور احدیت سے فیض رسانی میں مثل ماہتاب واسطہ بنے غالباً یہی سبب ہے کہ ملاء اعلیٰ اور عالم ارواح کے اس مہتاب رسالت نے جب عالم شہادت کے مہتاب سے آنکھ ملائی تو وہ تاب نظارہ نہ لا سکا۔ اور نور محمدی نے اس مہتابی کرۂ نور کے دو ٹکڑے کر دیے اور کیا عجب ہے کہ حضرت مہتاب رسالت نے چاند کے دو ٹکڑے فرما کے اس وقت جہاں مشرکین عرب کو اعجاز نبوت دکھلایا وہیں اس انشقاق قمر سے اس دائمی اعجاز کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہو کہ میرے پردہ فرمانے اور وصال کے بعد میرے نور کے بھی دو ہی حصے ہوں گے۔

ایک کتاب اللہ دوسری عترت یا سنت رسول اللہ اور جس طرح چاند کا نور قیام قیامت تک دنیا میں چمکتا رہے گا اسی طرح کتاب اللہ اور سنت رسول کے حاملان باصفا کے انوار وتجلیات تا روز حشر تابندہ وپائندہ رہیں گے اور قرآن وسنت کی روشنیوں کی موجودگی میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت وکامیابی پر رہے گی۔

(التصوف فی الاسلام ص۱۳۹)

فہرست کتابیات وحوالہ جات

عربی کتب

(۱) تفسیر ابن کثیر
علامہ عماد الدین دمشقی
(۲) تفسیر انوار التاویل
قاضی ناصر الدین بیضاوی
(۳) تفسیر خازن
علامہ علاؤ الدین علی ابن محمد بغدادی
(۴) تفسیر الدر المنثور
علامہ جلال الدین سیوطی
(۵) عرائس النفائس
ابو اسحاق احمد ابن محمد ابراہیم ثعلبی
(۶) اخبار الدول وآثار الدول
ابو العباس احمد ابن یوسف دمشقی
الشہیر بالقرمانی
(۷) الادب المفرد
امام محمد ابن اسماعیل بخاری
(۸) فتح الباری
علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی
(۹) الاصابہ فی تمییز الصحابہ
علامہ ابن حجر عسقلانی

(۱۰) الاستیعاب فی معرفت الاصحاب
ابو یوسف عمر ابن عبد البر اندلسی
(۱۱) تہذیب التہذیب
علامہ ابن حجر عسقلانی
(۱۲) البدایہ والنہایہ
علامہ ابو الفداء اسماعیل قرشی
(۱۳) اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ
ابو الحسن عز الدین علی ابن محمد ابن اثیر جزری
(۱۴) تجرید اسماء الصحابہ
امام ذہبی
(۱۵) سیرت ابن ہشام
ابو محمد عبد الملک ابن ہشام
(۱۶) تاریخ طبری
امام محمد ابن جریر طبری
(۱۷) تاریخ ابن خلدون
علامہ عبد الرحمن ابن محمد ابن خلدون
(۱۸) الاخبار الطوال
ابو حنیفہ احمد ابن داؤد دینوری
(۱۹) جمہرۃ الانساب العرب
ابو محمد علی ابن احمد ابن سعید ابن حزم اندلسی

(۲۰) فتوح البلدان
علامہ بلاذری
(۲۱) انساب الاشراف
علامہ بلاذری
(۲۲) مروج الذہب ومعادن الجوہر
علامہ ابو الحسن مسعودی
(۲۳) کتاب المعارف
علامہ ابن قتیبہ
(۲۴) معجم البلدان
یاقوت ابن عبد اللہ حموی
(۲۵) طبقات ابن سعد
علامہ واقدی
(۲۶) منہاج الدین (چچ نامہ)
علی ابن حامد ابو بکر کوفی اوشی
(۲۷) عجائب الہند
بزرگ ابن شہریار ناخدا رامہرمزی
(۲۸) تحفۃ المجاہدین
علامہ زین الدین معبری ملیباری
(۲۹) کتاب المشق
ابو جعفر محمد ابن حبیب بغدادی
(۳۰) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان
علامہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی
(۳۱) ابجد العلوم
نواب صدیق الحسن خان بھوپالی

(۳۲) نزہۃ الخواطر
علامہ عبد الحی حسنی
(۳۳) فیض الباری
علامہ انور شاہ کشمیری
(۳۴) العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد
فیہا من الصحابۃ والتابعین
قاضی اطہر مبارکپوری
(۳۵) رجال الہند والسند
قاضی اطہر مبارکپوری

کتب فارسی

(۳۶) خلاصۃ الوقائع
ملک العلما شہاب الدین دولت آبادی
(۳۷) تاریخ فرشتہ
ملا قاسم بیجاپوری
(۳۸) آئین اکبری
علامہ ابو الفضل
(۳۹) گلزار ابرار
غوثی حسن شطاری
(۴۰) بحار الانوار
ملا باقر مجلسی
(۴۱) خلاصۃ التاریخ
سبحان رائے دہلوی
(۴۲) انتفاع عن ذکر الصلاح
شاہ انور علی قلندر کاکوروی

(۴۳) عجائب القصص
مولانا عبدالواجد دہلوی

(۴۴) سراج الہدایہ
علامہ ابوالمنصور ناصر الدین دہلوی

(۴۵) مہر نیم روز
مرزا غالب دہلوی

(۴۶) رسالہ شق القمر
شاہ رفیع الدین دہلوی

(۴۷) سیر المتاخرین
غلام حسین طباطبائی

(۴۸) تاج الاقبال
نواب شاہجہاں بیگم بھوپال

کتبِ اُردو

(۴۹) تاریخ مدینۃ الاولیا
مولوی عبدالکریم فیض آبادی

(۵۰) تواریخ انبیا علیہم السلام
منشی سرفراز خاں دہلوی

(۵۱) جامع التواریخ
مولوی احمد محمد صاحب

(۵۲) تاریخ مالوہ
منشی عبدالکریم

(۵۳) تواریخ مالوہ، محمد مرتضیٰ خاں

(۵۴) شاہان مالوہ
امیر احمد علوی

(۵۵) عرب و ہند کے تعلقات
علامہ سید سلیمان ندوی

(۵۶) ارض القرآن
علامہ سید سلیمان ندوی

(۵۷) رحمۃ للعالمین
قاضی محمد سلیمان منصور پوری

(۵۸) بُشریٰ
علامہ فاروق چریاکوٹی

(۵۹) اذکار الابرار
شاہ انور علی قلندر کاکوروی

(۶۰) شہادت الاقوام علی صداقت الاسلام
حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

(۶۱) حجۃ الاسلام، مولانا محمد قاسم نانوتوی

(۶۲) فوائد القرآن
علامہ شبیر احمد عثمانی

(۶۳) معجزات اور خوارق العادات
علامہ شبیر احمد عثمانی

(۶۴) انوار العارفین، رئیس احمد جعفری

(۶۵) عہد وسطیٰ میں مسلمانوں کی علمی خدمات
علامہ عبدالرحمٰن حیدرآبادی

(۶۶) میثاق النبیین، عبدالحق

(۶۷) فارقلیط، محمد حسن حقانی

(۶۸) جمال کمال، ماسٹر معین الدین دھاروی

(۶۹) رسالہ شق القمر

(۷۰) التصوف فی الاسلام، مولانا طاہر ابن احمد القاسمی

معجزہ شق القمر

علمِ نجوم کی روشنی میں

خالقِ کائنات نے زمین سے آسمان تک جو محفلِ کائنات سجائی ہے وہ اپنی حسن و خوشنمائی اور رنگا رنگی کے اعتبار سے خداوندی حسن و جمال اور قدرت و کمال کا آئینہ ہے جس کے اندر اس کی تجلیاں جھلک رہی ہیں۔ عالمِ شہادت کی ہر ایک چیز میں قدرت نے ایک خاصیت و تاثیر بخشی ہے خواہ اجرامِ علوی کے سیارے اور ستارے ہوں یا اجسامِ سفلی کے جمادات و نباتات و حیوانات۔ اگرچہ مؤثر بالذات خدا کی ذات ہے لیکن مخلوقات میں بھی خالقِ کائنات نے گوناگوں خاصیت اور بوقلموں تاثیر عطا کی ہیں جس طرح چاند سورج کی کھلی تاثیرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی حرارت و روشنی اشیائے عالم میں جلوہ گر ہے اسی طرح ستاروں کی بھی تاثیرات ہیں۔ اشوری، بابلی، اور مشرقی قوموں نے بعض سیارہ اور ستاروں کے متعلق قسمت سازی کے جو عقائد قائم کر رکھے تھے اسلام نے اس کی نفی کر دی۔ لیکن یہ کہ ستاروں کی کوئی بھی تاثیرات نہیں ہیں بقول علامہ انور شاہ صاحب یہ خلاف حقیقت ہے۔ پچھلی گمراہ اقوام نے باطل عقیدہ کی بنا پر اسلام نے علم النجوم (جوتش) کو قابلِ اعتبار قرار نہیں دیا لیکن مختلف ستاروں کے اجتماع و افتراق سے جو حوادثِ عالم برپا ہوتے ہیں وہ حکمِ الٰہی کے ماتحت ہونے کی بنا پر قابلِ لحاظ ہیں۔ چنانچہ جس وقت زہرہ و مشتری کا اجتماع ہو جاتا ہے تو اس کے خوشگوار نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اس لئے امیر تیمور صاحبِ قرآن کہلایا۔ ایسے مغل بادشاہوں میں شاہجہاں صاحبِ قرآن ثابت ہوا۔ علمائے نجوم نے آنحضرتؐ کی ولادت، بعثت اور ہجرت اور فتح مکہ کے وقت ان کواکب کے اجتماع کو آپؐ کی خاتمیت و افضلیت کی شہادت قرار دیا ہے۔

بہر حال جس وقت حضور اکرمؐ کے دستِ مبارک سے معجزہ شق القمر صادر ہوا اس وقت زہرہ و مشتری کا عمل ایک طرف تھا۔ جو دنیا کو خیر ہی خیر کی جلوہ گاہ بنا دیتا ہے۔ دوسری طرف عطارد و زحل کا عمل اس کے مخالف عمل تھا جو دنیا کو برائیوں کی آماجگاہ بنا دیتا ہے۔ چاند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ متضاد کواکب و سیاروں کے اثرات کو بیک وقت اپنے اندر لئے ہوتے اور عروجی و زوالی رفتار میں علیحدہ علیحدہ انکو اہل عالم پر طاری کر دیتا ہے چنانچہ معجزہ شق القمر کی ساعت وہی ساعت ہے۔

اس معجزہ سے نظام علوی سے جو زبردست انقلاب آیا اور اس کی وجہ سے زمین کے نظام پر جو اثر برپا ہوا اس کو ہم لوگ سمجھ نہیں سکتے یہ خصوصیت صرف چاند کو حاصل ہے کہ وہ متضاد کواکب و سیارات کے اثرات کو بیک وقت اپنے اندر لئے ہوئے اور عروجی و زوالی رفتار میں علیحدہ علیحدہ ان کو اہل عالم پر طاری کیا کرتا ہے۔ جس فرقانی ساعت میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تھے وہ ساعت ایک ایسی اہم ساعت تھی جس میں زہرہ، مشتری اور شمس کا عمل ایک جانب اس انداز سے مجتمع ہو گیا تھا اور اس کے مقابل مریخ و زحل اور عطارد کا عمل دوسری جانب اسی انداز سے دوسری جانب مساوی طور پر مجتمع ہو گیا تھا۔ مذکورہ بالا چھ متضاد سیاروں کے متضاد عمل نے ایسی کشمکش کی صورت پیدا کر دی تھی کہ اس کے بعد جس طرف بھی سیارہ قمر ہو جاتا وہی جانب ہمیشہ کے لئے عالم پر باذن اللہ اثر انداز رہتی اگر سیارہ قمر زہرہ و مشتری سورج کی جانب ہو جاتا تو اس عالم سفلی میں ہمیشہ کیلئے خیر کا ظہور ہوتا رہتا اور اگر بجانب مریخ و زحل و عطارد اسکی حمایت ہوتی تو ہمیشہ کیلئے اس عالم میں باذن اللہ شر کا ظہور ہوتا۔ اس نزاکت کا احساس فرما کر جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دو حصوں میں اس ساعت میں تقسیم فرما کر ہر دو قسم کے متضاد سیاروں میں ایک اعتدال اور مساوی صورت پیدا کر دی اور دونوں کے متضاد اثرات سے جو ایک تخریبی صورت سی پیدا ہو چلی تھی اسے رفع کر دیا۔ اس بنیادی فرقانی ساعت میں جو ساعت کہ صدیوں کا خلاصہ لئے ہوئے کبھی کبھی آتی ہے۔ اگر پورا چاند کسی ایک جانب بھی مائل ہو جاتے تو پھر اس بزمِ اضداد کے پروان چڑھنے کی کوئی صورت نہ ہوتی کیوں کہ پھر دوسری جانب کے لئے ناانصافی تھی۔ یہ آنحضرتؐ کا عظیم احسان ہے کہ اس معجزے سے آنحضرتؐ نے نظام علوی میں تطبیق کی صورت پیدا فرمائی اور دنیا کو دکھا دیا کہ نظام علوی میں تطبیق بھی آپ ہی کی ملکیتِ اعلیٰ دے سکتی ہے اور کسی میں یہ قوتِ قدسی موجود نہیں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ ایک اہم تاریخی واقعہ ہے جس کو راجہ بھوج نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جو اس وقت اپنے بالاخانہ میں مصروفِ عبادت تھا۔ اور عجائباتِ فلکی میں مستغرق تھا۔ اس نے صبح کو اپنے وزیروں اور درباریوں سے اس کا تذکرہ کیا اس وقت سے یہ تاریخی واقعہ ہنوز چلا آرہا ہے۔

عقائد الاسلام صفحہ ۷۹ ۔۔۔ ۸۰

چاند اور نظامِ شمسی

قدرت نے جب اس صحیفۂ کائنات کو پیدا فرمایا تو اس کو دن رات، ہفتہ، مہینہ اور سال کے چکروں میں پابند کر دیا۔ جب رات اپنا ظلمانی ورق الٹتی ہے تو اس کے پردہ میں سے صبح اپنا نورانی چہرہ لیکر سارے عالم کو منور کرتی ہوئی طلوع ہوتی ہے اور دن جب اپنا چکر پورا کر لیتا ہے تو رات اپنے سیاہ و تاریک پردہ میں دنیا جہان کو لپیٹ لیتی ہے۔ دن رات کے چکر سے دن، دنوں سے ہفتہ، ہفتے سے مہینہ اور مہینوں سے سال بنا۔ اس ماہ و سال کا حساب سورج سے قائم ہے یا چاند سے۔

دنیا کی تمام قوموں کے یہاں ماہ، سال کا مدار چاند کے دیکھنے پر رہا ہے چونکہ اپنی رفتار کے ساتھ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اپنے طلوع ہونے کے بعد سے بڑھتا ہوا اور گھٹتا ہوا ہر شخص کی نظر میں آتا ہے اور مہینہ کا حساب لگانے میں سہولت ہوتا ہے اسلئے چاند سے حساب ماہ و سال سہل و سادہ ہے جبکہ سورج کا اندازہ پیچیدہ ہے اسلئے ہر عامی کے بس کی بات نہیں۔

چنانچہ تقریباً تمام زبانوں میں مہینے کے لئے جو لفظ پائے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق چاند سے ہی ہے۔ فارسی لفظ "ماہ" ہندی لفظ "مہینہ" چاند کی طرف کھلا اشارہ ہے۔ ایسے ہی انگریزی لفظ "month" لاطینی لفظ "mens"

نوٹ:

یہ صفحہ ۱۷ کا مکمل مضمون ہے۔

جرمنی لفظ "mond" سنسکرت لفظ "ماس" بھی چاند سے تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ آریائی زبانیں ہوں یا سامی تمام زبانیں اسی حقیقت کا اعلان کرتی ہیں چنانچہ عربی لفظ سنہ غالباً لفظ سِن "Sin" دیوتا کی یادگار ہے جو تمام سامی قوموں میں چاند کا دیوتا شمار ہوتا تھا۔

"ڈکشنری آف بائبل صفحہ [illegible]"

اور قدیم بابلیوں میں اس کا لقب الہٰ سِن تھا (The God Sin) چنانچہ جنوبی عرب میں سِن دیوتا کے نام کے متعدد کتبے ملے ہیں۔ عربی میں سال کے لئے دوسرا لفظ عام ہے اس لفظ کا تعلق بھی چاند سے معلوم ہوتا ہے۔ قدیم عرب چندناں دیوتا کو عم بھی کہتے ہیں اسی طرح لفظ تاریخ بھی "یرخ" سے بنا ہے جو فلسطین میں چاند کو کہا جاتا ہے۔ البتہ امام طبری اور لغوی نے لفظ تاریخ کا رشتہ فارسی لفظ "ماہ روز" سے جوڑنے کی کوشش کی ہے ان کا بیان ہے کہ ماہ روز سے مورخ اور مورخ سے تاریخ، سب سے بڑھ کر عربی لفظ شہر جس کے آج بھی مہینے کے معنی ہیں یہ لفظ بھی قدیم آریائیوں میں چندرماں دیوتا کا نام تھا۔ چنانچہ شہر جنوبی عرب میں چاند کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا تھا۔

صفحہ [illegible]

حقیقت یہ ہے کہ عہد قدیم کے انسانوں کو جب زمانہ کا ادراک ہوا تو سورج کے طلوع و غروب کے بعد چاند کے مقررہ وقت پہ طلوع ہونے اور اس کے گھٹنے بڑھنے اور غائب ہو جانے سے گویا قدرتی اعلان کو محسوس کیا ابتداءً چھوٹا سا ناخن کی طرح پھر خنجر کی طرح بڑھتے یہاں تک تیرہ، چودہ، پندرہ دن میں سورج کی طرح طباق کی طرح ہو جانے کو دیکھا گیا اس وقفے سے مہینہ کا حساب لگا لیا گیا اور اسی سے سنہ کا آغاز ہوا لیکن انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ دائرہ تنگ تر ہوتا گیا اور ایک وقت آیا

آیا کہ انسان کو دنوں کی گنتی کے لئے بڑے وقفہ کی ضرورت پیدا ہوئی مستقل تجربات نے ہمارے باپ داداؤں پر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ چاند جب بارہ مرتبہ نمودار ہو کر غائب ہو جاتا ہے تو موسم پھر پلٹ کر آتا ہے اس لئے بارہ قمری مہینوں کے اس وقفے کو ایک سال فرض کر لیا گیا اس طرح دنوں کی گنتی میں آسانی پیدا ہو گئی کہا جاتا ہے کہ سال کو دوبارہ اور ہر ماہ کو چار ہفتوں پر سب سے پہلے وادی فرات کے سامی باشندوں نے مقرر کیا۔ اہل بابل کے ہفتہ کے دنوں اور سورج کے برجوں کے نام رکھے ہفتہ کے سات دن شاید اس لئے مقرر کئے کہ وقفہ چاند کی ماہانہ گردش کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔ (۲۸ ÷ ۴ = ۷) اس حساب کی رُو سے عربوں کے چاند کی منزلوں کی تعداد ۲۸ مقرر کی چونکہ ایک قمری مہینہ از روئے حساب ۲۹،۵۰ دن کا ہوا اس لئے بارہ قمری مہینے ایک قمری سال ہوا لیکن موسموں اور فصلوں کا اعتبار چاند کی گردش پر نہیں بلکہ سورج کی اس ظاہری گردش پر جو ۳۶۵،۲۴ دن پر تمام ہوتی ہے اس بناء پر سورج اور چاند کی گردش میں تقریباً گیارہ دن کا فرق ہوتا ہے۔

اس لئے قمری مہینے موسم کا ساتھ نہیں دے سکتے جن کا پورا کرنا قدیم قوموں کے لئے ضروری تھا۔ چوں کہ ہر قوم کے مذہبی تہوار کیلئے اگر ایک طرف مخصوص مہینے مقرر تھے تو دوسری طرف یہ بات بھی فرائض دینی میں داخل تھی کہ زائرین جب دیوتاؤں کے پاس حاضر ہوں تو اپنی زرعی حیوانی پیداواروں کے اولین حاصل کو ان کی نذر کریں اس بناء پر تہواروں کے تعین کرنے میں یہ خیال ناگزیر تھا کہ وہ فصلوں اور موسموں سے مطابقت کرتے رہیں تاکہ زائرین با آسانی نذرانے لا سکیں۔ بعض لوگوں کا ہماری تحقیق کے مطابق جو ایک پرانے طبقہ کا خیال ہے کہ ہفتہ کے سات دن سبع سیارہ

کی مناسبت سے مقرر کئے گئے تھے چنانچہ ان کے نام بھی سیاروں کے نام پر رکھے گئے لیکن مذکورہ تحقیق کے مطابق یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا اسلئے کہ قدماء نے کرۂ فلکی کو ٹھیک ۲۸ منازل پر تقسیم کیا تھا اس اعتبار سے ہفتہ دائرۂ فلکی کا ٹھیک ۱/۴ ہے۔

عرب اور ستارہ پرستی

عرب دنیا صدیوں سے مہذب دنیا سے کٹ کر علوم وفنون سے کوسوں دور ہو چکے تھے اس لئے اسلام سے پہلے کے اس دور کو دورِ جاہلیت کہا جاتا ہے کیوں کہ ریگستان و صحرا میں رہنے کی وجہ سے اہلِ عرب بارہ مہینے آسمان تلے زندگی بسر کیا کرتے تھے اور جب رات میں ظلمت کا تسلط ہو جاتا تو تاروں بھری رات کے منظر سے لطف اٹھاتے اور ستاروں کے طلوع و غروب اور ان کی عجیب و غریب چالوں سے اثر پذیر ہوتے۔ بابلی اشوری قوموں کیطرح وہ بھی ستاروں کی تاثیرات کے قائل اور انسانی قسمتوں کے بنانے بگاڑنے میں مؤثر مان کر ان کی پوجا کرتے تھے اسلئے عرب میں بھی ستارہ پرستی کا زور تھا چنانچہ قبیلہ حمیر سورج کو، کنانہ چاند کو، تمیم دبران کو، لخم و جزام مشتری کو اور قبیلۂ طے سہیل ستارہ کو اور قیس شعرالعبور کو اور قبیلۂ اسد کے لوگ عطارد کو پوجتے تھے۔ اکثر قبیلوں کے بت ستاروں کے نام پر تھے اپنے بڑے بڑے کاموں کو ستاروں کے طلوع و غروب پر شروع اور ختم کرتے تھے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت نوحؑ کے زمانے میں عراق عرب میں یغوث و یعوق و نسر اور سواع کی پرستش ہوتی تھی یہ سب ستاروں کے نام ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکِ عرب میں قدیم زمانہ سے ستارہ پرستی رائج تھی عرب کے ستارہ پرستوں میں چاند کے پرستار سب سے زیادہ تھے کیوں کہ دن کی جھلس دینے والی تمازت و گرمی کی وجہ سے دن میں ضرورتاً کام کاج کیلئے نکلتے

نوٹ:

نظام فلکی اور زمین کا مضمون ختم ہونے کے بعد یہ مضمون پڑھیے۔

آفتاب سے زمین کا فاصلہ	۹۲۸۷۰۰۰۰ ہے
چاند سے زمین کا فاصلہ	[illegible]۸۸۵۰
زمین کا کل رقبہ	[illegible]۵۰۸۶۰۰۰ ہے
خشکی کا رقبہ	۱۳۱۰۰۰۰۵۵ ہے
پانی کا رقبہ	۱۳۱۰۰۰۰۵۵ ہے

(گلدستۂ معلومات)

لیکن جاننا چاہئے [illegible]
[illegible]
[illegible] واللہ اعلم